# فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

## تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

# اجمالی فہرست

☆ بقية كتاب الصلوة ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فہرست عنوانات



| نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| | باب صلوۃ الجمعۃ | |
| | الفصل الأول فی وجوب الجمعۃ | |
| | (وجوبِ جمعہ کا بیان) | |

## الفصل الثانی فی شرائط الجمعة

## (صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)



## فصل فی اشتراط المصر للجمعة

## (صحتِ جمعہ کے لئے شہر کی شرط ہونے کا بیان)

## الفصل الثالث في تعدد الجمعة

### (متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

## الفصل الرابع في خطبة الجمعة

### (جمعے کے خطبہ کا بیان)

## الفصل الخامس في أذان الجمعة

### (جمعہ کی اذان کا بیان)

## الفصل السادس فی وقت صلوٰۃ الجمعۃ

### (نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان)



## الفصل السابع فی النوافل یوم الجمعۃ

### (جمعہ کی نفلوں کا بیان)



## الفصل الثامن فی احتیاط الظہر

### (احتیاط الظہر کا بیان)



## الفصل التاسع فی النظافۃ یوم الجمعۃ

### (جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

## فصل فی المتفرقات



# باب العیدین

## الفصل الأول في شرائط العيدين

## (عیدین کی شرائط کا بیان)



## الفصل الثاني في وجوب صلوة العيد على المحبوسين والنساء

## (قیدیوں اور عورتوں کے لئے نماز عید کا بیان)

## الفصل الثالث في صلوة العيد في المسجد وغيره

### (عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

## الفصل الرابع فی تعدد العید وتکراره

### (نمازِ عید میں تعدد اور تکرار کا بیان)



## الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

### (تکبیراتِ عید کا بیان)



## الفصل السادس فی تکبیرات التشریق

### (تکبیراتِ تشریق کا بیان)

## الفصل السابع فی خطبة العید

## (خطبۂ عید کا بیان)



## الفصل الثامن فی الدعاء بعد العیدین

## (نماز عید کے بعد کی دعا کا بیان)

## الفصل التاسع فی المتفرقات



# باب صلوٰۃ الاستسقاء

## (نماز استسقاء کا بیان)

# باب الجنائز



## الفصل الاول فی غسل المیت

## (میت کو غسل دینے کا بیان)

## الفصل الثانی فی تکفین المیت

## (میت کے کفن کا بیان)

## الفصل الثالث في الصلوٰة على الميت

## (جنازہ کی نماز کا بیان)

☆ ☆ ☆

# باب صلوۃ الجمعۃ

## الفصل الأول في وجوب الجمعة

### (وجوب جمعہ کا بیان)

**نابینا پر جمعہ اور اس کی امامت**

سوال [۳۶۷۰]: ۱..... کیا نابینا (اندھے) پر نماز جمعہ فرض ہے؟

۲..... کیا نابینا (نمعز) جمعہ کرا سکتا ہے؟

۳..... اگر اندھے پر جمعہ فرض نہیں تو دوسروں کا جمعہ کس طرح کرا سکتا ہے، جب کہ مقتدیوں میں علم والے اور متقی اور سید ہونے کے باوجود پابند صوم وصلوۃ ہوں؟ ایسی صورت میں اگر نابینا سے ضد انماز جمعہ پڑھوائے تو کیا نماز کے ثواب میں تو کمی نہ ہوگی؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

۱..... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اندھے پر جمعہ فرض نہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ہے، بشرطیکہ اس کو جامع مسجد تک لے جانے والے موجود ہوں: "سلامة العينين، فلا تجب على الأعمى عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، لا فرق بين أن يجد قائداً أو لا، خلافاً لهما إذا وجد قائداً يوصله" اهـ. طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۹۲(۱)۔

۲، ۳..... اندھا چونکہ اکثر طہارت کا اہتمام نہیں کر سکتا اور نجاست سے نہیں بچ سکتا، اس لئے اس کی

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة، ص: ۵۰۵، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس في صلاة الجمعة: ۱۴۴/۱، رشيدية)

تو کیا ان سب مقامات پر محض اذان سننے سے جمعہ واجب ہو جائے گا ہرگز نہیں(۱)، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں(۲) وہ اذان سے پہلے پہلے ضروریات سے فارغ ہو جائے اور اذان سنتے ہی جمعہ کے لئے حاضر ہونے کی کوشش کرے، وہذا کلہ ظاہر(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۰ھ

## جمعہ کے لئے گاؤں سے شہر میں آنا

سوال[۳۶۶۹]: ایک شخص کسی دیہات کی مسجد میں امام ہے اور ان کو نماز جمعہ کا شوق ہے اور وہ

---

(۱) "وفي الخانية: المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع، لا جمعة عليه وإن بلغه النداء. وتقدير البعد بغلوة أو ميل ليس بشيء ... ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به، فلا تجب على أهل السواد ولو قريباً، وهذا أصح ما قيل فيه ... اهـ. قال في الإمداد: فتنبه. قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال، فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۲/۱۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۳، رشيدية)

(۲) "وأما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلي، فخمسة في ظاهر الروايات: المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۲/۱۸۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النتف في الفتاوى، كتاب الصلاة، مطلب صلاة الجمعة، ص: ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۱۶۸، ۱۶۹، مكتبه شركت علميه)

(۳) "وإذا أذن المؤذن ... خلاصته يجب المشي إلى الجمعة وترك البيع وغيره من أشغال الدنيا المعوقة عن السعي من الأذان الأول للجمعة لنص قوله تعالى: ﴿إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع﴾". (المعتصر الضروري شرح مختصر القدوري، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ص: ۱۱۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، رشيدية)

نماز جمعہ پڑھنے کے واسطے قصبہ یا شہر میں جو دو، دو کوس کے فاصلے پر ہے آوے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس کو نماز جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اسی طرح اگر امام کے علاوہ کوئی اور شخص دیہات سے شہر میں نماز جمعہ پڑھنے آوے، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر دونوں کو ثواب ملتا ہو تو قرآن و حدیث کا حوالہ دے کر تحریر کریں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص پر جمعہ فرض نہیں، خواہ گاؤں میں رہنے کی وجہ سے خواہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے، وہ اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھ لے کہ جہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے تو اس کو جمعہ پڑھنے سے جمعہ کا ثواب ملے گا اور اس کے ذمہ سے فریضہ ادا ہو جائے گا، خواہ وہ امام ہو خواہ مقتدی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھنے کے لئے کئی کئی کوس گاؤں سے نمبروار بعض حضرات مدینہ شریف میں آیا کرتے تھے، ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۱ مطبع نامی کانپور میں یہ حدیث مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## گاؤں کا آدمی جمعہ کے دن شہر میں جائے تو کیا نیت کرے؟

سوال[۳۶۷۰]: کوئی شخص گاؤں کا رہنے والا ہو اور وہ اپنے کام کے لئے شہر میں جاوے جمعہ کا دن ہو تو وہ اپنا کام کر کے جمعہ پڑھے، یا بعد جمعہ اپنا کام کرے، تو سنا ہے کہ اس کو پورا ثواب نہیں ملتا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسی جگہ کچھ کام ہے جہاں پر جمعہ ہوتا ہے اور وہ کام جمعہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور ایسی جگہ سے جا

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالي". (سنن أبي داؤد، باب من تجب عليه الجمعة: ١٥١/١، سعيد)

(وصحيح البخاري: ١٢٣/١، باب من أين تؤتى الجمعة وعلى من تجب، كتاب الجمعة، قديمي)

"القروي إذا دخل المصر يومها إن نوى المكث ثمة ذلك اليوم، لزمته الجمعة. وإن نوى الخروج من ذلك اليوم قبل دخولها أو بعده، لا تلزمه. لكن في النهر: إن نوى الخروج بعده، لزمته، وإلا لا". (الدر المختار: ١٥٤/٢، باب الجمعة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلوة الجمعة: ١٤٣/٢، رشيدية)

ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ جمعہ کی نیت کرکے جائے اور اپنا کام بھی کرتا رہے۔ اگر دونوں کی نیت کرے جمعہ کی بھی اور کام کی بھی، تب بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

## جمعہ کے وقت اسکول کی حاضری

سوال[۲۹۷۱]: میں اردو گورنمنٹ اسکول ریاست بہار اشرم میں مدرس ہوں، جمعہ کا وقت ساڑھے دس بجے سے دو بجے تک کے درمیان یعنی اسکول کی مصروفیت میں آتا ہے۔ اب ہم لوگ اسکول بند کرکے ویسے ہی جمعہ پڑھا لیا کرتے تھے، اب اس کے لئے آفیسر تنگ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ شام کو مدرسہ ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک ہے اور نوکری کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوشش کرکے کوئی ایسی جگہ تجویز کرلیں جہاں ڈھائی بجے جمعہ ہوتا ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۰ھ۔

## جن لوگوں کو جمعہ نہیں ملا، کیا وہ ظہر جماعت سے پڑھیں؟

سوال[۲۹۷۲]: جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرچکے تو ظہر کی نماز اسی مصلیٰ پر حنفی مذہب میں جن

---

(۱) "سمعت أبا هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلوة الرجل في الجماعة تضعف على صلاته في بيته وفي سوقه خمسة وعشرين ضعفاً، وذلك أنه إذا توضأ فأحسن الوضوء، ثم خرج إلى المسجد لا يخرجه إلا الصلوة، لم يخط خطوة، إلا رفعت له بها درجة، وحط عنه بها خطيئة، فإذا صلى، لم تزل الملائكة تصلي عليه مادام في مصلاه: اللهم صل عليه، اللهم ارحمه، ولا يزال أحدكم في صلاة ما انتظر الصلوة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة الجماعة: ۱/۸۹، ۹۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۲۳۲، باب فضل صلوة الجماعة، قديمي)

(۲) "ولو أمكنه الذهاب إلى إمام آخر فعل، لأنها تؤدي بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً". (الدر المختار: ۲/۱۶۷، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

دیگروں کا جمعہ رہ گیا ان لوگوں کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے لوگوں کو وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا منع ہے، جمعہ نہ ملنے کی وجہ سے الگ الگ ظہر پڑھیں، ایسا ہی فقہ کی کتابوں ردالمحتار وغیرہ میں لکھا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۹ھ۔

## جمعہ سے پہلے ظہر پڑھی

سوال[۳۶۷۳]: ایک شخص نے نماز جمعہ سے پہلے نماز ظہر پڑھ لی اور پھر نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے آیا، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو جمعہ پڑھنا چاہیے اور ظہر کی نماز پڑھی ہوئی باطل ہوگئی، اگر امام کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھے گا تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ

---

(۱) "وكره تحريماً لمعذور أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة، فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة" (الدر المختار: ۲/۱۵۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة، سعيد)

"ويكره تحريماً صلاة الظهر بعد الجمعة بجماعة" (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۱۳۳۲، كتاب الصلاة، صلاة الجمعة، رشيدية)

(۲) "وحرم لمن لا عذر له صلاة الظهر قبلها في يومها بمصر، فإن فعل ثم ندم وسعى إليها بأن انفصل عن باب داره والإمام فيها، بطل ظهره أدركها أو لا" (الدر المختار: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، كتاب الصلاة، باب الجمعة، سعيد)

"فإن أدركها مع الإمام ينتقض ظهره عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله حتى لو بطلت الجمعة بوجه، كان عليه إعادة الظهر" (المحيط البرهاني: ۲/۱۰۴، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، غفارية)

## جو شخص کوئی نماز نہیں پڑھتا صرف جمعہ پڑھتا ہے اس کا حکم

سوال[۳۶۷۳]: ایک شخص ہفتہ بھر نماز نہیں پڑھتا ہے صرف جمعہ کی نماز پڑھتا ہے تو کیا نماز جمعہ ادا ہو جائیگی؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

نماز جمعہ تو ادا ہو جائیگی (۱) لیکن ہفتہ بھر کے فرائض کو ترک کرنا کبیرہ گناہ اور سخت وبال کی چیز ہے (۲) اس کو چاہیے کہ ہر نماز پابندی سے پڑھا کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) ہر نماز کا حکم مستقل ہے لہٰذا صرف نماز جمعہ پڑھنے سے بقیہ نمازیں ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گی۔

"قال العلامة الكاساني: "أما الأول فالجمعة فرض لا يسع تركها، و يكفر جاحدها. والدليل على فرضية الجمعة، الكتاب والسنة وإجماع الأمة، أما الكتاب: فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (الجمعة: ۹) "قيل: ﴿ذكر الله﴾ هو صلاة الجمعة، وقيل: هو الخطبة، وكل ذلك حجة. .... وأما السنة: فالحديث المشهور: "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! توبوا إلى الله قبل أن تموتوا، وبادروا بالأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا، وصلوا الذي بينكم و بين ربكم بكثرة ذكركم له وكثرة الصدقة في السر والعلانية ترزقوا وتنصروا وتجبروا! واعلموا أن الله قد فرض عليكم الجمعة في مقامي هذا، في يومي هذا، في شهري هذا، من عامي هذا إلى يوم القيامة، فمن تركها في حياتي أو بعدي وله إمام عادل أو جائر استخفافاً بها أو جحوداً لها، فلا جمع الله له شمله و لا بارك له في أمره، ألا! لا صلوة له و لا زكوة له" الحديث. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل صلاة الجمعة: ۱/۵۶۷، ۵۶۸، رشيديه)

(والحديث رواه ابن ماجة، كتاب الصلوة، باب فرض الجمعة، ص: ۷۵، قديمي)

"وهي: أي الجمعة فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۳۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۶، سعيد)

(۲) "عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالى عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، =

نماز کے لئے بکریاں تنہا جنگل میں چھوڑ کر قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کو آنا مشکل ہے، چونکہ وہ شخص تنہا ہے۔ ایسی صورت میں نماز ادا کرنے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ شخص نماز جمعہ ادا کرتے ہوئے جنگل میں ظہر کی نماز بیٹھ ادا کر سکتا ہے؟ اس شخص کی عمر ۳۵/ سال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بکریاں چرانے کی جگہ سے شہر سے ۳/ میل فاصلہ پر ہے تو اس کے ذمہ جمعہ کے لئے آنا واجب نہیں، وہیں ظہر کی نماز ادا کرلیا کرے، كما في الفقه (ص: ۳۰، ج: ۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

## قیدیوں کے لئے جمعہ وعیدین واعتکاف کا حکم

سوال [۱۷۰۲]: ہم پاکستانی جنگی قیدی ہیں، ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، عیدین اور جمعہ اسیری کی وجہ سے معاف ہے، اگر رمضان تک رہا ہوئے تو روزہ، تراویح اور اعتکاف کی کیا پوزیشن ہے؟ نمازیں باجماعت مع اذان ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صاحبوں کو جب وہاں اذان و جماعت کی سہولت ہے، کوئی رکاوٹ نہیں اور دوسرے کا وہاں

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله عنه: "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن" (أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، إدارة إسلاميات)

"ومنها الإقامة في المحل الذي تقام فيه الجمعة أو في محل متصل به، فمن كان في محل يبعد عن مكان الجمعة، فإنها لاتجب عليه. وقدروا مسافة البعد بفرسخ، وهو ثلاثة أميال، والميل ستة آلاف ذراع، وهي خمسة كيلو مترات، وهذا هو المختار للفتوى". (كتاب الفقه، كتاب الصلوة، مباحث الجمعة: ۱/۳۹۰، دار الفكر)

"وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب، وإن أراد تكليفهم وذهابهم إلى المصر فممكن، لكنه بعيد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيدية)

داخل ہونا نماز جمعہ سے منع کرنے کے لئے نہیں بلکہ قانونی تحفظ کے لئے منع ہے، ایسی حالت میں بعض کتب فقہ کی عبارات کے تحت ایسی جگہ جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ روزہ، تراویح میں کوئی پابندی نہیں، حکم شرعی کے مطابق روزہ رکھیں، تراویح پڑھیں۔ اگر مسجد مستقل نہ ہو تو جہاں جماعت کرتے ہیں وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆ … ☆ … ☆ … ☆ … ☆

---

(۱) "(و) من شرائطها (الإذن العام) فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلي" (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲/۱۵۱، ۱۵۲، سعيد)

(۲) مسجد اعتکاف کے لئے شرط ہے، اعتکاف واجب ہو یا غیر واجب۔ قال العلامة الكاساني: "وأما الذي يرجع إلى المعتكف فيه، فالمسجد، وأنه يشترط في نوعي الاعتكاف: الواجب والتطوع، لقوله تعالى: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد﴾ وصفهم بكونهم عاكفين في المساجد مع أنهم لم يباشروا الجماع في المساجد لينهوا عن الجماع فيها، فدلّ أن مكان الاعتكاف هو المسجد، ويستوي فيه الاعتكاف الواجب والتطوع؛ لأن النص مطلق. ثم ذكر الكرخي أنه لا يصح الاعتكاف إلا في مساجد الجماعات وقال الطحاوي: إنه يصح في كل مسجد" (بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف، وأما الذي يرجع إلى المعتكف فيه: ۳/۲۸۰، رشيديه)

"هو (أي الاعتكاف) لغةً: اللبث، وشرعاً: لبث ذكر في مسجد جماعة، وهو ماله إمام ومؤذن، أُدّيت فيه الخمس أو لا. وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه، وصححه بعضهم، وقالا: لا يصح في كل مسجد، وصححه السروجي. فاللبث: هو الركن، والكون في المسجد والنية من مسلم عاقل طاهر من جنابة شرطان". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: هو لغةً اللبث) سمي به هذا النوع من العبادة؛ لأنه إقامة في المسجد مع شرائط. مغرب

(قوله: ذكر) ولم يقل: قيد به نظراً إلى شرطية مسجد الجماعة، فإنه شرط لاعتكاف الرجل

(قوله: فاللبث هو الركن) أما حقيقته الشرعية فهي اللبث المخصوص، أي في المسجد

فتأمل". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، سعيد)

لیکن شاید حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی جزئیہ ہو، اس کے لحاظ سے غیر مسجد جیسے سوال میں مذکور ہے، اس کی اجازت دی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# الفصل الثانی فی شرائط الجمعۃ

## (صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

### جمعہ کے شرائط مفصل

سوال[۳۶۷۸]: یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں زمانۂ قدیم سے بلاتمیز قریہ صغیرہ وکبیرہ کے نماز جمعہ قائم ہوتی چلی آئی ہے، حالانکہ مسلمانوں کی آبادی بالعموم مذہب احناف کی ہے۔ کچھ عرصے اہلِ علم طبقہ میں جب اس کا احساس ہوا کہ مذہب حنفیہ میں جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، جہاں وہ شرائط نہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس خیال سے اہلِ علم کا طبقہ اور ان کے اتباع میں اور دیندار طبقہ دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنے سے رک گئے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ سے کہیں کہیں خلجان کی صورت پیش آگئی اور ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ مذہب احناف میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور کیا قولِ فیصل ہے جو معمول بہا عام طور سے بتایا جا سکتا ہے؟

اس تحت میں چند سوالات اس کے متعلق پیشِ خدمت ہیں امید ہے کہ ان پر غور فرما کر مذہب حنفیہ کے دائرے میں کوئی قولِ فیصل جو عام طور سے معمول بہا ہیں اس سے مطلع فرمایا جائے جو کہ باعثِ تسکین ہو:

۱..... مذہب حنفیہ میں دیہاتوں میں جمعہ صحیح ہونے کے لئے مصر یا قریۂ کبیرہ وصغیرہ میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اور جمعہ پڑھنے کے لئے زمانۂ حاضرہ میں کیا شرائط ہیں؟

۲..... بعض اکابر علمائے احناف کی طرف رجوع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس گاؤں میں کم از کم سو سال سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ بند نہیں کرنا چاہئے، مگر یہ کوئی تفصیل معلوم نہ ہوسکی کہ یہ حکم کس اصل پر مبنی ہے؟ اور اس میں قریۂ کبیرہ وصغیرہ کی کوئی تفصیل ہے یا نہیں؟

۳..... اگر سوال نمبر ۲ کی کوئی اصل موجود ہے تو کیا جو حضرات شرائطِ جمعہ کے مفقود ہونے کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھتے ہیں تو ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور اگر آہستہ آہستہ لوگ جمعہ ترک کرنے لگیں تو نتیجہ جمعہ کے

۸...... مین پوری کے بعض قصبوں کے درمیان عرصہ دو یا پانچ کا جو فصل ہے اس مقدار اور اس سے بھی کم بعض دوسرے مواضع کا فصل ہے لیکن آبادی یا تو سب ہندوؤں کی ہے یا ایک دو مسلمان بھی ہیں، اب ایسی صورت میں درمیان کے جو مسلمان ہیں وہ ہیں ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ درمیان کی آبادیاں جو ہندوؤں کی ہیں وہ ایک شہر کے متصل ہونے کے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات تو صاف اور مسلّم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قریۂ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں بلکہ روز مرہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز فرض ہے(۱) اور ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے ظہر کا فریضہ ادا نہیں ہوگا اور جس نماز کو جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ سمجھنا کہ فرض ادا ہوگیا اور نفل کے لئے اذان کہنا، اقامت کہنا، جماعت سے نفل ادا کرنا، نفل نہاری میں قراءت بالجہر کرنا یہ سب محظورات شرعیہ لازم آئیں گے(۲)۔

قریۂ صغیرہ وکبیرہ میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ یہ موقوف ہے شہر کی تعریف پر، اور فقہاء چونکہ ماہیات سے بحث نہیں کرتے کہ تعریف بالکلیہ کریں جس سے ذاتیات معلوم ہوں، بلکہ احکام سے بحث کرتے ہیں، لہٰذا

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: لا جمعۃ ولا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعۃ، باب عدم جواز الجمعۃ فی القری: ۸/۱، إدارۃ القرآن کراچی)

"لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیہا قاض ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات. والظاہر أنہ أرید بہ الکراہۃ لکراہۃ النفل بالجماعۃ، ألا تری أن فی الجواہر: لو صلوا فی القری، لزمہم أداء الظہر" (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، سعید)

(۲) "قال الطیبی: وفیہ أن من أصر علی أمر مندوب، وجعلہ عزماً، ولم یعمل بالرخصۃ، فقد أصاب منہ الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعۃ أو منکر" (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، باب الدعاء فی التشہد: ۳۱/۳، رشیدیہ)

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان: أی یکرہ ذلک علی التداعی" (الدر المختار، باب الإمامۃ: ۵۵۲/۱، سعید)

"وأما فی نوافل النہار فیخفی فیہا حتماً". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی فی الواجبات: ۷۲/۱، رشیدیہ)

تعریف بالا دکھا ہوا آ جاتے ہیں اور یہ تعریف آخر اوقات عادات کے ذریعہ سے ہوتی ہے، علامات متعدد بھی ہوسکتی ہیں اور مختلف بھی ہوتی رہتی ہیں، اسی لئے بعض حضرات نے مردم شماری کے اعتبار سے کی ہے، بعض نے وسعت مسجد کا لحاظ کیا ہے، بعض نے صنعت وحرفت کا خیال کیا ہے، بعض نے تنفیذ حدود وقصاص کو معیار تسلیم کیا، وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ بدائع(۱) بحر(۲) کبیری(۳) شامی(۴) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، بعض نے عرف پر

---

(۱) "أما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده، ذكر الكرخي أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام، وعن أبي يوسف ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعاً ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى. وروي عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۲) "وفي حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة ... قال في البدائع: وهو الأصح، وتبعه الشارح، وهو أخص مما في المختصر، وفي المجتبى عن أبي يوسف أنه ما إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم، وعليه فتوى أكثر الفقهاء، وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه، وفي الولوالجية: وهو الصحيح". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، رشيديه)

(۳) "ثم اختلفوا في تفسير المصر اختلافاً كثيراً، والنص في ذلك أن مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمع من زمنه عليه السلام إلى اليوم، فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر، وكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر، حتى التعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار وغيرهما، وهو: ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم، فإنه منقوض بهما، إذ مسجد كل منهما يسع أهله وزيادة، ولم يعلم أن مكة والمدينة كانت في زمن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أو الصحابة أكثر مما هي الآن، ولا أن مسجدهما كان أصغر مما هو الآن، فلا يعتبر هذا التعريف ... فالحاصل أن أصح الحدود ما ذكره في التحفة لصدقه على مكة والمدينة، وهما هما الأصل في اعتبار المصرية". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، ۵۵۱، سهيل أكيدمي لاهور)

(۴) "قال رحمه الله تعالى: (وهو) أي المصر (كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود) وهذه رواية عن أبي يوسف، وهو اختيار الكرخي، وعنه أنهم لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم

عاد رہا کہ جس کو عرفاً قریہ صغیرہ کہا جاتا ہے وہ صغیرہ ہے، جس کو قریہ کبیرہ کہا جاتا ہے وہ کبیرہ ہے(۱)۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو تعریف منقول ہے جس کو صحیح قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". شامي: ۱/۷۴۸(۲)۔

یہ تعریف اصالۃً مصر کی ہے، پھر قصبہ میں بھی چونکہ یہ جملہ اشیاء موجود ہوتی ہیں تو وہ بھی مصر کے حکم میں ہے اور قریہ کبیرہ بھی بمنزلہ قصبہ کے ہو جاتا ہے اس میں بھی ان امور کا خیال رکھا گیا ہے: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". شامي: ۱/۷۴۸(۳)۔

جس قریہ میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ قریہ صغیرہ ہے وہاں درست نہیں: "وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كذا في المضمرات اهـ". شامي: ۱/۷۴۸(۴)۔

---

= بمهماتهم، وهو اختيار البلخي. وعنه: هو كل موضع يكون فيه كل محترف، ويوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه في معايشهم، وفيه فقيه مفت وقاض يقيم الحدود. وعنه: أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف. وقيل: يوجد فيه عشرة آلاف مقاتل. وقيل: أن يكون أهله بحال لو قصدهم عدو، يمكنهم دفعه الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نفي، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۰۹، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، المكتبة اليحيوية سهارنبور)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيدية)

اب عرف کے بدلنے سے علامات بھی بدل گئی ہیں۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین چار ہزار آبادی کے ساتھ بازار، گلی کوچوں، روزمرہ کی ضروریات کا وہاں ہمیشہ فراہم رہنا قریۂ کبیرہ کی علامات میں قرار دیا(۱)۔ بعض علماء نے اس سے کچھ کم آبادی پر اجازت دی ہے، نہ تنہا مردم شماری پر مدار ہے نہ صرف دوکانوں پر مدار ہے، بلکہ اس قریہ کی مجموعی حیثیت ایسی ہو کہ اس کو قریۂ کبیرہ وقصبہ کی مثل کہا جاسکے۔

۲..... یہ تو بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اتنی مدت کے قائم شدہ جمعہ کو ختم ہونے سے مسلمانوں میں خلفشار ہوگا، ورنہ اس کی اصل کتبِ فقہ میں کہیں نظر سے نہیں گزری(۲)۔

۳..... جس جگہ شرائطِ جمعہ نہیں اور لوگ کم علمی کی وجہ سے وہاں جمعہ پڑھتے ہوں تو وہاں جمعہ کا ترک اور بند کرنا کوئی عیب اور گناہ نہیں جس سے خوف کیا جائے، بلکہ یہ تو ان مفاسد کی وجہ سے جن کا تذکرہ جواب نمبر: ۱ میں آیا ہے، مطلوبِ شرعی ہے۔ بہ نیتِ نفل جمعہ میں شرکت کرنے سے دوسرے لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی جمعہ پڑھتے ہیں، ایسی جگہ جمعہ پڑھ کر ظہر کی نماز پڑھنا بھی صحیح ہے، ان دونوں کو جمع نہیں کرنا چاہیے، صاحبِ بحر نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے(۳)۔

---

(۱) (راجع الکوکب الدری، باب ماجاء فی ترک الجمعۃ بغیر عذر: ۱/۱۹۹) (وایضاً، ص: ۳۳، رقم ۱)

(۲) "جن بستیوں میں قدیم زمانہ سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑنے سے لوگ نماز پنجگانہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہیے، تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں، مگر ان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہیے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجمعۃ: ۳/۲۳۵، دارالاشاعت کراچی)

"کما فی المجتبی عن الحلوانی ان کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس، لا یمنعون؛ لأنهم إذا منعوا ترکوها أصلاً، وأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلاً".

(رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۴۷، سعید)

(۳) "وأما القری فإن أداء الصلوٰۃ فیها، غیر صحیحة علی المذهب، وإن أراد تکلیفهم و ذهابهم إلی المصر، فممکن لکنه بعید، وأقرب من هذا ما فی القنیة من أنه یلزم حضور الجمعة فی القری، ویعمل بقول علی رضی اللہ تعالیٰ عنه. إیاک و مایسبق إلی القلوب إنکاره وإن کان عندک اعتذاره، فلیس کل سامع نکراً تطیق أن تسمعه عذراً. فإن المذهب عدم صحتها فی القری فضلاً عن لزومها". (البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۸، رشیدیہ)

۴، ۵، ۶..... جو بستیاں اتنی متصل ہیں کہ دیکھنے میں وہ ایک ہی معلوم ہوتی ہیں گو سرکاری کاغذات میں ان کے نام جدا جدا ہوں ان کو جواز جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی قرار دیا جائے گا۔ جب کسی بستی میں شرائط کے ماتحت جمعہ جائز ہو تو حسب حاجت وہاں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے جیسے کہ ایک شہر کے متعدد محلوں میں ہوتا ہے (۱)۔ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے ..... کسی عالم فقیہ کو قریب سے بلا کر مشاہدہ کرا دیں، پھر جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کریں، تحریری تفصیلی نقشہ کے باوجود مشاہدہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

۷..... جس جگہ نماز جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں نماز جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ "صلوۃ العید فی القریٰ تکرہ کراھۃ تحریم" الخ۔ بحر: ۲/۱۵۸ (۲)۔

۸..... جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہیے کہ جمعہ ادا کریں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "لو کان احدھما تبعاً للآخر بحیث تجب الجمعۃ علیٰ ساکنہ للاتحاد حکماً"۔ (الدر المختار).

"(قولہ أو کان أحدھما تبعاً للآخر) کالقریۃ التی قربت من المصر بحیث یسمع النداء علی مامر فی الجمعۃ وفی البحر: لو کان موضعان من مصر واحد أو قریۃ واحدۃ، فإنہا صحیحۃ؛ لأنہما متحدان حکماً، ألا تری أنہ لو خرج إلیہ مسافراً لم یقصر"۔ (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ المسافر: ۲/۱۲۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب المسافر: ۲/۲۳۲، رشیدیہ)

"قولہ: (وتؤدی فی مصر فی مواضع) : أی یصح أداء الجمعۃ فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ وھو قول أبی حنیفۃ ومحمد، وھو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینۃ کبیرۃ حرجاً بیناً وھو مدفوع"۔ (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۲/۲۵۰، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلوۃ، الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ: ۱/۱۴۶، رشیدیہ)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ العیدین: ۲/۲۷۷، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ العیدین: ۲/۱۶۷، سعید)

(۳) "أن أم عبد اللہ الدوسیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: =

غیرهما إلا لضرورة أتم"(۱) اور اس میں اختلاف ہے: "صرح في قضاء البحر بأن ما خرج عن ظاهر الرواية، فهو مرجوع عنه، ليس قولاً له"(۲)۔ "وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوع جهلٌ و خرقٌ للإجماع". در مختار، ص: ۱۵(۳)۔

۳... "مذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوح صار منسوخاً". شامي، ص: ۶۹(۴)۔ "والعمل بالمنسوخ حرام". الأشباه والنظائر(۵)۔ "وفيه عن التوشيح: أن ما رجع عنه المجتهد، لا يجوز الأخذ به". شامي: ۱/۶۲(۶)۔

"إذا اختلف التصحيح، وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع إليها". شامي: ۱/۶۶(۷)۔ "الفتوى على قول الإمام الأعظم في العبادات مطلقاً اهـ". عمدة الرعاية، مقدمه هدايه(۸)۔

اور بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر الروایت کے خلاف عمل جائز نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ جمعہ میں اس کے خلاف بدون سلطان واذن سلطان جمعہ پڑھا جاتا ہے؟

۴... زید کہتا ہے کہ کیسے امام صاحب کے قول کو چھوڑ کے عالمگیری اور شامی وغیرہا کے قول پر عمل

---

(۱) (الدر المختار، مقدمه، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۱/۷۲، سعيد)

(وكذا في شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۵، ۲۶، ۲۷، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) (رد المحتار، المقدمة: ۱/۶۷، سعيد)

(۳) (الدر المختار، المقدمة: ۱/۷۴، سعيد)

(۴) (رد المحتار، المقدمة، مطلب: لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا: ۱/۷۴، سعيد)

(۵) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب القضاء والشهادات الخ، رقم القاعدة: ۱۳۲۵: ۲/۳۳۵، إدارة القرآن كراچي)

(۶) (رد المحتار، مطلب في مولد الأئمة الأربعة الخ: ۱/۶۷، سعيد)

(۷) (رد المحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۱/۷۲، سعيد)

(وكذا في مقدمة عمدة الرعاية، بحث فوائد متفرقة، ص: ۱۳، سعيد)

(۸) (مقدمة عمدة الرعاية، بحث فوائد متفرقة، ص: ۱۳، سعيد)

کرے گا کہ: "یجوز للمتغلبین إقامة الجمعة، ویصیر القاضي قاضیاً بتراضي المسلمین"(١) اور یہ بھی لکھا ہے کہ: "یصیر القاضي قاضیاً" میں قاضی سے قاضی مراد ہے یعنی پہلے ہی بادشاہ کی طرف سے قاضی القضاۃ تھا اب تراضی المسلمین سے جمعہ کے لئے وہ بادشاہ کے قائم مقام ہوگا اور اب جو خطیب کو قاضی بناتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ وہ بادشاہ کی طرف سے مقرر نہیں ہے، ورنہ یصیر القاضي قاضیاً کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

٣٠٤٣ اس شرط میں بعض احناف نے بھی کلام کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں لی، کما قال مولانا بحر العلوم في رسائل الأرکان: "ولم أطلع علی دلیل یفید اشتراط أمر السلطان الخ"(٢)۔

پھر جن حضرات نے اس کو شرط قرار دیا ہے وہ بعض حدیث سے استدلال کرتے ہیں جیسے زیلعی: ۱/۲۱۷(٣)، فتح القدیر: ۲/۵۴(٤) الغنیۃ، ص: ۵۵۱(٥) وغیرہم۔ بعض اس کو خوف فتنہ سے بھی [illegible]

(١) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٦، رشیدیه)
(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی المراقي، کتاب الصلاة، أحکام الجمعة، ص: ٥٠٧، قدیمي)

(٢) (رسائل الأرکان لمولانا بحر العلوم، فصل في الجمعة، بیان شروط أداء الجمعة، ص: ١١٣، مکتبه یوسفي لکنؤ)

(٣) "قال رحمه الله تعالی: (والسلطان أو نائبه) أي شرط أدائها السلطان أو نائبه ... ولنا قوله: "من ترکها استخفافاً بها وله إمام عادل أو جائر، فلا جمع الله شمله" الحدیث، شرط فیه أن یکون له إمام، وقال الحسن البصري: أربع إلی السلطان، فذکر منها الجمعة، ومثله لا یعرف إلا سماعاً فیحمل علیه، ولأنها تؤدی بجمع عظیم، فتقع المنازعة في التقدیم والتقدم وفي أدائها أول الوقت أو آخره فیلیها السلطان قطعاً للمنازعة وتسکیناً للفتنة". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ١/٥٢٧، ٥٢٨، دار الکتب العلمیة بیروت)

(٤) "(قوله: لأنها تقام بجمع عظیم الخ) حقیقة هذا الوجه أن اشتراط السلطان کي لا یؤدي إلی عدمها کما یتعبده فلا بد منه تتمیماً لأمره: أي لأمر هذا الفرض أو الجمع ... فإن التقدم علی جمیع أهل المصر یعد شرفاً ورفعة، فیتسارع إلیه کل من مالت همته إلی الریاسة، فیقع التجاذب والتنازع، وذلک یؤدي إلی التفاني ... قوله صلی الله تعالی علیه وسلم: "من ترکها وله إمام جائر أو عادل، فلا جمع الله شمله ولا بارک له في أمره، ألا! ولا صلاة له" الحدیث". (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٥٥، ٥٦، مصطفی البابي الحلبي، مصر)

(٥) "الشرط الثاني: کون الإمام فیها السلطان أو من أذن له السلطان لقوله علیه السلام: "فمن ترکها و ..."

کرتے ہیں جیسے ہدایہ وغیرہ (۱)، اس خوف فتنہ کی تعلیل پر صاحب جامع الآثار نے لکھا ہے: "لكنه معلل بخوف الفتنة فحيث لا فتنة لا اشتراط" (۲) اسی بناء پر عالمگیری، شامی وغیرہ کی جزئیات: "يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين" متفرع ہیں۔

ظاہر الروایت میں اگر کوئی شی بدرجۂ مسئلہ یا بدرجۂ شرط مذکور ہو اور اس کی علت وہاں مذکور نہ ہو جیسا کہ عامۃً ایسا ہی ہوتا ہے، اور متاخرین مجتہدین نے اس کی علت بیان کی ہو اور پھر مواقع انتفائے علت میں اس مسئلہ یا شرط کے انتفاء کا حکم کر دیا ہو تو یہ ظاہر الروایت کے خلاف نہیں (۳)، اس ضابطۂ کلیہ کے بعد چنداں ہر عبارت منقولہ فی السوال کے جواب کی ضرورت نہیں رہتی، علاوہ ازیں علامہ شامی نے مبسوط سے نقل کیا ہے:

"فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً اهـ". رد المحتار: ۲/۱۴۴ (۴)۔

اور مبسوط کی شان یہ ہے:

---

له إمام عادل أو جائر، فلا جمع الله شمله ولا بارك له في أمره". الحديث، رواه ابن ماجة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "لا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان، لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم، وقد تقع في غيره، فلا بد منه تتميماً لأمره". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة ۱/۱۶۸، شركة علمية ملتان)

(۲) (جامع الآثار مع تعليقه تابع الآثار لمولانا أشرف علي التهانوي رحمه الله تعالى، باب صلوة الجمعة، اشتراط الإمام للجمعة، ص: ۵۰، مطبع قاسمي ديوبند)

(۳) "والحاصل أن ما خالف فيه الأصحاب إمامهم الأعظم لا يخرج عن مذهبه إذا رجحه المشايخ المعتبرون، وكذا ما بناه المشايخ على العرف الحادث لتغير الزمان أو للضرورة ونحو ذلك لا يخرج عن مذهبه أيضاً، لأن ما رجحوه لترجح دليله عندهم مأذون به من جهة الإمام، لأن ما قالوه إنما هو مبني على قواعده أيضاً، فهو مقتضى مذهبه". (شرح عقود رسم المفتي، حكم التخريجات وأقوال الأصحاب، ص: ۴۹، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد)

ويجمع الست كتاب الكافي　　للحاكم الشهيد فهو الكافي

أقوى شروحه الذي كالشمس　　مبسوط شمس الأئمة السرخسي

معتمد النقول ليس يعمل　　بخلافه وليس عنه يعدل

قال في فتح القدير وغيره: إن كتاب الكافي هو جمع كلام محمد في كتبه الست التي هي كتب ظاهر الرواية انتهى۔

وفي شرح الأشباه للعلامة إبراهيم البيري: اعلم أن من كتب مسائل الأصول كتاب الكافي للحاكم الشهيد، وهو كتاب معتمد في نقل المذهب شرحه جماعة من المشايخ منهم: شمس الأئمة السرخسي، وهو المشهور بمبسوط السرخسي، انتهى۔

قال الشيخ إسماعيل النابلسي: قال العلامة الطرطوسي: مبسوط السرخسي لا يعمل بما يخالفه، ولا يركن إلا إليه، ولا يفتى ولا يعول إلا عليه، انتهى ......... وبمخالفة مبسوطات كثيرة ......... وحيث أطلق المبسوط فالمراد به مبسوط السرخسي هذا اھ". رسم المفتی، ص: ۱۹، ۲۰ (۱)۔ لہٰذا ہندوستان میں اس شرط کا مفقود فرمانا بھی روایت سے ثابت ہے۔

۳... زید کا قول دوسرا دلیل غلط ہے اس لئے کہ خود مبسوط میں ایسی جگہ کا حکم بیان کیا ہے، جہاں والی کافر ہیں، مسلمان والی نہیں وہ جگہ کفار کے قبضہ میں ہے، پھر مسلمان، ورثاء کی طرف سے قاضی کیسے مراد ہو سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رمضان المبارک/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رمضان المبارک/ ۹۲ھ۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، بحث الكتب الظاهرة الرواية، ص: ۱۹، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(وكذا في رد المحتار، المقدمة، مطلب: رسم المفتي: ۱/ ۶۹، ۷۰، سعید)

(۲) "في معراج الدراية عن المبسوط: البلاد التي في أيدي الكفار بلاد الإسلام لا بلاد الحرب؛ لأنهم لم يظهروا فيها حكم الكفر، بل القضاة والولاة مسلمون يطيعونهم عن ضرورة أو بدونها، وكل مصر فيه والٍ من جهتهم يجوز له إقامة الجمع والأعياد والحدود وتقليد القضاة لاستيلاء المسلم عليهم، فلو الولاة —

## نماز جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں

سوال [۳۱۸۲]: پرانی جامع مسجد کو مدرسہ کے واسطے بالکل ڈھا دیا، اس میں وقتیہ اور جمعہ کی نماز ادا کرنا دشوار ہے، چند مہینے کے واسطے خارج مسجد میں دوسری جگہ نماز کے واسطے تیار کرکے وقتیہ نماز اور نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں، اور جمعہ کی نماز کے واسطے مسجد شرط ہے یا نہیں، یا خارج مسجد میں بھی بوقت ضرورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خارج مسجد بھی درست ہے خواہ میدان ہو خواہ مکان:

"السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار وأذن إذناً عاماً، جازت صلوته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط" اهـ. "هندية" (۱)۔ "قوله: أو المصلى: أي مصلى المصر؛ لأنه من توابعه، فكان في حكمه، والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله. والفناء في اللغة سعة أمام البيوت، وقيل: ما امتد من جوانبه، كذا في المغرب" اهـ. "بحر" (۲)۔

علامہ حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں بھی اس کی تصریح کی ہے (۳) نیز دیگر کتب فقہ مراقی الفلاح (۴) شامی (۵) وغیرہ میں بھی موجود ہے، ادائے جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یو پی، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۲ھ۔

---

= كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيدية)

(۳) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا" (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيدمي لاهور)

(۴) "الأول (المصلى أو فناءه) سواء مصلى العيد وغيره؛ لأنه بمنزلة المصر في حق حوائج أهله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۶، قديمي)

(۵) "وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره، فإن فتح بابها وأذن للناس إذناً عاماً، جازت =

## ایضاً

سوال [۳۱۸۳]: جس جگہ جمعہ فرض ہے ایسی جگہ میں جمعہ کے روز دینی کی محفل کے واسطے جمعہ کے قریب دو ڈھائی ہزار سامعین مجتمع ہو گئے، وہاں کی مسجد میں قریب پچاس آدمی نے جمعہ پڑھ لئے، باقی لوگ اس بستی کے متصل ایک کچی زمین میں جس میں فی الحال کوئی فصل نہیں ہے، اور اس کے ارد گرد بستی کے مکانات موجود ہیں اس کے مالک کی اجازت سے نماز جمعہ پڑھ لئے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ وہاں لوگوں کی نماز جمعہ صحیح ہوئی یا نہیں؟ کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے: "والمسجد الجامع ليس بشرط لصحة الجمعة حتى أجمعوا على صحة الجمعة في المصلى". أو كما قال(۱)۔ از روئے مہربانی اس کا جواب تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرماویں۔ زیادہ والسلام۔

الراقم: روح الامین عفی عنہ کلکتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں ہونا شرط ہے اور بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی آبادی اور ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کی مانند ہو اور اس کی مردم شماری کم از کم تین ہزار ہو، اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جس بستی میں جمعہ جائز ہے تو وہاں جواز کے لئے جامع مسجد ہونا شرط نہیں بلکہ عیدگاہ میں اور فنائے مصر میں سب جگہ جمعہ درست ہے، پس اگر مقام مذکورہ فی السوال شہر کے اندر داخل ہے یا فنائے مصر میں شمار کیا جاتا ہے (جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے) تو وہاں جمعہ درست ہے ورنہ نہیں:

"فضي الفتاوى الغياثية: لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى، وفيها وال وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا، وهو قول أبي القاسم الصفار، وهذا أقرب الأقاويل إلى الصواب، انتهى، وهو ليس ببعيد مما قبله. والمسجد الجامع ليس

---

– صلاته شهدتها العامة أولا. وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب، وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول، لم تجز؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، وذا لا يحصل إلا بالإذن العام". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

(۱) (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

بشرط، ولهٰذا: أجمعوا على جوزها بالمصلي في فناء المصر، وهو ما اتصل بالمصر معدًا لمصالحه من ركض الخيل وجمع العساكر والمناضلة ودفن الموتى وصلاة الجنازة ونحو ذلك؛ لأن له حكم المصر باعتبار حاجة أهله إليه". كبيري(۱)۔

"شرط أدائها المصر أو مصلاه، والحكم غير مقصور على المصلي، بل يجوز في جميع أفنية المصر". زيلعي (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/۵۷ھ۔

## نمازِ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں

سوال [۳۶۶۴]: یہاں چند افسروں کے مسلم ملازمین وقاتب دفتر میں ایک درسگاہ کے متصل میدان میں صرف ظہر وعصر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، باقی تین نمازوں کی نہ جماعت ہوتی ہے اور نہ نماز ہی ہوتی ہے، ملازمین اپنی ملازمت کی مجبوری کے سبب اسی جگہ جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں جہاں پانچوں نماز نہ ہوتی ہوں کیا جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے ہو جاتی ہے یا نہیں؟ چونکہ دیگر مساجد وہاں سے دور ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جمعہ کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، بستی کے میدان میں بھی درست ہے۔

"لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، وفيها وال وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". كبيري، ص: ۵۵۱ (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۴۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

## جو مسجد وقف نہ ہو اس میں جمعہ کا حکم

سوال [۳۶۸۵]: یہاں کچھ مسجدیں ایسی ہیں جن کا کرایہ مسجد کمیٹی سے وصول کرتی ہے، ان کی زمین وقف نہیں ہے، ساتھ ہی ساتھ یہاں دو مسجدیں ایسی ہیں جو وقف ہیں اور شرعی مسجد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو مسجدیں وقف نہیں ہیں ان میں جمعہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد شرعی تو اسی وقت بنتی ہے جب کہ وہ وقف ہو بغیر وقف کے وہ شرعی مسجد نہیں اگرچہ نماز جمعہ اور پنجگانہ نماز پڑھنے سے وہاں بھی ادا ہو جاتی ہے (۱) مگر موقوفہ مسجد کو فضیلت حاصل ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

- "والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلته في حوائج أهله". (الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۱) "قال أخبرنا جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحد: نصرت بالرعب مسيرة شهر، و جعلت لي الأرض مسجداً و طهوراً". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب: ۱/۴۸، قديمي كتب خانه كراچى)

"قوله: "وجعلت لي الأرض مسجداً": أي موضع السجود لا يختص السجود منها بموضع دون غيره و يمكن أن يكون مجازاً عن المكان المبني للصلاة و هو مجاز التشبيه، لأنه لما جازت الصلاة في جميعها كانت كالمسجد في ذلك". (فتح الباري، كتاب التيمم، باب: ۱/۵۶۹، قديمي)

(۲) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلوة الرجل في بيته بصلوة، و صلوته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة، وصلوته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلوة، و صلوته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلوة، وصلوته في مسجدي بخمسين ألف صلوة، وصلوته في المسجد الحرام بمائة ألف صلوة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد الخ: ۱/۷۲، قديمي)

# فصل في اشتراط المصر للجمعة

## (صحتِ جمعہ کے لئے شہر کے شرط ہونے کا بیان)

### مصر کی تعریف

سوال[۳۶۸۹]: مصر کی تعریف کتب فقہ و فتاوی میں بظاہر جامع و مانع کی محسوس نہیں ہوتی ہے اور وہ بھی مختلف نیہ ہوتی ہے۔ براہ کرم مصر کی ایسی جامع مانع تعریف تحریر فرمائیں کہ اگر اس کا ایک جز بھی مفقود ہو تو جمعہ جائز نہ ہو اور ایک جز بھی بطور قید اتفاقی یا بطور علامت مذکور نہ ہو اور یہ مفتی بہ قول کے مطابق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ میں احکامِ مکلف سے بحث کی جاتی ہے جیسا کہ اس کی تعریف حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے: "معرفة النفس ما لها وما عليها"(۱)۔ حقائق، ماہیت اشیاء، ذاتیات و عرضیات، جنس، فصل، نوع سے بحث نہیں کی جاتی(۲)، اسی لئے جواز جمعہ کے لئے جو مصر کی شرط ہے اس کی تعریف علامات سے کرتے ہیں کنہ بیان نہیں کرتے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح منقول ہے:

"في التحفة: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها

---

(۱) (التوضيح والتلويح، ص:۲۸، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) "وأما موضوعه الفعل المكلف ثبوتاً أو سلباً". (الدر المختار). "(وأما موضوعه) أي موضوع الفقه (فعل المكلف) من حيث أنه مكلف؛ لأنه يُبحث فيه عما يعرض لفعله من حلّ و حرمة و وجوب و ندب الخ". (رد المحتار، المقدمة: ۱/۳۸، سعید)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راه بکڈپو، دیوبند)

رساتیق، وفیہا وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ أو علم غیرہ یرجع الناس إلیہ فیما یقع من الحوادث، وہذا ہو الأصح" (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

## مصر کی تعریف اور اقامتِ جمعہ کی شرائط

سوال [۳۲۸۷]: ۱... مصر کے کیا معنی ہیں، اس مسئلے میں اس کے کیا معنی سمجھے جائیں؟

۲... مصر کی تعریف میں بعض جگہ یہ ملتا ہے کہ وہ مقام جہاں حوائج ضروریہ پوری ہو جائیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے اور حوائج ضروریہ کیا کیا ہوں گے؟

۳... یہ جو کہا ہے کہ مصر وہ مقام ہے جہاں قاضی و مفتی ہوں، اس زمانہ میں اس قول سے کیا مراد ہو سکتی ہے جب کہ یہاں اب تک ایسا رواج ہی نہیں ہے؟

۴... جس مقام پر نماز جمعہ صحیح نہ ہو اور وہاں مدت سے نماز جمعہ پڑھی جا رہی ہو، وہاں کے لئے کیا حکم ہے؟

۵... اگر عوام باز نہ آئیں تو اہلِ علم حضرات ایسے مقام پر کیا کریں؟

۶... بستی کی آبادی کا کیا مطلب سمجھا جائے۔

۷... ایک مقام ہے جہاں کی مخلوط آبادی دو ہزار ہے اور صرف مسلم آبادی ایک ہزار ہے یا اس سے کچھ زائد، اور وہاں پر کریانہ کی دوکان بھی ہے جہاں زندگی کی روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں اور غلہ بھی دستیاب ہے، گاؤں میں حکومت نے گاؤں کو پردھان بھی کیا ہے (۲)۔ علاوہ ازیں گاؤں میں تین اسکول ہیں: پہلا مکتب اسلامیہ اسکول، دوسرا پرائمری اسکول جس میں درجہ پانچ تک لڑکوں کو صرف ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے، تیسرا لڑکیوں کا پرائمری اسکول جس میں درجہ پانچ تک صرف لڑکیوں کو ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے، ایسے مقام پر نماز جمعہ صحیح ہے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۵، رشیدیہ)

(۲) "پردھان: سردار، حاکم" (فیروز اللغات، ص: ۲۸۹، فیروز سنز لاہور)

یا نہیں؟ اور اگر ہے تو مصر کی تعریف کس پر صادق آئی اور اگر نہیں صحیح ہے تو وجہ کیا ہے؟

۸... ہم جو کم تھی آبادی پر نماز جمعہ درست ہے؟ وہ آبادی صرف مسلمانوں کی شمار ہوگی یا دیگر اقوام کی بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... لغت میں مصر کے معنی ہیں: "بکری یا اونٹنی کا دودھ تین انگلیوں سے دوہنا، دودھ خوب چوس کی طرح دوہنا، دو چیزوں کے درمیان حد، جز، حد مشہور شہر کا نام، نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام، شہر، مشہور دو شہر کوفہ وبصرہ، طین احمر"، کذا فی لسان العرب: ۵/۱۷۵ (۱)۔ صلوٰۃ جمعہ کے متعلق اس کے معنی شہر کے ہیں۔

۲... جس جگہ حوائج کے بغیر وہاں کے رہنے والوں کی معاشرت دشوار ہو جائے، غلہ، کپڑا، دوا، برتن وغیرہ کی مستقل دکانیں ہوں اور یہ چیزیں ہمیشہ ملتی ہوں، آس پاس کے دیہات کے لوگ بھی وہاں سے اپنی حوائج کا انتظام کرتے ہوں، حکیم، ڈاکٹر ہو، ڈاک خانہ ہو، مدرسہ، اسکول ہو، کچہری یا پنچایتی نظام مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے ہو، یہ امارات (علامات) ہیں، حد حقیقی نہیں (۲)۔

۳... قاضی کے قائم مقام پنچایت کا نظام ہے، جس جگہ شرعی کمیٹی بھی موجود ہے، مفتی کا انتظام ہر شہر میں نہیں، لیکن یہ ضرورت بھی بالواسطہ پوری ہو جاتی ہے (۳)۔

۴... نرمی وشفقت سے مسئلہ سمجھا دیا جائے، جن کو فکر آخرت ہوگی وہ باز آ جائیں گے، جھگڑا فساد

---

(۱) "مصر: مصر الناقة والشاة يمصرها مصراً وتمصرها: حلبها بأطراف الأصابع الثلاث، وقيل: هو أن تأخذ الضرع بكفك وتصير إبهامك فوق أصابعك ...... والمصر: الحاجز والحد بين الشيئين ... وقيل وعمروا أن الذي بناها إنما هو المصر بن نوح عليه السلام ... لما فتح هذان المصران ... المصر: البلد ويريد بهما: الكوفة والبصرة، والمصر: الطين الأحمر" (لسان العرب، تحت لفظ "مصر": ۵/۱۷۵، ۱۷۶، دار صادر بيروت)

(۲) "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

نہ کیا جائے (۱)۔

۵... خود جمعہ پڑھیں، پانچوں نمازیں تکبیر اولیٰ سے پڑھتے رہیں، مسئلہ بتاتے اور دلسوزی سے سمجھاتے رہیں (۲)۔

۶... یہ تحدید نہیں، ایک تمثیل ہے، نمایاں فرق ہو چکا ہے، اب تمثیل کی بھی نہیں (۳)۔

۷... کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرا دیں جس کو فقہ و فتاویٰ میں بصیرت و تجربہ ہو، سب حالات دیکھ کر وہ جو حکم شرعی بتائیں، اس پر عمل کریں (۴)۔

۸... آبادی کے افراد پر مدار نہیں، جہاں کہیں آبادی کو ذکر کیا ہے وہ تخمینی ہے، تعیین نہیں اور مجموعی آبادی مراد ہے نہ کہ صرف مسلم آبادی۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (سورة التوبة، پ: ۱۰، آية: ۴۶)

"عن تميم الداري رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة". قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم"."

"وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم ...... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، باب الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راه بک ڈپو ديوبند)

(۴) "وحاصله: إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، سهارنبور)

## فنائے مصر کی تحدید

سوال [۲۶۸۸]: ۱ . . شہر فنائے مصر کے بعد کیا کچھ فرسخ اراضی تحدید ہے کہ اس کے اندر جمعہ جائز ہے؟

## ایضاً

سوال [۲۶۸۹]: ۲ . . شہر کے باہر حدود میونسپلٹی کے آگے تین چار میل تک سڑک کے کنارے کچھ دوکانات کے بنگلے اور چونے کی بھٹیاں ہوتی ہیں، ان کو ضروریاتِ شہر میں داخل کر کے فنائے مصر کا اطلاق وہاں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں تک یا اس کے محاذ میں جو مواضعات ہوں اور عرفاً وہ گاؤں سمجھے جاتے ہوں، وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

## کیا مصر اور دیہات کا اطلاق عرب ممالک کی آبادی کے تناسب سے ہوگا؟

سوال [۲۶۹۰]: ۳ . . اطلاقِ مصر و اطلاقِ دیہات ہر ملک کی آبادی وہاں کی جغرافیائی حالت کے موافق ہوتا ہے، مثلاً ہندوستان کے معمولی گاؤں عرب کی آبادی کے اعتبار سے قصبہ اور شہر کا اطلاق کیا جائے گا، یا عرب کی آبادی کے لحاظ سے مصر اور قریہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ . . حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فنائے مصر کے متعلق مسافت کی کوئی تحدید نہیں فرمائی اور متقدمین کی ایک جماعت نے اس کا اتباع کیا، امام ابو یوسف، امام محمد اور متاخرین سے دس گیارہ اقوال منقول ہیں، درمختار ص: ۸۳۷ میں ایک فرسخ پر ولوالجیہ سے فتویٰ نقل کیا ہے(۱)۔

"قال الكمال: وفناؤه هو المكان المعد لمصالح متصلاً به أو فصل بغلوة، كذا قدره محمد في النوادر، وهو المختار . . . . وفي الإمام لم يقدر فناؤه بمسافة، وكذا جمع من المحققين، وهو الذي لا يعدل عنه إلى غيره، محسب كبر المصر وصغره . . . . وبعضهم قدره بفرسخ، وبعضهم بميلين وبثلاثة فراسخ. قال الكمال: وقيل: بميل، وقيل: بميلين، وقيل:

(۱) "والمختار للفتوى تقديره بفرسخ، ذكره الولوالجي". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

ثلاثة أميال، وقيل: إنما تجوز في الفناء إذا لم يكن بينه وبين المصر مزرعة الخ، شرنبلالية (۱) وبعضهم قدره بستة أميال اهـ. وعن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء اهـ. وعن الحسن البصري رحمه الله تعالى: إنما تجب في أربع فراسخ اهـ" (۲)۔ والبسط في ردالمحتار ۲/۱۳۸(۳) والبدائع ص: ۲۶۰ (۴)

۲… جواب نمبر ۱ سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو مصر کی کوئی تحدید نہیں ہے۔

---

(۱) لم أظفر على هذا الكتاب (الشرنبلالية) ولكن ذكر هذه العبارة ابن عابدين بتغيير يسير في (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، وأما شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۳) "(قوله: والمختار للفتوى الخ) اعلم أن بعض المحققين أهل الترجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة، وكذا محرر المذهب الإمام محمد، وبعضهم قدره بها. وجملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان، والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره، بيانه أن التقدير بغلوة أو ميل لا يصح في مثل مصر؛ لأن القرافة والترب التي تلي باب النصر يزيد كل منهما على فرسخ من كل جانب، نعم هو ممكن لمثل بولاق، فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر، فقد نص الأئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتى وحوائج المصر الخ" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

(۴) "وأما تفسير توابع المصر، فقد اختلفوا فيها، روي عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء، إن كان موضعاً يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر، وإلا فلا. وقال الشافعي: إن كان في القرية أقل من أربعين، فعليهم دخول المصر إذا سمعوا النداء. وروى ابن سماعة عن أبي يوسف: كل قرية متصلة بربض المصر، فهي من توابعه، وإن لم تكن متصلة بالربض، فليست من توابع المصر. وقال بعضهم: ما كان خارجاً عن عمران المصر فليس من توابعه. وقال بعضهم: المعتبر فيه قدر ميل، وهو ثلاث فراسخ. وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو من توابع المصر، وإلا فلا. وبعضهم قدره بستة أميال، ومالك قدره بثلاثة أميال. وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاث فراسخ الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

بلکہ مختلف ہوتی رہتی ہیں، بعض کے قول پر اگر وہ جگہ عرفاً فنائے مصر شمار کی جاتی ہے تب تو وہ ملحق بالمصر ہے اور وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں:

"وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها ...... وقال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلا لا، وهذا أحسن". بدائع (۱)۔

۳۔ ہر ملک میں اسی ملک کا عرف معتبر ہوگا، ہر جگہ عرب کا عرف معتبر نہ ہوگا، جیسا کہ ہر زمانہ میں اسی زمانہ کا عرف معتبر ہوتا ہے بشرطیکہ خلاف منصوص نہ ہو، ایک زمانہ کا عرف ہر زمانہ میں معتبر نہیں ہوتا، وبسط هذا في البذل (۲) والأوجز (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۵/۵۵ھ۔

الاجوبة صحيحة: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ جمادی الاولیٰ/۵۵ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الجمعة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيدية)

(۲) "واختلف العلماء في الموضع الذي تقام فيه الجمعة. فقال مالك: كل قرية فيها مسجد أو سوق، فالجمعة واجبة على أهلها، ولا يجب على أهل العمود وإن كثروا؛ لأنهم في حكم المسافرين. وقال الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالى: كل قرية فيها أربعون رجلاً أحراراً بالغين عقلاء مقيمين بها لا يظعنون عنها صيفاً ولا شتاءً إلا ظعن حاجة، فالجمعة واجبة عليهم، سواء كان البناء من خشب أو حجر أو طين أو قصب أو غيرها بشرط أن تكون الأبنية مجتمعة، فإن كانت متفرقة لم تصح ...... ومذهب أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه: لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر، ولا تجوز في القرى ...... اتفق علماء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة لا يجوز فعلها في غيرها، لأنهم مجتمعون على أنها لا تجوز في البوادي". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۶۹، إمدادية ملتان)

(۳) "أولي المسوي: اتفقوا على أن لا جمعة في البوادي، وأنه يشترط لها الجماعة ...... فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد، وهو قول الثوري وعبيد الله بن الحسن. وقال مالك: تصح في كل قرية فيها بيوت متصلة وأسواق متصلة، يقدمون رجلاً يخطب ويصلي بهم الجمعة إن لم يكن لهم إمام. وقال الأوزاعي: لا جمعة إلا في مسجد جماعة مع الإمام. وقال الشافعي: إذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل، وكان أهلها لا يظعنون عنها إلا ظعن حاجة، وهم أربعون رجلاً

## قریۂ کبیرہ کی تعریف

سوال[۳۶۹۱]: ۱- اگر کسی گاؤں میں تقریباً دو ہزار کی مردم شماری ہو اور تقریباً تیس دکانیں ہوں تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

سوال[۳۶۹۲]: ۲- کیا جمعہ کے بارے میں گاؤں کی تقسیم اس طرح بھی ہے کہ ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے اور ایسے میں واجب ہے؟

## جس سے عقیدت ہو اس کے فتویٰ پر عمل کریں

سوال[۳۶۹۳]: ۳- کسی گاؤں میں کسی معتمد مفتی صاحب کے فتویٰ کے بموجب جمعہ پڑھتے ہیں اور دوسرے مستند مفتی صاحب نے عدمِ جواز لکھ دیا ہے، بنابریں اختلاف بڑھ کر مدرسہ کا استحکام اور نظام متاثر ہونے لگا تو کیا گاؤں کے اتفاق اور مدرسے کے استحکام کے پیشِ نظر فریقین کو پہلے مفتی کے بموجب جمعہ ادا کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- تجربہ اکابر سے جو کچھ مستفاد ہے وہ یہ ہے کہ اتنی بستی ہونی چاہیے جو مجمع اصلیہ کے لئے جامع ہو، جس کو شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جائے، وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، حکیم، ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، حاکم یا پنچایت کا انتظام ہو، ضروری پیشہ ور ہوں، آس پاس کے دیہات والے اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں، محض مردم شماری پر موقوف نہیں۔ یہ جملہ امور پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں موجود ہوتے تھے، اب تمدن تیزی سے بڑھ رہا ہے اس سے کم میں بھی یہ سب چیزیں موجود ہو جاتی ہیں۔ اگر وہاں یہ سب چیزیں موجود ہیں تو جمعہ صحیح درست ہے(۱)۔

۲- یہ تقسیم صحیح نہیں بلکہ تقسیم اس طرح ہے کہ جس بستی میں شرائط موجود ہوں وہاں جمعہ فرض ہے،

---

— حراً بالغاً غير مغلوب على عقله، وجبت عليهم الجمعة الخ" (أوجز المسالك، ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲۲۴/۲، إدارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

(۱) (راجع للتفصيل: إمداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ۴۵۴/۱، ۴۵۵، دار العلوم كراچی)

جہاں شرائط موجود نہ ہوں وہاں نا جائز ہے، بجائے جمعہ کے وہاں ظہر پڑھنا لازم ہے:

"وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لا تجوز في الصغيرة، ولو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر" الخ". رد المحتار ۱/۵۳۷ (۱)۔

۲......اگر ان کے نزدیک پہلا فتویٰ صحیح ہے اور اس سے عقیدت ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے (۲)۔

## جمعہ فی القریٰ اور قریہ کی تعریف

سوال [۳۴۱۳]: ۱...... جمعہ فی القریٰ جائز ہے یا نہیں؟ قریہ اور شہر کی تعریف مفصل تحریر فرمائیں۔

۲......ایک قریہ جس کی آبادی تقریباً پندرہ سو ہے وہ قریہ ہے یا شہر؟ زید اور عمر اس بارے میں مختلف ہیں، زید کا کہنا ہے ہم اس میں تقریباً سو سال سے جمعہ پڑھتے چلے آرہے ہیں، نیز استدلال میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب جواز کو منسوب کرتا ہے، عمر کا کہنا ہے کہ اس میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ کون حق پر ہے؟

۳...... اگر جمعہ کو روکا گیا تو سخت فتنہ کا اندیشہ ہے کہ لوگ نماز پنجگانہ بھی چھوڑ دیں گے اور ارتداد اختیار کرلیں گے، ایسے حالات میں ایک محتاط آدمی کو کیا کرنا چاہئے؟ نیز قریہ والوں کو اس فعل سے روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں، قریہ کبیرہ میں جائز ہے۔ قریہ اور شہر کی تعریف میں عرف کے اعتبار سے تغیر ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ ماہیت کی تعریف تو مقصود نہیں ہے، آثار وعلامات کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فی الجملہ امتیاز قائم ہو جائے۔ آثار وعلامات کا تغیر یقینی ہے مثلاً جس جگہ جمعہ کی اجازت

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۸، رشیدیہ)

(۲) "لأن العامي يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه الخ". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۱۴، رشيديه)

ہو، اس کے متعلق اس طرح علامات بتائی جاتی ہیں کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفاخانہ ہو یا حکیم یا ڈاکٹر ہو، نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے سرکاری حاکم یا پنچایت ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات میسر آتی ہوں (۱)۔ ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا، باہر سے دوکاندار سامان لائے، ان سے ضرورت خرید لی گئیں، وہ چلے گئے، بازار ختم ہو گیا، پھر ضروریات خریدنے کے لئے دوسرے بازار کا انتظار کرنا پڑے، کم از کم ڈھائی ہزار کی آبادی ہو۔ یہ تعریف حتمی نہیں، جس سے اور اک بالکلیہ حاصل ہو۔

۲...... اس کا جواب نمبر ۱ سے مستنبط ہو سکتا ہے۔

۳...... جہاں جمعہ جائز نہیں، وہاں جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ادا نہیں ہوگا، اور جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا (۲)۔ وہاں اگر جمعہ سابق سے چلا آتا ہے اور اس کے روکنے سے فتنہ کا خطرہ ہے، لوگ غلبہ سے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں گے اور دین سے بیزار ہو جائیں گے، ارتداد و مرتد ہو جائیں گے، مسجد کو ویران کر دیں گے ـ معاذ اللہ ـ تو ایسے فتنوں سے بچنا لازم ہے، بہت تدبیر کے ساتھ کام کیا جائے، بعض جگہ ایسے واقعات پیش آچکے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء. الأول (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في إمداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۷۵۹، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۲) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كما في المضمرات. والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجوهرة: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر".

(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۳۸، رشيديه)

(۳) "جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑ دینے سے لوگ پنج وقتہ نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں =

## قریۂ صغیرہ وکبیرہ

سوال[۳۶۹۵]: میں تین سال پہلے دارالعلوم ہی کا ایک طالب تھا، درسِ بخاری شریف کی خدمت کے سلسلے میں تین سال سے یہاں مقیم ہوں، یہاں کے مقامات میں سے جو باقاعدہ شہر یا قصبہ ہیں وہ تو الگ ہیں، باقی گاؤں ہیں ان گاؤں میں لوگوں نے (پنجگانہ کی حیثیت سے کہئے، یا جامع مسجد کی حیثیت سے) ایک دو مسجد بنا رکھی ہے، ان میں جمعہ کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ مسلمان آبادی میں عام طور پر حنفی مذہب کے ہیں۔ گاؤں بھی ایسا نہیں کہ ضروریات کے تمام سامان یہاں مل جائے، کیونکہ نسبتاً کچھ لوگ بڑے کاموں کے لئے ٹاؤن چلے جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے یہ سسٹم ہے کہ دو چار پانچ میل کی دوری...... پر بازار کا انتظام ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ میں بازار لگتے ہیں۔ بازار کے چھوٹے بڑے ہونے کے فرق سے ایک ایک بازار کا مرجع علاقہ بیس، تیس، چالیس، پچاس گاؤں تک ہوتا ہے، ان گاؤں کے باشندوں کی زندگی ان بازاروں کی طرف سے اس درجہ محتاج ہے کہ اگر یہ بازاری سسٹم بند ہو جائے تو ان کی زندگی کے اکثر امور بند ہو جائیں۔ گاؤں کے اندر کہیں کہیں ایک دو دوکانیں بنی ہوئی ہیں لیکن ان میں ملنے والے سامان اتنے محدود ہیں کہ زندگی کے نصف ثلث ربع بلکہ عشر بھی پورا نہیں ہو سکتا۔

ان بازاروں میں اکثر بازار ایسے ہیں کہ صرف ہفتہ کے متعین دن کو لگتے ہیں، ان دنوں کے علاوہ باقی دنوں میں وہ بازار بھی ضروریاتِ زندگی کے لئے کافی نہیں، بازار کے پاس کے باشندوں میں جن کو ضرورت ہوتی ہے، ان کو کئی میل کی دوری پر کسی دن کو لگنے والے کسی دوسرے بازار میں جانا پڑتا ہے، البتہ دو ایک بازار ایسے ہیں کہ ہفتہ کے متعین دن کے علاوہ بھی اس میں اکثر ضروریات ملتی ہیں۔

مخصوص مقام جو کہ ٹاؤن یا شہر ہیں اور روزانہ کے ضروری سامان ملنے والے جو مخصوص بازار ہیں، ان

---

= میں جمعہ پڑھنا چاہئے تاکہ اسلام کی رونق وشوکت قائم رہے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ والعیدین: ۲۳۵/۳، دار الاشاعت کراچی)

"واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون، لأنهم إذا منعوا، تركوها أصلاً، و أداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۷/۲، سعيد)

موضع میں تو جمعہ کی نماز ادا ہونے کے بارے میں کوئی بات نہیں، ایسے مواضع میں تو جمعہ ہم بھی پڑھتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ جو گاؤں ہیں ان میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب والوں کے لئے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ یہاں کے مقامی علماء کی مستند تین کئی حصے میں بٹ گئے ہیں، اکثر وں کی تعداد ایسی ہے کہ سوچ اور عوامی دھارے میں بہہ گئے ہیں، جمعہ کے دن مسجد میں جاتے ہیں، جمعہ کی امامت کرتے ہیں یا مقتدی بن کر نماز پڑھ آتے ہیں، لیکن کبھی بھی تفکر و تدبر سے کام نہیں لیتے۔ اس بارے میں دریافت کرنے سے بھی وہ ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں، عوام سے مرعوب ہو کر اس گاؤں میں جمعہ جائز ہونے کا وہم کر بیٹھے ہیں۔

دلیل کے میدان میں وہ کبھی جمعہ فی القریٰ کے جواز پر اجماع ہونے کے دعویدار بنتے ہیں اور کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جن گاؤں میں عدم جواز کا حکم ہے وہ عرب یا یوپی وغیرہ ملکوں کے دیہات ہیں، آسام، بنگلہ کے دیہات جیسی دیہات بلا شبہ جمعہ جائز ہے، کبھی یہاں کے گاؤں کو مصر کہنے کی جرأت کرتے ہیں وغیرہا۔

بعض علماء ایسے ہیں کہ خود تو عدم جواز کے قائل ہیں اور اپنے حلقۂ معتقدین میں اس کا کم و بیش چرچا بھی کرتے ہیں، لیکن بعض مصالح کی عذر سے دو عام سطح پر اس کا اعلان کرکے عوام کی مخالفت مول لینا پسند نہیں کرتے، بہت کم تعداد میں علماء ایسے ہیں کہ ہمت کرکے بولتے ہیں اور عوام تک بات پہونچاتے ہیں، اسی بناء پر اب مجھ سے علماء کا فتویٰ طلب کیا جارہا ہے۔

یہاں کے علماء کے حالات سے مجھے جہاں تک خیال ہے کبھی بھی اس مسئلہ میں وہ متفق نہیں ہوسکتے، بلا سوچے سمجھے کچھ عوام تقلید کے لئے بھی چھوٹے گاؤں میں جواز جمعہ فرض کہتے رہیں گے، لہذا استفتاء دارالعلوم دیوبند روانہ کیا جارہا ہے تاکہ جواب سب کے نزدیک مسلم رہے۔

سرکاری امور کی سہولت کے لئے سرکار سے ایک ایک گاؤں ایک ایک نام سے موسوم ہے، عام طور پر ایک گاؤں میں دو دو، تین تین بستیاں ہیں، ایک بستی سے دوسری بستی قدرے انفصال کی وجہ سے الگ الگ شمار کی جاتی ہے، ایک ایک بستی میں چھوٹے بڑے مرد و عورت ملا کر کل آدمی دو چار، پانچ، چھ سو ہوتی ہے، ذرا قدرے بڑے گاؤں میں سب بستیاں مل کر ایک ڈیڑھ ہزار تک ہوسکتی ہے لیکن سامان ضروریات کے لئے وہ سب کے سب بازار یا شہر کے محتاج ہیں، جو کسی اور موضع میں ہے۔

اب یہاں آس پاس کے دو چار بستی و موضع واحدہ شمار کرکے اس میں بڑا گاؤں ہونے کا اعتبار کرسکتے ہیں

ہیں، ان شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ جمعہ چھوٹی بستی (قریہ صغیرہ) میں جائز نہیں، بڑی بستی (قریہ کبیرہ، قصبہ، مصر) میں پڑھنا چاہیے: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة، الخ". شامي، ص: ۵۳۷(۱)۔

قریہ صغیرہ و کبیرہ کی تعریف جو کچھ کی جاتی ہے وہ تمام و کمال حقیقت بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ علامات بتلانے کے لئے ہیں اور علامات کا حال یہ ہے کہ وہ عرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں (۲)، اس لئے بہت سی علامات ایسی ہیں جو پہلے قابلِ رعایت نہیں تھیں، اب قابلِ رعایت ہیں۔

شرح وقایہ میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے اس کی تنقید بھی شامی میں مذکور ہے۔ جس تعریف کو امام اعظم ابو حنیفہ سے نقل کر کے "الاصح" قرار دیا ہے وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، الخ". شامي، ص: ۵۳۶(۳)۔

لہٰذا شرح وقایہ کی تعریف پر سہارا نہیں تو تعریف ہے، اس لئے طحطاوی نے لکھا ہے کہ: "قوله: لايسع أكبر مساجده أهله، هذا يصدق على كثير من القرى"(۴)۔

جمعہ کی شرائط میں سے شرط موجود نہ ہونے پر بھی عوام کی رعایت سے جمعہ پڑھنا یا اس کی اجازت دینا

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۲) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف" (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۴۹، خضر راہ بک ڈپو، دیوبند)

"وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، سہارنپور)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۴) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۳۳۸، دار المعرفة بيروت)

منصب اہل علم کے خلاف ہے جو اعتقادی وعملی مفاسد پر مشتمل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: جمعہ فرض نہ ہونے پر اس کے فرض ہونے کا اعتقاد کرنا، ظہر فرض ہونے پر اس کے فرض نہ ہونے کا اعتقاد کرنا، جمعہ کے قصد سے نماز پڑھی جائے گی وہ نفل ہوگی، نفل کے لئے خطبہ، اذان، اقامت، جماعت ان کو نفل میں قراءۃ بالجہر بالنفل پڑھ کر یہ اعتقاد کرنا کہ اس سے فرض ساقط ہوگیا، فرض ظہر کو مستقلاً ترک کرنا، اس کی قضا بھی نہ پڑھنا، مقام غور ہے کہ ان اعتقادی و عملی غلطیوں میں خود مستقلاً مبتلا ہونا اور عوام کو مبتلا کرنا کیا دینی خدمت ہے، یا دین کے خلاف سمت پر چلنا ہے (۱)۔

جو بستی ایسی ہو کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، دوکانات ہوں، حکیم ہو یا ڈاکٹر ہو، مقدمات ونزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالت یا پنچایتی نظام ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں (یہ بات نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا، ضروریات خرید لیں، پھر ضرورت پیش آئی تو انتظار کرنا پڑا، یا دوسری بستی میں جانا پڑا)، ضروری پیشہ ور ہوں، ایسی بستی قریہ کبیرہ ہے۔ ہمارے اطراف میں دو ڈھائی ہزار کی آبادی میں آج کل عموماً یہ سب علامات جمع ہو جاتی ہیں، وہاں جمعہ پڑھا جائے، جو بستی ایسی نہ ہو وہاں ظہر پڑھی جائے: "لو صلی فی القری لزمهم أداء الظهر، الخ". شامی، ص: ۱۳۷ ج ۱ (۲)۔

جو متعدد بستیاں اپنے نام اور آبادی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بستی کے محلے نہیں ہیں تو محض ادائے جمعہ کے لئے ان کو ایک شمار کرنا درست نہیں (۳)، خاص کر جب کہ اس

---

(۱) "عن تميم الداري رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"، قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى عنه: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ويعينهم عليه بالقول والفعل ... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم ... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، باب الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۳) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة به، فعليه -

مجموعہ میں بھی صرف مردم شماری کا اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن دیگر شرائط بازار وغیرہ کا تحقق پھر بھی نہیں ہوتا۔

قاضی شرعی کو امام المسلمین کی طرف سے قوت تنفیذ حاصل ہوتی ہے تو اس کا حکم گویا کہ امام المسلمین کا حکم ہوتا ہے اور امام المسلمین کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ بعض مسائل میں پنچایت کو قاضی کی طرح فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، مگر یہ اختیار اس وقت ہے جب کہ فریقین متخاصمین اپنی طرف سے پنچایت میں مقدمہ پیش کریں اور اس کے فیصلہ پر رضا مندی کا اظہار کریں، جیسے کہ تحکیم کا عمل ہوتا ہے۔

قوت تنفیذ نہ ہونے کی وجہ سے ابتداءً کسی پر حکم کو نافذ کرنے کا حق نہیں بلکہ مرافع کے بعد فیصلہ صادر ہو جانے پر بھی کوئی نہ مانے تو عدول حکمی کی سزا دینا قابو میں نہیں، پھر یہ پنچایتی معاملہ مجبوراً دوسرے مذہب سے لیا گیا ہے، وہ بھی ایسے مسائل میں جن میں مذہب حنفی پر عمل کرنا دشوار ہو، جیسے مسئلہ مفقود میں کہ مدت مدیدہ کا انتظار کرنے میں مفاسد شرعیہ وارتکاب معاصی، عدم نفقہ وغیرہ ہیں اور جن مسائل میں یہ بات نہ ہو ان میں پنچایت کو قائم مقام کرنا بے محل ہے(۱)۔ وھٰذا کذلک۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

## قصبہ کی تعریف کیا ہے؟

سوال[۳۱۹۹]: قصبہ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصبہ شہر سے چھوٹا ہوتا ہے، بڑے گاؤں سے بڑا ہوتا ہے، اس کی تعریف علامات کے اعتبار سے کی

---

= الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيدية)

(۱) (راجع الحيلة الناجزة للتهانوي رحمه الله تعالىٰ، صورت قضاء قاضي در هندوستان، ص: ۱۳۸، دار الاشاعت)

ملفوظ میں ان حضرات کے اقوال میں بھی اس قدر اختلافات ہیں کہ کسی گاؤں کو مصر یا قریۂ کبیرہ کی تعریف سے خارج کرنا یا کسی شہر کو مصر میں داخل کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

صاحب "وقایہ" مصر کی صرف ایک تعریف کرتے ہیں: "ما لا یسع أکبر مساجده لأهله مصر"(۱) اول متأخرین کی ایک جماعت نے جس میں صاحب مختار بھی ہیں اسی تعریف کو اپنایا ہے(۲) صاحب "شرح وقایہ" نے بھی مصر کی ایک یہی تعریف نقل کی ہے: "عند البعض هو موضع إذا اجتمع أهله في أكبر مساجده لم يسعهم"(۳)۔ "هو موضع" پر مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ لکھا ہے "هذا تفسير منقول عن الثلجي، وعليه فتوى أكثر الفقهاء، كما في المجتبى، وفي شرح الجبة: هو الصحيح"(۴)، گویا مولانا نے اس تفسیر کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مصر کی یہی تعریف کی ہے، اور خزانۃ المفتیین اور البحر الرائق وغیرہ کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو علم الفقہ دوم ص ۱۳۵، ۱۳۶(۵)۔

مصر فقہاء کی اصطلاح میں اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ایسے مسلمان جن پر نماز جمعہ واجب ہے اس قدر ہوں کہ اگر سب مل کر وہاں کے کسی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو، اس مسجد سے جمعہ مسجد مراد نہیں ہے بلکہ پنجوقتہ نمازی مسجد مراد ہے، جس مقام پر یہ تعریف صادق ہو وہ مصر ہے اور جہاں صادق نہ ہو وہ قریہ ہے۔

نیز مولانا عبدالحی نے شرح وقایہ کی عبارت "إذا اجتمع" پر حاشیہ لکھا ہے: "وقيل: أكبر

---

(۱) (شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعید)

(۲) "والمصر: ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده، لم ...". (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ: ۱/۱۰۸، حقانیہ پشاور)

(۳) (شرح الوقایۃ، باب الجمعۃ: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعید)

(۴) (عمدۃ الرعایۃ في حل شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ (رقم الحاشیۃ: ۲۲): ۱/۱۹۸، سعید)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷، سعید)

(۵) (علم الفقہ: کتاب الصلاۃ، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، حصہ دوم، ص ۳۰۳، دار الاشاعت کراچی)

المساجد للصلوات الخمس كما في فتاوى الزاهدي الخ(۱)۔ اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ میں مصر کی ان مختلف تعریفات کو جنہیں ائمہ احناف نے بیان کیا ہے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اکثر فقہاء کے نزدیک مختار اور متاخرین کا مفتی بہ قول وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے" (البحر الرائق، خزانۃ المفتیین، فتاویٰ زاہدی)(۲) صاحب ہدایہ نے بھی مصر کی ایک ہی تعریف کی ہے، شرح عنایہ میں بھی یہی تعریف نقل کی گئی ہے، ملاحظہ ہو فتح القدیر ۲، رحمانی ص:۲۳(۳)۔

اسی لئے ہمارے یہاں جن بستیوں میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے تو اگر وہاں کے لوگ بجائے ظہر کے جمعہ کی نماز فرض سمجھ کر ادا کریں تو کیا حرج ہے، جب کہ جمعہ سے روکنے میں اختلاف کا اندیشہ، علماء سے بدظنی اور ان بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے والے اکابرین سے بدگمانی یقینی چیز ہے۔

---

(۱) (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲۳، ۱۹۸/۱، سعید)

(۲) (علم الفقہ، کتاب الصلاۃ، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، حصہ دوم، ص: ۲۱۳، دار الاشاعت کراچی)

(۳) صاحب ہدایہ نے مصر کی دو تعریفیں ذکر کی ہے، شرح عنایہ میں ان دو تعریفوں کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک تیسری تعریف بھی نقل کی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وفي الهداية: والمصر الجامع: كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام، ويقيم الحدود، وهذا عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، وعنه: أنهم إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم. و الأول اختيار الكرخي وهو الظاهر، والثاني اختيار الثلجي.

وفي العناية: "و عرف المصر الجامع بقوله: (كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود) والمراد بالأمير والي يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم . . . قال ابن شجاع رحمه الله تعالى: أحسن ما قيل فيه: إذا كان أهلها بحيث لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك، حتى احتاجوا إلى بناء مسجد آخر للجمعة، و هذا الاحتياج غالب عند اجتماع من عليه الجمعة. والأول اختيار الكرخي و هو ظاهر الرواية، وعليه أكثر الفقهاء، والثاني اختيار أبي عبد الله الثلجي. وعن أبي يوسف رواية أخرى غير هاتين الروايتين وهو: كل موضع سكنه عشرة آلاف فكان عنه ثلاث روايات".
(العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

جیسے کہ ایک بستی میں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی آرہی تھی اور اب بعض لوگ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے ہیں جن کو دیکھ کر بعض لوگ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ حسب سابق جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ جن کے دلوں میں جمعہ کی بڑی اہمیت تھی اور وہ صرف جمعہ ہی کی نماز پڑھتے تھے ان کے دلوں سے جمعہ کی عظمت نکل گئی اور ہفتہ کی اس عید والی نماز سے بھی محروم ہوگئے اور عیدو بقرہ عید کی نماز سے بھی ان کو چھٹکارا مل گیا، پھر یہ قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھنے کو بعض حضرات نے بدعت حسنہ کہا ہے، ملاحظہ ہو قدوری مطبوعہ تیوی کانپور، ۱۳۲۷ھ، مطابق ۱۹۵۱ء، باب صلوۃ الجمعۃ:

"ولا تجوز في القرى" پر حاشیہ: "وقد كتب جدي بخطه على ظهر الهداية نقلاً عن مصنف الكفاية: البلدة الكبيرة بمنزلة المصر، وأما الصغيرة فالجمعة فيها بدعة حسنة، شيخ الإسلام الهروي في حاشية شرح الوقاية" (۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ میری بستی (جس میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے) سے قریب ہی ایک جگہ ..... ہے جہاں بازار ہے، دوکان ہیں، ہوٹل ہیں، ایک دینی ممتاز مدرسہ ہے جہاں ہمیشہ علماء رہتے ہیں، ریلوے اسٹیشن، بس اڈہ اور ایک سے ہائی کلاس تک اسکول بھی ہیں، موتی اور غیر مویشی ڈاکٹر اور نرسیں بھی رہتی ہیں، عام ضروریات کی ساری چیزیں ملتی ہیں، اور بازار ہی سے بالکل متصل پچھم (مغرب) کی طرف ایک بستی ہے اور دکھن (مشرق) کی طرف ایک سو فرلانگ پر ایک دوسری بستی بھی ہے۔ نیز میری بستی سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ لوریا ہے جہاں تھانہ ہے، سرکاری بلاک ہے، چینی کی فیکٹری اور اچھی خاصی آبادی بھی ہے، وہاں بازار ہے، ضروریات زندگی کی ہر سہولت حاصل ہے۔ چار ہی میل کے فاصلہ پر ایک دوسرا بازار چنپٹیا ہے، جہاں ضروریات زندگی کی ساری ہی چیزیں دستیاب ہوتی ہیں، ریلوے اسٹیشن، چینی فیکٹری، سرکاری بلاک، اسپتال اور کافی آمدنی ہونے کے ساتھ شمالی بہار میں قصر کا سب سے بڑا بازار بھی ہے، یہاں بھی مصر کی دوسری تعریفیں صادق آتی ہیں۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے توابع مصر کی تعریف میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں ایک امام

---

(۱) (المختصر القدوري، حاشية مختصر القدوري، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۸)، ص: ۱۵، سعيد)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک قول تین فرسخ کا ہے اور بعض دوسرے حضرات سے ایک میل اور بعض سے دو میل اور بعض سے چھ میل ہے، در مختار میں لکھتے ہیں: "وقیل: أن یحضر الجمعة و یبیت بأهله من غیر تکلف، تجب علیه الجمعة، وإلا فلا، وفي البدائع: وهذا أحسن" (۱)۔

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی التعلیق الصبیح میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے "کذا في المرقاة" کہا ہے (۲)۔ اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے "قوله: الجمعة علی من آواه اللیل إلی أهله" کی پوری تشریح فرمائی ہے:

"قال المظهري: أي الجمعة واجبة علی من کان بین وطنه و بین الموضع الذي یصلي فیه الجمعة مسافة یمکنه الرجوع بعد أداء الجمعة إلی وطنه قبل اللیل، و بهذا قال الإمام أبو حنیفة رحمه الله تعالی. وشرط عنده أن یکون خراج وطنه ینقل إلی دیوان المصر الذي یأتي الجمعة، فإن کان توطنه دیوان غیر دیوان المصر، لم یجب علیه الإتیان، ذکره الطیبي" (۳)۔

اس تشریح کے اعتبار سے میری بستی میں جمعہ کی نماز واجب ہوگی تو پھر اگر واجب سمجھ کر ادا کی جائے تو

---

(۱) "ومن کان من مکان من توابع المصر، فحکمه حکم أهل المصر في وجوب الجمعة علیه بأن یأتي المصر فیصلیها فیه. واختلفوا فیه، فعن أبي یوسف: إن کان الموضع یسمع فیه النداء من المصر فهو من توابعه، وإلا فلا. وعنه: کل قریة متصلة بربض المصر و غیر المتصلة لا. وعنه: أنها تجب في ثلاثة فراسخ. وقال بعضهم: قدر میل. وقیل: قدر میلین. وقیل: ستة أمیال. وعن مالك رحمه الله تعالی ستة. وقیل: إن أمکنه أن یحضر الجمعة و یبیت بأهله من غیر تکلف، تجب علیه الجمعة، وإلا فلا، قال في البدائع: وهذا حسن" (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۲، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البدائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما بیان شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشیدیه)

(۲) "وفي ابن الهمام: ومن کان من توابع المصر، فحکمه حکم أهل المصر في وجوب الجمعة علیه ...... قال في البدائع: وهذا حسن، کذا في المرقاة" (التعلیق الصبیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۲/۱۴۷، مجلس اشاعة العلوم حیدر آباد دکن)

(۳) (التعلیق الصبیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۲/۱۳۷، مجلس اشاعة العلوم حیدر آباد دکن)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ توابع مصر تین فرسخ ہے، گویا نو میل ہاشمی تک توابع مصر ہے، جب کہ چوہدریاں اگر پڑی کلاں ہی پر لوہ یا اور چھپیا دونوں مصر ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق جسے قدوری کے حاشیہ پر فتویٰ دینے کے لئے مختار کہا گیا ہے کہ توابع مصر ایک فرسخ تک ہے یعنی تین میل ہاشمی جب کہ مسافت جو مصر ہے میری بستی سے کل دو میل انگریزی پر ہے اور لوہیا اور چھپیا بھی ہاشمی تین میل سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

نیز حدیث " الجمعة علی من اواہ اللیل الی اھلہ " کی تشریح میں مولانا محمد ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے " قال المظھری رحمه الله تعالیٰ الخ " سے تشریح کرتے ہوئے جو " هذا قول ابی حنیفة الخ " کہا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق بھی میری بستی توابع مصر سے ہے، کیونکہ ایک آدمی چھپیا اور لوہیا دونوں میں سے کسی مصر سے با آسانی جمعہ کی نماز پڑھ کر اسی دن میں لوٹ سکتا ہے اور میری بستی کا خراج بھی لوہیا ہی میں جمع ہوتا ہے تو اس طرح میری بستی میں جمعہ کو واجب قرار دینا ہمارے تینوں ائمہ حضرات کے قول پر عمل کرنا ہے۔

اس کے باوجود اگر میری بستی میں جمعہ کے عدم وجوب یا جمعہ کے وجوب اور ادائیگی کی عدم صحت کا فتویٰ دیا جائے تو کچھ لوگ جمعہ ہی پڑھیں گے کیوں کہ کابرین کے عمل اور ان سے عقیدت اس پر مجبور کرے گی اور کچھ لوگ ظہر کی نماز، اور دونوں جماعتیں تارک فرض قرار پائیں گی اور دونوں ہی جماعتیں ایک دوسرے کو تارک فرض اور فاسق تصور کریں گی۔

تو کیا اس عظیم فتنہ سے بچنے کے لئے اور حتی الامکان لوگوں کو معصیت سے بچانے کے لئے اور تینوں ائمہ کرام کے قول پر عمل پیرا ہونے کے لئے میری بستی میں وجوب جمعہ اور صحت ادا کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جب کہ تمام متأخرین کا مفتی بہ قول بھی یہی ہے؟ اور پھر یہ کہ ہمارے یہاں دو بستیوں کے درمیان عموماً ایک کلومیٹر سے کم ہی فاصلہ ہے اور تقریباً تمام بستیوں میں ضروریات زندگی کے سامان بھی فراہم ہوتے ہیں، دیوبند کے اطراف و جوانب کی بستیوں کی طرح یہاں بستیاں نہیں ہیں۔

۲ ادائے جمعہ کی صحت کے لئے فقہاء نے جو شرط لگائی ہیں وہ تمام شرائط ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں پائی جاتی ہیں حتی کہ وہ شرائط دیوبند میں بھی نہیں پائی جاتی ہیں، صاحب وقایہ نے " السلطان او نائبه "

کی شرط لگائی ہے(۱)، قدوری بھی رقم طراز ہیں: "ولا تجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان"(۲)، صاحب شرح وقایہ بھی یوں تحریر فرماتے ہیں: "فعند البعض هو موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود"(۳)۔

اور ظاہر بات ہے کہ سلطان یا ایسا امیر اور قاضی جو احکام شرعیہ کو نافذ کرے اور حدود کو قائم کرے ہندوستان میں کہیں نہیں ہے، لہٰذا کسی شہر میں سلطان کا نائب بھی نہیں ہوگا تو پھر دیوبند یا ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں جمعہ کی نماز کیسے صحیح ہوگی؟ اور اگر سلطان یا نائب سلطان اور امیر و قاضی کی تاویل ایسے شخص سے کی جائے جس پر سب لوگ متفق ہوں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے، تو پھر مصر کی تعریف میں تاویل کرکے گاؤں اور بستیوں میں رہنے والوں کے شہروں سے تعلقات آمد و رفت کی کثرت کاروباری سلسلہ میں لین دین اور رہن سہن، کھانا پینا، تعلیم و ثقافت اور گھر میں یکسانیت کے سبب ان تمام بستیوں کو مصر میں شمار کر دینے میں کیا حرج ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے؟ جب کہ اس میں ایک مصلحت یعنی عظیم فتنہ سے بچاؤ بھی ہے جس کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۳ اکابرین حضرات کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ادائے جمعہ کی صحت کی اصل شرائط کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً صحتِ ادا کے لئے سلطان یا نائب سلطان یا احکام شرعیہ کو نافذ کرنے والے اور حدود قائم کرنے والے امیر یا قاضی کی شرط لگائی ہے مگر اکابرین کے فتاویٰ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم سوال نمبر: ۲۳۳۲، الجواب: "دیہات دو قسم کے ہیں: قریۂ کبیرہ اور قریۂ صغیرہ، قریۂ کبیرہ کو حکم قصبہ و شہر قرار دے کر فقہاء نے اس میں وجوب جمعہ کا فتویٰ دیا ہے، کما فی الشامی الخ"(۴)۔

نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم سوال نمبر: ۲۳۵۷، الجواب: "اگر وہ دونوں گاؤں عرف میں ایک ہیں اور

---

(۱) "و شرط لأدائها المصر ..... فعند البعض هو موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود ..... و السلطان أو نائبه الخ". (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعيد)

(۲) (مختصر القدوري مع اللباب، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۱۱۳، قديمي)

(۳) (شرح الوقاية، المصدر السابق، الحاشية رقمها: ۹)

(۴) (فتاوى دار العلوم ديوبند، الباب الخامس عشر في صلاة الجمعة، (رقم السوال: ۲۳۴۲): ۵/۴۸، دار الاشاعت كراچی)

ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے، "کما فی الشامی الخ"(۱)۔

ان فتاویٰ میں سلطان، نائب سلطان، امیر، قاضی کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے، شرط صرف آبادی کی مقدار ہے تو اگر بالفرض شرط ہو، اگر وہ فتنۂ عظیم سے بچنے کے لئے مصر ہونے کی شرط بھی ہٹا کر بستیوں میں وجوب جمعہ وعیدین کا فتویٰ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ جب کہ بہت سی بستیوں میں ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجاد رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا ریاض احمد صاحب سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند اور دوسرے اکابرین نے بھی جمعہ کی بھی نماز پڑھی ہے۔ جواز کا فتویٰ دینے سے ان حضرات سے بدظنی بھی نہیں ہوگی، علماء کا وقار اور شریعت کی ہیبت بھی مسلمانوں کے دلوں میں باقی رہ جائے گی۔

۲.. مسائل کے سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول آپ کے یہاں معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر نہیں ہے تو مطلع فرمایا جائے ورنہ اگر معتبر ہے تو فتنہ سے بچنے کے لئے عذر کی وجہ سے دیہات کی بستیوں میں وجوب جمعہ اور عیدین ادا کرنے کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر فتویٰ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ: جید برقی پریس، بلیماران دہلی، ۱۳۴۸ھ۔

**مسئلہ:** "مذاہب سب حق ہیں، مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر عند الضرورۃ عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں، مگر نفسانیت اور مذمت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں، سب مذاہب کو حق جانے کسی پر طعن نہ کرے سب کو اپنا امام جانے"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... اتنی بات تو متفقہ طور پر مسلم ہے کہ جمعہ صلوات خمسہ کی طرح نہیں کہ آبادی میں، جنگل میں، زمین میں، ریل میں، کشتی میں تنہا، جماعت کے ساتھ ادا، قضاء ہر طرح درست ہوسکے بلکہ اس کے لئے کچھ

---

(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، الباب الخامس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، رقم السؤال: ۲۳۵۴): ۵/۹۵، دار الاشاعت کراچی)

(۲) (تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، تقلید اور اجتہاد کے مسائل، متفرقات، ملفوظ نمبر ۱، ص: ۲۰۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

خصوصی شرائط ہیں، جگہ بھی اس کے لئے ایسی ہوگی جس میں کچھ خصوصیت ہوگی:

"واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومن أهل الأعراب اهـ". أحكام القرآن: ۳/۴۴۵(۱)۔

اس کے لئے تمدن کو سب ہی حضرات نے شرط قرار دیا ہے:

"وقد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وخلفاؤه رضي الله تعالى عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالى يجمعون في البلدان ولا يؤاخذون أهل البدو ولا يقام في عهدهم في البدو وفهموا من ذلك قرناً بعد قرن وعصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن اهـ". حجة الله البالغة: ۲/۲۸(۲)۔

اس نوع من التمدن کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، مصر یا قریہ کبیرہ یا قصبہ کو فقہاء نے جواز جمعہ کے لئے شرط قرار دیا ہے، وہ درحقیقت اس نوع من التمدن کی تحقیق کے لئے ہے۔ مصر کی تعریفات بہت مختلف ملتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تعریفات بالحد نہیں کہ ذاتیات وجنس وفصل کے ذریعہ ان کو جامع مانع قرار دیا جائے، بلکہ درحقیقت علامات کے ذریعہ تقریب الی الفہم مقصود ہے، عرف کے تغیر سے بھی علامات متغیر ہوتی رہتی ہیں اور جغرافیائی حیثیت سے بھی تغیر ہوتا ہے، پس زمان ومکان دونوں ہی مؤثر ہیں(۳)۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة، پ: ۲۸، فصل: ۳/۶۹۶، قديمي كتب خانه كراچي)

(۲) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۲/۶۲، قديمي كتب خانه)

(۳) "وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، مكتبه يحيويه سهارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، ديوبند)

ایک علاقہ میں جو علامات مصر ہیں ضروری نہیں کہ دوسرے علاقہ میں بھی وہی علامات ہوں، آج کل ہمارے اطراف میں عمومی علامات یہ ہیں: پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفاخانہ یا حکیم ہو، مدرسہ یا اسکول ہو، مستقل دوکانیں ہوں، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں، کچہری یا نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچایتی نظام ہو، آس پاس کے دیہات اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں اور اس مقام کو قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جاتا ہو، مردم شماری کے لحاظ سے کوئی خاص عدد لازم نہیں۔ یہ علامات کچھ مدت پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں ہوتی تھیں، اب تمدن تیزی سے ترقی کر رہا ہے، اب اس سے کم آبادی میں بھی یہ علامات جمع ہوجاتی ہیں، بعض بستیوں کی آبادی دو ہزار ہے اس میں بھی یہ علامات موجود ہیں، بعض میں نہیں۔

آپ نے جو تعریف نقل کی ہے: "ما لا یسع أکبر مساجدہ أھلہ" اس پر طحطاوی سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے: "ھذا یصدق علی کثیر من القری". ۱/۵۳۶ (۱)، نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: "وفیہ إشکال حیث لم یصدق علی المساجد الثلاثة، اھ" شرح النقایۃ: ۱/۱۲۳ (۲)۔

غرر الاحکام اور درر الاحکام میں ہے: "وھو ما لا یسع أکبر مساجدہ أھلہ یعني من یجب علیہ الجمعة لا سکانہ مطلقاً أو ما لہ مفت، ذکرہ قاضي خان، وأمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود، وکلا التعریفین منقول عن أبي یوسف. والأول اختیار الکرخي رحمہ اللہ تعالیٰ، والثاني اختیار الثلجي، اھ" (۳)۔

اس پر محشی شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں لکھا ہے:

"أقول: وعنہ روایة ثالثة: ھو کل موضع یسکن فیہ عشرة آلاف نفر کما في العنایة، وقیل: یوجد فیہ عشرة آلاف مقاتل، وفي المصر أقوال أخر، اھ" (٤)۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷، سعید)

(۲) (شرح النقایۃ للملا علي القاري، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۱/۲۰۹، سعید)

(۳) (لم أظفر علی ھذا الکتاب)

(٤) (لم أظفر علی ھذا الکتاب)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۱/۲۱۷، میں ہے:

"أو هو كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، وهذا رواية عن أبي يوسف، و هو اختيار الكرخي، وعنه: أنهم لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لا يسعهم، وهو اختيار البلخي، وعنه. و هو كل موضع يكون فيه كل محترف، و يوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه في معايشهم، وبه فقيه مفت وقاض يقيم الحدود، وعنه: أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف مقاتل، وقيل: أن يكون أهله بحال لو قصدهم عدو يمكنهم دفعه، وقيل: أن يكون بحال يعيش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يشتغل بحرفة أخرى اهـ. وعن محمد كل موضع مصره الإمام، فهو مصر، حتى لو بعث إلى قرية نائباً لإقامة الحدود والقصاص يصير المصر، فإذا عزله يلحق بالقرى" اهـ"(۱)۔

اتنی مختلف تعریفات آپ نے دیکھے ہیں کہ یہ علامات و عوارض ذاتیات ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو تعریف منقول ہے وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". بدائع: ۲/۶۶۲(۲)، زیلعی: ۱/۲۱۷(۳)، ردالمحتار: ۱/۵۳۶(۴)، شرح نقایہ: ۱/۱۹۳(۵)، غنیۃ المستملی: ۵۱۱(۶)، غنیۃ ذوی

---

(۱) (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۵۲۳، ۵۲۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، شرائط الجمعۃ: ۱/۵۸۵، رشیدیہ)

(۳) (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۵۲۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۴) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷، سعید)

(۵) (شرح النقایۃ للملا علی القاری، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجمعۃ ۱/۲۸۹، سعید)

(۶) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اکیڈمی لاہور)

الأحکام للشرنبلالی: ۱/۲۲۶ (۱)، فتح القدیر: ۲/۵۱ (۲)۔

علامہ حلبی نے مختلف تعریفات نقل کرکے بطور فیصلہ لکھا ہے "فالحاصل أن الأصح الحد ما ذکره فی التحفة اهـ" (۳)۔

یعنی بدائع کی نقل کردہ تعریف صحیح ہے۔

توابع مصر کے متعلق امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے نقل کرکے آپ نے جو نتیجہ نکالا ہے کہ (آپ کی بستی میں جمعہ درست ہے) وہ خود ان کی تصریحات کے خلاف ہے، وہ تو یہ کہتے ہیں۔

"إن أمکنه أن یحضر الجمعة ویبیت بأهله من غیر تکلف، تجب علیه الجمعة، وإلا فلا، وهذا حسن اهـ". بدائع: ۲/۲۶۳ (۴)۔

یعنی مصر کا رہنے والا اگر جمعہ کے لئے حاضر ہوکر جمعہ ادا کرکے بلا تکلف اپنے مکان واپس جا سکتا ہو تو مصر میں حاضر ہوکر اس پر جمعہ ادا کرنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ مصر سے ایک میل، دو میل، تین میل، چھ میل، تین فرسخ پر رہتا ہو تو وہیں جمعہ ادا کرے، بلکہ ان سب اقوال میں سے کسی کے قول کی بناء پر اپنے ذمہ جمعہ کو واجب سمجھتا ہو تو وہ مصر میں جاکر جمعہ ادا کرلیا کرے۔

غنیۃ شرح منیہ ص: ۵۱۲ میں ہے:

"ومن کان مقیماً فی أطراف المصر لیس بینه وبین المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة علیه وإن کان یسمع النداء، والغلوة والمیل والأمیال لیس بشيء، کذا روی الفقیه أبوجعفر عن أبي حنیفة وأبي یوسف، وهو اختیار شمس الأئمة الحلوانی، کذا فی فتاوی قاضی خان اهـ" (۵)۔

---

(۱) (لم أظفر علی هذا الکتاب)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴، مصطفی البابي الحلبي، مصر)

(۳) (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۴) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۹، رشیدیه)

(۵) [illegible]: "لیس بینه وبین المصر فرجة بل الأبنیة متصلة إلیه، فعلیه الجمعة وإن کان بینه وبین المصر فرجة من المزارع ... والغلوة والمیل الخ". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

جس جگہ شرائط جمعہ موجود نہ ہوں اور وہاں جمعہ ہورہا ہوتو نہایت دلسوزی ہمدردی نرمی سے لوگوں کو مسئلہ بتایا جائے کہ آپ حکم خداوندی سمجھ کر خدائے پاک کو راضی کرنے کے لئے اور اپنی آخرت درست کرنے کے لئے جمعہ پڑھتے ہیں لہٰذا حکم شرعی کے تحت تحقیق کی ضرورت ہے، جیسے کہ جمعرات کو جمعہ نہیں پڑھا جاسکتا، ریل میں، جہاز میں نہیں پڑھا جاسکتا، بلا خطبہ و بلا جماعت نہیں پڑھا جاسکتا اسی طرح چھوٹے گاؤں میں بھی نہیں پڑھا جاسکتا(۱)، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا، نہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھا(۲) وغیرہ وغیرہ۔ پھر جو لوگ نہ مانیں ضد کریں، ان کے درپے ہونے اور ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ فقہاء نے خود اس کے متعلق صراحت فرمادی ہے: "وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوى: غلب على المسلمين وُلاة الكفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". طحطاوي على المراقي الفلاح، ص:۵۰۲(۳)۔

---

(۱)

وصحّ صحيح بالبلوغ مذكّرٌ مقيمٌ وذو عقلٍ لشرط وجوبها

ومصر وسلطان ووقت وخطبة وإذنٌ كذا جمعٌ لشرط أدائها

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۳۵، رشيديه)

(۲) "و كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و خلفاؤه رضي الله تعالى عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالى يجمّعون في البلدان، ولا يؤاخذون أهل البدو، و لا يقام في عهدهم في البدو الخ".

(حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان. ۲/۴۶، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(۳) (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام الجمعة، ص:۵۰۷، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۶، رشيديه)

اگر کہیں دار الاسلام میں بھی ایسی صورت پیش آجائے کہ سلطان یا نائب سلطان نہ ہو سکے تو اس کے متعلق بھی جزئیہ موجود ہے:

"وأما إذا لم يكن إمام بسبب فتنة أو بسبب الموت ولم يحضر وال آخر بعد حتى حضرت الجمعة ذكر الكرخي أنه لا بأس أن يجمع الناس على رجل حتى يصلي بهم الجمعة، وهكذا روي عن محمد، ذكره في العيون لما روي عن عثمان رضي الله تعالى عنه أنه لما حوصر قدم الناس عليا رضي الله تعالى عنه فصلى بهم الجمعة" كذا في بدائع الصنائع: ۲/۲۶۶(۱)۔

لہٰذا سلطان یا نائب سلطان کے موجود نہ ہونے سے جمعہ ترک نہ کریں۔

۳۔ اس کا جواب نمبر ۱ سے واضح ہے، اگر فقہاء نے قریہ صغیرہ و کبیرہ میں جو حد اجازت دی ہو تو کسی کو رد کرنے کا حق نہیں، قریہ کبیرہ کو تو حکم شہر و قصبہ فقہاء نے قرار دیا ہے، کیا قریہ صغیرہ کو بھی حکم شہر و قصبہ قرار دیا ہے؟ اگر اس کی کہیں صراحت ہو تو تحریر فرمائیں، اس سے بہت بڑا اشکال حل ہو جائے گا۔

صحیح ہے کہ ابتداءً دو بستیاں جدا جدا ہوں پھر آبادی بڑھتے بڑھتے دونوں آپس میں اس طرح متصل ہو جائیں کہ ان میں فرق نہ رہے ایک ہی معلوم ہونے لگیں تو ان کو ایک کہنا درست ہوگا(۲)۔ اگر مصر و حکم مصر کی شرط بنا کر ہر بستی میں جمعہ کے وجوب کا حکم لگایا جائے تو یہ مستقل شریعت ہوگی اور حکم لگانے والا شارع ہونے کا مدعی ہوگا، اور یہ حکم یہ ہوگا کہ تمام امت کے خلاف ہوگا، خود حدیث پاک کے بھی خلاف ہوگا جس کو وحی غیر متلو کی حیثیت حاصل ہے(۳)۔ کیا حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت مولانا یاسین احمد صاحب نے یہ چھوٹی بڑی

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۹، رشیدیہ)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۶/۱۹۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة من الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

بستی میں جوازِ جمعہ کا فتویٰ دیا ہے؟ جس بستی میں انہوں نے جمعہ پڑھا ہے اس کا حال معلوم نہیں، لہٰذا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

۳..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ان کے فتاویٰ کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح و معتبر ہے، چنانچہ زوجۂ مفقود کے متعلق دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ دیا جاتا ہے، کیونکہ وہاں ضرورت متحقق ہے، مسئلہ زیرِ بحث میں اول تو ضرورت کیا ہے کہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کیا جائے، دوسرے وہ کون سے امام ہیں جن کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کا وجوب ہے، جس غلط عمل میں لوگ مبتلا ہیں اس کی اصلاح کی جائے، یہ ہے اصلی علاج، نہ کہ ان کی خاطر غلط فتویٰ دے کر ان کی غلطی کو مستحکم کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہٗ، دارالعلوم دیوبند۔

## احناف نے جمعہ کے لئے مصر کی شرط کیوں لگا دی؟

سوال [۳۹۱۸]: ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں اور جمعہ سب کا سردار مانا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی بہت فضیلتیں بتلائی ہیں اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف زیادہ پڑھا کرو کیونکہ اس دن درود پڑھنے کے زیادہ فضائل ہیں (۱) اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ اور

---

= "قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: "بهذا" إشارة إلی أن أمر الإسلام کمل: وانتهی، وشاع، وظهر ظهور المحسوس، بحیث لا یخفی علی کل ذی بصر وبصیرة، فمن حاول الزیادة، فقد حاول أمراً غیر مرضی، لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً، فعلی هذا یناسب أن یقال: ... فذلک الشخص ناقص مردود عن جنابنا مطرود عن بابنا". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۶، رقم الحدیث: ۱۴۰، رشیدیه)

(۱) "عن أوس بن أوس رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم، وفیه قبض، وفیه النفخة، وفیه الصعقة، فأکثروا علیّ من الصلوٰة فیه، فإن صلوٰتکم معروضة علیّ". قال: قالوا: یا رسول الله! وکیف تُعرض صلوٰتنا علیک وقد أرمت؟ قال: یقولون بلیت. قال: "إن الله عز وجل حرم علی الأرض أجساد الأنبیاء". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب تفریع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، امدادیه، ملتان)

جماعت کی نماز نہ پڑھے تو وہ دوزخی ہے اور خود حق تعالیٰ شانہ نے بھی جمعہ کی تاکید کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن سر سے تیل خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد میں آؤ اور مسجدوں میں خوشبو جلاؤ (۱) تو جب جمعہ کی اتنی فضیلتیں ہماری شریعت نے بتلائی ہیں تو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے پڑھنے میں مصر ہونے کی شرط کیوں لگا دی؟ مقصد تنقید نہیں بلکہ سمجھنا ہے۔ سنا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جہاں چالیس گھر ہوں وہیں جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ جب ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں تو کیا ہم اور

---

(۱) "قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیہا الذین اٰمنوا إذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ، فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع، ذلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون﴾ (سورۃ الجمعۃ: ۹)

"واختلف رجل إلی ابن عباس یسألہ عن رجل مات لم یکن یشہد الجمعۃ والجماعۃ، فقال: "فی النار". فلم یزل یتردد إلیہ شہرا یسألہ عن ذلک، وہو یقول: "فی النار". (إتحاف السادۃ المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، کتاب أسرار الصلوٰۃ ومہماتہا، الباب الخامس: ۳/۲۲۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

"عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یغتسل رجل یوم الجمعۃ ویتطہر ما استطاع من طہر ویدہن من دہنہ أو یمس من طیب بیتہ، ثم یخرج، فلا یفرق بین اثنین، ثم یصلی ما کتب لہ، ثم ینصت إذا تکلم الإمام، إلا غفر لہ ما بینہ وما بین الجمعۃ الأخری". (الصحیح للبخاری، کتاب الجمعۃ، باب الدہن للجمعۃ: ۱/۱۲۱، قدیمی)

(وکذا فی إتحاف السادۃ المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، کتاب أسرار الصلوٰۃ ومہماتہا، الباب الخامس: ۳/۲۰۸)

(وکذا فی السنن الکبریٰ، کتاب الجمعۃ، باب السنۃ فی التنظیف یوم الجمعۃ بغسل: ۳/۳۴۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

"عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: کان إذا استجمر استجمر للجمعۃ بعود غیر مطرّی وعلا علیہ بالکافور، ویقول: ہذا بخور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم". (السنن الکبریٰ، کتاب الجمعۃ، باب کیف یستجمر للجمعۃ: ۳/۳۴۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

"أن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمر أن یجمر مسجد المدینۃ کل جمعۃ حین ینتصف النہار، قلت: ولذلک سمی نعیم المجمر". (زاد المعاد، فصل ہدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی تعظیم یوم الجمعۃ، الخامسۃ عشرۃ، ص: ۱۰۳، دار الفکر)

ائمہ کے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں، کیا سب ائمہ کا اتباع کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز بھی بڑی فضیلت والی نماز ہے، ہجرت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر مدینہ طیبہ میں جمعہ شروع ہو چکا تھا، مکہ مکرمہ میں جمعہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا، جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو بنو عمرو کی بستی میں قیام فرمایا، جہاں جمعہ کا وقت بھی آیا اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، پڑھنا چاہتے تو پڑھ سکتے تھے مگر وہ چھوٹی بستی تھی اس لئے وہاں جمعہ نہیں ادا فرمایا (۱)۔ عرفات میں بہت بڑا مجمع اہل اسلام کا موجود تھا وہاں جمعہ نہیں پڑھا (۲)۔ دو میل، تین میل، چار میل، پانچ میل، چھ میل تک سے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے مدینہ منورہ آتے تھے، جو نہیں آتے ان سے مطالبہ نہیں کیا کہ تم کیوں جمعہ پڑھنے نہیں آئے، نہ یہ فرمایا کہ اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ پڑھا کرو (۳)۔

---

(۱) "عن أوس بن أوس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا علي من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة علي" قال: قالوا: يا رسول الله! وكيف تعرض صلوتنا عليك وقد أرمت؟ قال: يقولون بليت، قال: "إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، امدادیه ملتان)

(۲) "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم إلى المدينة، أقام في قباء -وهي قرية قريب المدينة الخ- أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين -كما في البخاري على نسخة- ووقعت الجمعة في أثنائها، ولم يثبت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجتمعوا فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۶، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

(۳) "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقف بعرفات في حجة الوداع يوم الجمعة لم يصل الجمعة فيها، بل صلى فيها الظهر" (بذل المجهود، تفريع أبواب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۶، امدادیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا قول عندالاحناف صحیح و درست ہے، حامد کا قول صحیح نہیں۔ اگر دیہات میں لوگ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو نمازی بنانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں، مثلاً وعظ و تبلیغ سے اگر کام نہ چلے تو انجمنیں قائم کی جائیں اور ان میں تارکِ صلوۃ کے لئے مختلف سزائیں مقرر کردی جائیں، مثلاً تارکِ صلوۃ کے یہاں کوئی شادی نہیں کرے گا، برادری کے کاموں میں شریک نہیں کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ان کو نمازی بنانے کے لئے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا جائے؟ اگر فقط جمعہ کی وجہ سے انہوں نے نماز پڑھ لی تو دیگر نمازوں کے لئے کیا کیا جائے گا، اس کا بھی خیال رہے، کوئی انتظام تجویز کریں؟

فی مراقی الفلاح: "لقوله علیه السلام: "لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة" ولهذا لم ینقل عن الصحابة رضی الله تعالی عنهم أنهم حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع إلا فی الأمصار دون القری، ولو کان لنقل ولو آحاداً فلا بد من الإقامة بمصر". قال الطحطاوی: "وکذا لم ینقل أنه صلی الله تعالی علیه وسلم أمر بإقامة الجمعة فی قری المدینة علی کثرتها" (۱)۔ وفی الهدایة: ۱/۱۴۸: "لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر، ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام: "لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع" (۲)۔

"إذن ومصر والسلطان ووقت وجمعة أداؤه كذا جميع شرط أدائها" (رد المحتار: ۱/۵۳۸) (۳)۔ ان شرائط میں سے ایک بھی فوت ہوجائے گی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۳، ۵۰۵، قدیمی)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۴۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) العبارة بتمامها:

وحر صحیح بالبلوغ مذکر ... مقیم وذو عقل لشرط وجوبها

ومصر وسلطان ووقت وخطبة ... وإذن کذا جمع لشرط أدائها

(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

ناجائز فعل کے منع کرنے سے اگر کوئی شخص دوسرے ناجائز کام میں مبتلا ہو جائے تو منع کرنے والے کو کچھ گناہ نہ ہوگا، البتہ منع کرنے والے کو یہ ضروری ہے کہ قائمین جمعہ فی القریٰ کو کسی عنوان سے اگر ترک صلوات کی نحوست و تاکید و ترک پر وعید خوب ذہن نشین کرادیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٦/ رجب/ ٥٨ھ۔

## اعتراض بر جواب مذکورہ بالا

سوال: [٢٧٠٠] گزارش یہ ہے کہ فتویٰ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صحت جمعہ کے شرائط میں مصر وسلطان ہے، اس پر عام طور سے جمعہ کو بھی اعتراض ہے کہ اگر سلطان صحت جمعہ کے لئے شرط ہے تو پھر ہندوستان میں اور ان مواقع میں جمعہ کیوں کر صحیح ہے جہاں سلطان نہیں ہے، حالانکہ تمام علمائے احناف کا عمل ہے کہ دیار ہند میں بلا تکلف قیام جمعہ فرماتے ہیں، باوجودیکہ سلطان شرط ہے اور وہ مفقود ہے تو جمعہ کیوں کر صحیح ہے؟ نیز یہ کہ اثر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ اول تو یہ موقوف ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں مصر جامع مذکور ہے اور مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف اس قدر وسیع ہے کہ جس سے علمائے احناف بھی تعجب میں ہیں۔ نیز یہ کہ مصر کو اثر میں مقید کیا ہے لفظ "جامع" کے ساتھ، اس سے کیا غرض ہے؟ امید ہے کہ تحقیق مصر کی تعریف سے اور امور مذکورہ سے مفصل و مدلل تسلی بخش جواب مرحمت فرمادیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاصۂ سوال یہ چند امور ہیں:

اول صحت جمعہ کے لئے سلطان شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے، پھر جمعہ کیسے صحیح ہوتا ہے؟

دوم: عدم جواز جمعہ پر جو دلیل ہے وہ اثر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، حدیث مرفوع نہیں۔

سوم: مصر کی تعریف میں حنفیہ کا اختلاف ہے، صحیح تعریف کیا ہے، مصر کے ساتھ "جامع" کی قید ہے اس سے کیا فائدہ؟

امر اول: کے متعلق عرض ہے کہ یہ شرط دار الاسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور جس جگہ مسلم نواب یا [illegible] کا

غلبہ ہو وہاں پر اقامتِ صلوۃ جمعہ کے لئے سلطان کا ہونا شرط نہیں بلکہ مسلمان جس پر جمع ہو کر اپنا امام مقرر کرلیں گے تو اس کا جمعہ پڑھ دینا صحیح ہوگا۔

"وإذا لم يمكن استيذان السلطان لموته أو فتنة، واجتمع الناس على رجل، فصلى بهم للضرورة كما فعل علي رضي الله تعالىٰ عنه في محاصرة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه. وإن فعلوا ذلك لغير ما ذكر، لا يجوز لعدم الضرورة، و روى ذلك عن محمد في العيون، وهو الصحيح. وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوى: غلب على المسلمين وُلاة الكفار، يجوز للمسلمين إقامة الجُمَع والأعياد، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ". طحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۹٤(۱)، هكذا في الفتاوى العالمكيرية (۲) وغيرها من كتب الفقه۔

امرِ ثانی کے متعلق عرض ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے املاء میں اس کو مسنداً مرفوعاً نقل کیا ہے، امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے اور دوسرے بعض محدثین نے موقوف نقل کیا ہے، کذا في الأوجز:

"و من المرجحات لقول الحنفية قوله عليه السلام: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع". للحديث المشهور ذكره أبو يوسف في الإملاء مسنداً مرفوعاً وهو إمام في الحديث والفقه، فلا يضره وقف من وقفه، سيما إذ هو من شيوخ مشايخ البخاري، وقال العيني: في شرح البخاري إن أبا زيد زعم في الأسرار أن محمد بن الحسن رحمه الله تعالى قال: رواه مرفوعاً معاذ و سراقة ابن مالك رضي الله تعالىٰ عنهما"(۳)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ٥٠٤، قديمي)

(۲) "بلاد عليها وُلاة كفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱٤٦، رشيديه)

(۳) (أوجز المسالك شرح موطا إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲٥۳، تاليفات اشرفيه، ملتان)

نیز غیر مدرک بالقیاس میں قول صحابی حکم میں مرفوع حدیث کے ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دیہات میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں من ادعی فعلیہ البیان۔ روایات اور آثار کی تفصیل بذل (۱) اوجز (۲) واحسن القری (۳) وغیرہ میں ہے۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: لا جمعۃ و لا تشریق و لا صلوۃ فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینۃ عظیمۃ".

"قلت: وأصرح من ذلک أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما ھاجر إلی المدینۃ أقام في قباء –وھي قریۃ قرب المدینۃ قال یعقوب بن عبد اللہ في معجم البلدان: قباء بالضم، وأصلہ اسم بئر ھناک، عرفت القریۃ بھا، وھي مساکن بني عمرو بن عوف– أربعۃ عشر یوماً أو أربعۃ و عشرین– کما في البخاري علی نسخھا– و وقعت الجمعۃ في أثنائھا و لم یثبت أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی فیھا الجمعۃ و لم یأمرھم أن یجمعوا فیھا، و سار یوم الجمعۃ یرید المدینۃ، فجمع في مسجد بني سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج –وھي محلۃ من المدینۃ– فکانت أول جمعۃ جمعت في الإسلام. فثبت بھذا أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یصل الجمعۃ في القری، ولم یأمر بھا فیھا، فعلم بھذا أن القری لیست محل إقامۃ الجمعۃ کما أن البراری لیست محل إقامتھا. وقد ثبت بروایۃ مسلم أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما وقف بعرفات في حجۃ الوداع یوم الجمعۃ، لم یصل الجمعۃ فیھا بل صلی فیھا الظھر". (بذل المجھود فی حل أبی داؤد، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری: ۲/۱۶۵، امدادیہ ملتان)

(تنبیہ): ذکر الشیخ خلیل احمد السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ ھذا الحدیث في البذل بطرق متعددۃ وبحث عنہ فیہ بحثاً طویلاً.

(۲) "عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لیس علی أھل القری جمعۃ، إنما الجمع علی أھل الأمصار مثل المدائن. فھذہ کلھا صریحۃ النص علی عدم جواز الجمعۃ في القریۃ؛ لأنھا لو جازت فیھا الجمعۃ، لما احتاجت ھؤلاء إلی مجيء المصر والأمصار، وبعضھا أصرح من بعض". (أوجز المسالک علی مؤطا إمام مالک، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء في الإمام ینزل بقریۃ یوم الجمعۃ في السفر: ۲/۲۳۶، تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۳) (راجع للتفصیل: احسن القری فی توضیح أوثق العری، تالیف شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ ہے:

"وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر على إقامة الحدود".

درمختار: ۱/۷۴۸۔

قال الشامي تحته: "في التحفة عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، إلا أن صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق؛ لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شأنه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك اهـ" (۱)۔

مصر کے ساتھ "جامع" کی قید صرف موضح ہے جیسا کہ مدینہ کے ساتھ "عظیمہ" کی قید وارد ہے، کسی دوسری شئی سے احتراز مقصود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۸/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/شعبان/۵۲ھ۔

## قریہ کبیرہ میں نماز جمعہ

سوال [۲۷۰۰]: ایک قریہ ہے جس کی آبادی ۳۵۰۰/ہزار ہے، اور تقریباً دو دکانیں ہیں جن سے ضروریات کی اشیاء مہیا ہوتی ہیں، قریہ مذکورہ میں سترہ مساجد ہیں، لیکن یہ بھی نہ قریہ کے لئے ناکافی ہیں، یعنی اگر سب لوگ نماز پڑھیں تو ان مساجد میں نہیں سما سکتے۔ ایسے قریہ کے بارے میں مفتیانِ کرام کیا فرماتے ہیں، آیا جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو حدیث مندرجہ ذیل کا کیا مطلب ہے: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". اور مصر جامع کی کیا تعریف ہے؟

المستفتی: زاہد حسین کشمیری، ۲۱/شوال۔

---

(۱) (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجمعة: ۲۳۵/۲، ۲۳۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوکانوں کی تعداد، مساجد کی کثرت، آبادی کے شمار کے لحاظ سے یہ بڑی بستی ہے، عامۃً اس بستی میں روزمرہ کی حوائج پوری ہوجاتی ہیں اور کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش نہیں ہوتی، عرف میں اس کو قریۂ کبیرہ کہتے ہیں جو کہ قصبہ کے حکم میں ہے، وہاں جمعہ جائز ہے، حدیث شریف میں جو ممانعت مذکور ہے اس سے قریۂ صغیرہ مراد ہے:

"(ویشترط لصحتها الخ) عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکك وأسواق ولها رساتیق، وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح اهـ". شامی: ۱/۵۳۶(۱)۔

یہ مصری علامات بتائی گئی ہیں۔ قصبات اور قریۂ کبیرہ کو بھی صحت جمعہ کے لئے شہر کے تابع قرار دیا گیا۔

"وتقع فرضاً في القصبات والقری الکبیرة التي فیها أسواق اهـ". شامی: ۱/۵۳۷(۲)۔

البتہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں، وہاں جمعہ کے دن بھی ظہر لازم ہے۔ "وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز في الصغیرة التي لیس فیها قاضٍ ... والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة، ألا تری أن في الجواهر: لو صلوا في القری، لزمهم أداء الظهر اهـ". شامی: ۱/۵۳۷(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۹ھ۔

## جمعہ فی القری

سوال [۳۷۰۲]: ایک موضع جس کی کل آبادی تقریباً سوا دو ہزار ہے یا کچھ زائد، ایک چھوٹا بازار لگتا

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، رشیدیہ)

(وکذا في الحلبي الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل في صلاۃ الجمعۃ، ص: ۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۵، رشیدیہ)

(۳) (رد المحتار، المصدر السابق)

## ایضاً

سوال[۳۷۰۳]: ہندوستان کے قریب قریب تمام گاؤں میں اہتمام کے ساتھ نماز جمعہ رائج ہے، مگر فتاویٰ امدادیہ کی رو سے ممنوع و ناجائز ہے(۱)، پھر بھی علمائے کرام اس کو جائز کیے ہوئے ہیں اور خود پڑھاتے بھی ہیں، اگر مجھ جیسا انسان منع کرے یا جمعہ کی نماز وہاں ترک کرے تو سبھوں کی نظروں میں ذلیل اور برا سمجھا جائے ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

(الف) اور وہ علماء یا عوام جمعہ کی نماز کو کس مسئلہ کے تحت جائز کیے ہوئے ہیں؟

(ب) اور یہاں کے جن لوگوں نے نماز جمعہ پڑھ لی کیا ان کے ذمہ سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں جمعہ کے شرائط نہ ہوں وہاں جمعہ پڑھنا مسلک حنفیہ کے خلاف ہے، وہاں ظہر پڑھنا

---

= الصدائق". (أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲۳۹/۲، إدارة تاليف اشرفيه ملتان)

"يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح".

(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۳۹/۲، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع، تالیف حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۱) (امداد الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/ ۶۱۷، دار العلوم كراچى)

"أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة، أقام في قباء - وهي قرية قرب المدينة الخ - أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين، - كما في البخاري على نسخها - و وقعت الجمعة في أثنائها و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلى فيها الجمعة، و لم يأمرهم أن يجمعوا فيها ...... فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، معهد الخليل الإسلامي)

ضروری ہے، اگر علماء وہاں جمعہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں، ان کا اس میں اتباع نہیں کرنا چاہئے ، اگر وہاں جمعہ نہ پڑھنے والے کو ذلیل سمجھیں تو سمجھا کریں، کسی کے ذلیل سمجھنے سے کوئی ذلیل نہیں ہوتا، ذلیل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہو(۱)۔

(الف) یہ تو ان سے ہی پوچھنے کی بات ہے۔

(ب) بغیر شرائط کے جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۰۰۵]: استفتاء بخدمت اقدس والا مرتبت جناب مفتی صاحب زید مجدہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امر باعث تصدیع یہ کہ آج کل مختلف دیہات ومضافات میں جانے آنے سے معلوم ہوا کہ دار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور سے قریہ صغیرہ جن کی آبادی ۱۸۰۰/ یا دو ہزار ہو یا کچھ کم وبیش ہو اور نہ وہاں بازار ہوتا ہے نہ ہی روز مرہ کی دیگر ضروریات بسہولت بہم پہونچتی ہیں، لیکن جواز جمعہ کے فتاویٰ صادر ہو رہے ہیں حالانکہ علامہ شامی کی تصریح: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق"(۳) سے صراحۃً بازار کی قید مفہوم ہوتی ہے، ہاں! اگر سوق کے لغوی معنی "جائے فروخت اشیاء" یعنی "دوکان" مراد ہو اور پھر چونکہ أسواق جمع قلت ہے، اس لئے پانچ سات مختلف دوکانوں کے پائے جانے سے بھی اسواق کا مصداق ہونا ہو تو بھی فرمایئے، آخر جب سوق کے معنیٔ لغوی "بازار" بھی ہیں اور متعارف اہل لسان بھی ہیں تو اس کو متروک کیوں قرار دیا؟ حالانکہ اکابر کا طریق بھی اس کے خلاف ہے جن میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب قائل ذکر ہیں۔ حضرت مذکورۃ الصدر کا اقدام "انسداد جمعات في القرى التي

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بيدك الخير، إنك على كل شيء قدير﴾ (آل عمران: ۲۶)

(۲) "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعید)

(۳) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، سعید)

بحسب محاورۂ ما نحن فیہ" معلوم ومشہور ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع اسلام نگر ضلع سہارنپور میں خود تشریف لیجا کر جمعہ بند کرایا حالانکہ وہاں کی آبادی تین ہزار ہے، پانچ مسجدیں ہیں، ہفتہ وار معمولی سی پینٹھ بھی لگتی ہے(۱) لیکن بازار نہیں، یونہی چند مختلف دوکانیں ہیں اور عرف میں سب موضع ورگاؤں کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع کھیسہ فی اسلام پور جس کی آبادی ساڑھے تین ہزار ہے، پندرہ سولہ مختلف دوکانیں ہیں، سات مسجدیں ہیں اقامت جمعہ کی اجازت نہیں فرمائی، پھر یہ کہ حضرت الہیسانی اسلام پور کی بابت آج کل جن دیہات میں قرب جوار ہے ہیں ان سے بہت بلند ہے۔

نیز "ذروا البیع"(۲) بھی قابل غور ہے، چونکہ دیہات میں بیع وشراء نہیں اور گر ہے تو کالعدم، وہ مانع عن السعی نہیں اس لئے یہ اس مقام کے لئے ہوسکتا ہے جس جگہ بازار ہوتا کہ چند دوکانیں بلکہ گاؤں کے لئے تو "ذروا البیع والزراعۃ" مناسب تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ﴿یا ایہا الذین آمنوا﴾ الآیۃ(۳) یہ عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے۔ اور پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قباء میں جمعہ نہیں پڑھا(۴) حالانکہ چودہ یا چوبیس روز آپ کا قیام وہاں رہا۔ نیز ارشاد ہے: "لاجمعۃ ولا تشریق فی القری"(۵) تو یہ دونوں باتیں ان کے مخصوص منہ البعض ہونے کی مؤید ہیں۔ تو اس کی صورت

---

(۱) "پینٹھ: آٹھویں روز کا بازار" (فیروز اللغات تحت اللفظ پیٹھ، ص: ۲۹۲، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)
(وکذا فی فیروز اللغات، ص: ۳۳۳، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور)

(۲) (سورۃ الجمعۃ: ۸)

(۳) (سورۃ الجمعۃ: ۹)

(۴) "أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما ہاجر إلی المدینۃ أقام فی قباء -وہی قریۃ قرب المدینۃ- الخ - أربعۃ عشر یوماً أو أربعۃ وعشرین - کما فی البخاری علی نسختہا - ولعمر الجمعۃ فی کتابہا، لم یثبت أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی فیہا الجمعۃ، ولو یأمرہم أن یجمعوا فیہا الخ" (بذل المجہود، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ فی القری: ۲/۱۰۰، معہد الخلیل الإسلامی کراچی)

(۵) حدیث کی مکمل عبارت اس طرح ہے: "لا جمعۃ ولا تشریق إلا فی مصر جامع" (إعلاء السنن، أبواب الجمعۃ، باب عدم جواز الجمعۃ فی القری: ۸/۱، إدارۃ القرآن کراچی)

وغیرہ شرعی مقاصد ہیں، فرضیت کا مدار کسی ایک پر نہیں، مستقل مقصد عظیم ہے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر و لا تجوز في القرى، اھ".

ہدایہ(۱) "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". کبیری(۲)۔

"وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر" ۔ "بخلاف القرى؛ لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام، شرح المنية. وفي المعراج عن المجتبى: من لا يجب عليه الجمعة لبعد المرضع، صلوا الظهر بجماعة". درمختار و شامی(۳)۔

"و تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. و فيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر و خطيب كما في المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجوهرة: لو صلوا في القرى، لزمهم

---

— قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة في صلاة النهار ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر بالجهرية والسر بالسرية: ۴/۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

"وأما نوافل النهار، فيخفي فيها حتماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الواجبات الصلوة: ۱/۷۲، رشيدية)

"(ويسر في غيرها) .... كمتنفل بالنهار) فإنه يسر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۳۳، سعيد)

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۸، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيدمي لاهور)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

أداء لمظهر، اهـ۔ شامی (۱)۔

دلائل وماخذ کی تفصیل مطلوب ہو تو اوثق العری (۲) القول البدیع (۳) اور بذل المجہود (۴)، اوجز المسالک (۵) اعلاء السنن (۶) وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ مظاہر علوم کا کوئی فتویٰ جواز الجمعة فی القری الصغیرۃ کے متعلق دیکھا ہو تو ضرور ارسال فرمادیں، کیونکہ ہمارے علم میں یہاں سے کوئی ایسا فتویٰ صادر نہیں ہوا۔

مصر اور قصبہ کی تعریف عرفی چیز ہے جو عرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے، نیز اس قدر عام ہے کہ بغیر تعریف کئے بھی عوام اور بے علم آدمی بھی جانتے ہیں کہ فلاں بستی چھوٹا گاؤں ہے اور فلاں بستی قصبہ ہے، اور جو تعریف اس جواب میں بڑے گاؤں کی ذکر کی ہے اس سے مقصود تقریب إلی الفہم کرنا ہے (۷) یہ حد تام نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/رجب/۶۹ھ۔

مظاہر علوم سے جمعہ فی القری کے متعلق فتاویٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ کے مطابق جاتے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشیدیہ)

(۲) (لم أظفر على هذا الكتاب)

(۳) (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع، تأليف: حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۴) (بذل المجهود في حل أبي داود، تأليف: حضرت مولانا خليل أحمد سهارنفوري رحمه الله تعالى، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، امدادیہ ملتان)

(۵) (أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالک، تأليف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية في السفر يوم الجمعة: ۳۳۳/۲، ۳۳۵، إدارة تاليفات أشرفيه ملتان)

(۶) (إعلاء السنن، تأليف العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۲۰۰/۸، إدارة القرآن كراچی)

(۷) "وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر" (الكوكب الدري، باب ما جاء في ترك الجمعة من =

ہیں، مگر کوئی فتویٰ آپ نے دیکھا ہے تو آپ دکھلائیے قیاس سے ایسی بات نہ کہنی چاہیے۔

فقط: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ رجب/ ۶۹ھ۔

## جمعہ فی القریٰ مفصل

سوال [۲۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب۔

المستفتیان: محمد شائق و محمد فائق غفرلہما، ۱۱/ رمضان ۵۳ھ۔

الجواب:

جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "مصفی شرح موطا" میں لکھا ہے: "پس نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر"۔ نیز فرماتے ہیں: "پس بر جمعیکہ بر اجتماع ایشان اسم قریہ اطلاق کرد جمعہ واجب است" (۱)۔

اس پر ہم لوگوں کا عمل ہے، ہم لوگوں کے اکثر مولوی محمد اسماعیل صاحب اپنے موضع تی میں جو نہایت چھوٹا سا گاؤں ہے برابر جمعہ پڑھتے ہیں اور یہی مذہب ہے شوافع اور محدثین کا، جیسا کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ ص: ۱۱۵ میں لکھا ہے (۲)۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿فاسعوا الی ذکر اللہ﴾ (سورۃ جمعہ) چونکہ کلمہ فاسعوا الفاظ عموم سے ہے، ہر مکلف کو یہ حکم ہوتا ہے، ہر مکان، شہر، قصبہ، دیہات وغیرہ

---

= غیر عذر، ص: ۱۴۱، مکتبہ یحیویہ سہارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۳۲۹/۲، خضر راه بكدپو ديوبند)

(۱) (مصفى شرح موطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۳، مكتبه رحيميه منهري مسجد دهلي)

(۲) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ۳۳۵، ادارة اسلاميات لاهور)

میں جہاں ہوں جمعہ پڑھیں، مرقاۃ (۱)۔ حدیث شریف میں ہے "الجمعة حق واجب علی کل مسلم" غلام، عورت، لڑکے، بیمار کو اس حدیث میں مستثنیٰ فرمایا ہے، ابوداؤد شریف (۲)۔

ایک حدیث میں ہے "رواح الجمعة واجب علی کل محتلم"۔ نسائی (۳) ہر مسلمان مرد پر جمعہ واجب ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیہات میں جمعہ پڑھا ہے قریۂ بنی سالم میں، بیہقی میں "وهي قرية بين القبا و المدينة" تصریح ہے (۴)۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی دیہات میں نماز جمعہ پڑھی ہے جواثی میں، بخاری میں ہے "قرية جواثی من البحرين" (۵)۔ ابوداؤد میں تصریح ہے: "قرية من قرى البحرين" (٦)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیہات میں نماز جمعہ برابر پڑھتے رہے ہیں اور اس کا حکم کرتے رہے، بخاری میں ہے (۷)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "زاویہ" میں

---

(۱) لم أجد في المرقاة عبارة "على هذا المعنى"۔ والله اعلم

(۲) "عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الجمعة حق واجبٌ على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض"۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/۱۵۰، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف: ۱/۲۰۳، قديمي)

(۴) لم أظفر به۔۔۔ ۔۔۔ وقد قال: "قلت: في معجم البكري: جواثى مدينة بالبحرين لعبد القيس الخ"۔ (السنن الكبرى مع الجوهر النقي، كتاب الجمعة، باب العدد الخ: ۳/۱۷۶، إدارة تاليفات اشرفيه)

(۵) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين"۔ (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۱/۱۲۲، قديمي)

(٦) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: إن أول جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔۔۔ ۔۔۔ اھ"۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱۶۰، امداديه ملتان)

(۷) "قال يونس: كتب رزيق بن حكيم إلى ابن شهاب وأنا معه يومئذ بوادي القرى: هل ترى أن أجمع؟ ورزيق عامل على أرض يعملها وفيها جماعة من السودان وغيرهم ورزيق يومئذ على أيلة۔۔۔

نماز پڑھا کرتے تھے جمعہ کی، زاویہ شہر بصرہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی بستی ہے، جمعہ وعیدین میں پڑھا کرتے تھے (۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل بحرین کو لکھا: "جمعوا حيثما كنتم" جہاں رہو جمعہ پڑھو دیہات، شہر دونوں کو شامل ہے، فتح الباری (۲)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل میاہ کو اپنی بستیوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور ان پر نکیر نہیں کرتے تھے، تابعین واتباع تابعین وغیرہم بھی دیہات میں جمعہ پڑھتے تھے اور اس کا فتویٰ دیتے تھے، فتح الباری (۳)۔

"لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" قول ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، فتاویٰ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۴)۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے مذہب کے لکھنے کے قابل اصول ہے: "جو حدیثیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں ان سے نسخ قرآن جائز ہے، اس طرح حدیث مشہور سے زیادتی علی الکتاب درست ہے مگر آحاد کے قبیل سے جو حدیثیں ہیں ان سے نسخ قرآن مجید درست ہے اور تخصیص عموم آیات قرآن مجید جائز ہے، تخصیص بھی ایک قسم کا نسخ ہے"۔ بحر الفتن شوق نیموی (۵)۔

---

— فكتب ابن شهاب، وأنا أسمع، يأمره أن يجمع" (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱۲۲، قديمي)

(۱) "وكان أنس رضي الله تعالى عنه في قصره أحياناً يجمع وأحياناً لا يجمع، وهو بالزاوية على فرسخين" (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة: ۱/۱۲۳، قديمي)

(۲) "وعن عمر رضي الله تعالى عنه أنه كتب إلى أهل البحرين: أن جمعوا حيثما كنتم. وهذا يشمل المدن والقرى". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۲/۴۴۰، دار المعرفة بيروت)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: أنه كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون، فلا يعيب عليهم" (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۲/۴۴۰، دار المعرفة)

(۴) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ۳۴۹، إدارة اسلاميات لاهور)

(۵) لم أظفر على هذا الكتاب، وقد ذكر المسئلة الأصوليون بلفظ: "أن النسخ وصف في الحكم بأن —

واضح رہے کہ تمام آیتِ جمعہ سے عورت وغیرہ کا مخصوص ہونا عند الحنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ تسلیم نہیں کرتے، بنابر اصول بالا تخصیص کے لئے بھی خبرِ مشہور کی ضرورت ہے۔ آپ پہلے ان احادیث کو جن میں عورت وغیرہ کا استثناء آیا ہے مشہور ہونا ثابت کریں تب عورت وغیرہ کی تخصیص پر کلام کریں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ عام مخصوص منہ البعض کی تخصیص عند الحنفیہ اخبارِ آحاد سے جائز ہے۔ آثار بھی ہے اور "لا جمعۃ ولا تشریق" (۱) فرمایا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہے کہ شہر کے سوا کسی گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے شہر کے قریب ہو خواہ بعید، گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا۔ عند الحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ منجملہ شرائط کے سلطان کا ہونا بھی ایک شرط ہے، ہدایہ (۲) مگر کسی وجہ سے سلطان کا حاضر ہونا متعذر ہو یا حضرات ان سے معذوری ہو تو یہ شرط بوجہ ضرورت ساقط ہو جاتی ہے عالمگیری (۳)۔

اسی طرح وہ اہلِ قریہ جو بوجہ بُعدِ مسافت شہر میں نماز جمعہ کے واسطے حاضر ہونے سے معذور ہیں، ان سے یہ شرط بوجہ معذوری ساقط ہے، ان لوگوں کو بھی اپنے مقام میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہے (۴) اور اگر

---

= ينسخ عمومه و إطلاقه و يبقى أصله، و ذلك مثل الزيادة على النص، كزيادة المسح الخفين على غسل الرجلين الثابت بالكتاب، فإن الكتاب يقتضي أن يكون الغسل هو الوظيفة للرجلين، سواء كان متخففاً أو لا. و الحديث المشهور نسخ هذا الإطلاق، و قال: إنما الغسل إذا لم يكن لابس الخفين، فلأن صار الغسل بعض الوظيفة، فإنها مسح عندنا . فلا يجوز عندنا إلا بالخبر المتواتر والمشهور كسائر النسخ". (نور الأنوار، مبحث أقسام البيان، أقسام النسخ، ص: ۲۰۲، سعيد)

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "لا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان الخ". (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "و لو تعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي بهم الجمعة، جاز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۶/۱، رشيديه)

(۴) قریہ مذکورہ چار حال سے خالی نہیں، یا تو قریہ صغیرہ ہے یا قریہ کبیرہ، فنائے مصر ہے یا نہیں، پہلی صورت میں نماز جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے، دوسری تیسری اور چوتھی صورت میں مصر یا فنائے مصر کی شرط ساقط نہیں بلکہ یہ تو مصر ہے یا فنائے مصر ہے =

یا "لاجمعہ" میں "لا" نفی کمال کی ہے نفی صحت کی نہیں، یا امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب لے لیں جیسا کہ قلتین کے بارے میں لیا ہے: "خبر القلتین صحیح إسناده ثابت، ولکن ترکناه؛ لأنا لا نعلم ما القلتان"(۱)۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں: أثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح وإسناده ثابت، لکن لا نعلم ما المصر الجامع، لأنہ روی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة علی الشک۔

اور جب اثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واثر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تعارض ہوا تو ہم نے احادیث مرفوعہ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ بجز مریض، مسافر، لڑکے، عورت، غلام ہر مسلمان پر جو بالغ عاقل ہو جمعہ فرض ہے شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا(۲)۔

الجواب صحیح: واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر محمود زاہد الحسن بقلم خود، ۱۳/ رمضان/ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب هو الموفق للصواب

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

جس طرح جمعہ کی فرضیت پر اتفاق ہے اسی طرح اس اصل پر بھی تمام امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ مثل

---

(۱) "قال الحافظ أبو الفضل العراقی فی أماليه: لم يصحح هذا الحديث الجم الغفير من الأئمة الحفاظ: الشافعی وأبو عبيد وأحمد وإسحاق ويحيى بن معين وابن خزيمة والطحاوی الخ.

وقال العلامة ظفر أحمد العثمانی نور الله مرقده قبل ذلك: "وقال الطحاوی: إنما لم نقل به، لأن مقدار القلتين لم يثبت" (إعلاء السنن، أحكام المياه: ۱/ ۲۴۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول "إنما لم نقل به؛ لأن مقدار القلتين لم يثبت" کی طرح مجیب کا قول "أثر علی رضی الله تعالى عنه صحيح، وإسناده ثابت، لكن لا نعلم ما المصر الجامع ...... الخ" صحیح نہیں، کیونکہ قلتین کے بارے میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا تو یہ ہے کہ قلتین کی مقدار میں اختلاف کثیر ہے اور ہر قول ایک احتمال اور حقیقت پر مبنی ہے اور ایک قول دوسرے قول سے احتراز اور اس کی نفی کے لئے ہے اور مصر کے ساتھ "جامع" کی قید اور مدینہ کے ساتھ "عظیمة" کی قید صرف توضیح ہے، کسی دوسری چیز سے احتراز اور اس کی نفی کے لئے نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فضل مولیٰ)

(۲) "عن طارق بن شهاب عن النبی صلی الله تعالى عليه وسلم قال: "الجمعة حق واجب على كل مسلم فی جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبی أو مريض". (سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/ ۱۶۰، مكتبه امداديه ملتان)

اور عام نمازوں کے نہیں کہ آبادی میں یا جنگل میں، جماعت سے یا تنہا ہر طرح پڑھنے سے ادا ہو جائے بلکہ جمعہ کے لئے جماعت بھی شرط ہے اور اقامت کا مقام بھی شرط ہے، جو دوسری عام نمازوں کے لئے شرط نہیں، ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الحادیة والعشرون (من خصائص یوم الجمعة) أن فیه صلوة الجمعة التي خصت من بین سائر الصلوات المفروضة بخصائص لا توجد في غیرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة والاستیطان، اھ" (۱)۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ محدث نے نیل الاوطار میں لکھا ہے: "والثاني (من شروط صحة الجمعة) أن تکون بقریة مبنیة بما جرت به عادة أهلها ولا من قصب، یستوطنها أربعون رجلاً استیطان الإقامة، لا یظعنون عنها" (۲)۔

صاحب قناع شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے: "الأول من شروط الجمعة البلد مصراً کانت أو قریة" (۳)۔

---

(۱) (زاد المعاد لابن القیم، فصل في هدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في تعظیم یوم الجمعة: ۱۵۰، دار الفکر، بیروت)

(وکذا أوجز المسالک شرح موطا إمام مالک، باب ما جاء في الإمام ینزل بقریة یوم الجمعة في السفر: ۲/۳۴۳، إدارۃ تالیفات اشرفیه ملتان)

(۲) "لعل هذه العبارة لیست من نیل الأوطار للشوکاني، لأني تتبعتها في ما عندي من مظانّه ولم أجدها فیه، بل الغالب علی الظن أن هذه العبارة منقولة من نیل المآرب کما صرح به شیخ الحدیث محمد زکریا قدس سره في أوجز المسالک. "ففي نیل المآرب لفقه الحنابلة: لصحة الجمعة أربعة شروط: أحدها الوقت، والثاني أن تکون بقریة مبنیة بما جرت به الخ". (أوجز المسالک، باب ما جاء في الإمام ینزل بقریة یوم الجمعة في السفر: ۲/۳۴۳، إدارۃ تالیفات اشرفیه ملتان)

والقرینة علی أن العبارة المذکورة لیست من نیل الأوطار هي أن العبارات التي ذکرها المفتي محمود حسن الگنگوهي قدس سره سیاقاً وسباقاً من أوجز المسالک، والعبارة المذکورة أیضاً مرقومة في الأوجز کما تری.

(۳) (أوجز المسالک شرح موطا إمام مالک، باب ما جاء في الإمام ینزل بقریة یوم الجمعة في السفر: =

فقہ مالکیہ کی مختصر الخلیل میں ہے: "شرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت الظهر باستيطان بلد أو خصاص لا خيم وبجامع مبني متحد، الخ"(۱) یہ علی حدیث اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔

حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک: "لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر".

ہدایہ(۲) وغیرہ کتب میں مشہور ومعروف ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ "حجة الله البالغة" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وقد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وخلفاؤه وأصحابه رضي الله تعالى عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالى يجمعون في البلدان، ولا يؤاخذون أهل البدو، بل ولا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرناً بعد قرن عصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن. أقول: وذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد، وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة"(۳)۔

یعنی جمعہ کے لئے ایک قسم کی شہریت اور جماعت بالاتفاق شرط ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء اور مجتہدین نے بلدان میں جمعہ قائم کیا ہے، بوادی میں قائم نہیں کیا، جس سے ہر زمانہ کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن شرط ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی حقیقت اشاعت الدین فی البلدان ہے، لہٰذا جماعت اور تمدن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی میدان اور جنگل میں آبادی سے دور جمعہ جائز نہیں ہے: "لا تقام الجمعة في المفازة

---

=۲/۲۳۵، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۱) (أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۵۴، إدارة تاليفات، ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، رشيديه)

(۳) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة: نصب الجمعة في البلدان: ۲/۸۶، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۳، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

عند الأربعة" عینی (۱)۔

آیت ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ کی تخصیص یا تقیید حنفیہ خبر واحد سے نہیں کرتے، بلکہ اس کے عام مخصوص البعض ہونے پر اس کے خلاف اجماع سے استدلال کرتے ہیں، فلا اشکال۔

"الإجماع يخصص القرآن كتنصيف حد القذف على العبد، فإن الكتاب عامٌ للأحرار والعبيد، وكتخصيص الإجماع السكوتي على نزح ماء زمزم حين وقع الزنجي حديث: "إن الماء طهورٌ لا ينجسه شيء" - رواه الترمذي (۲)- بالغدير العظيم. و تفصيله في فتح القدير و شرح سفر السعادة.

والتحقيق أن الإجماع ليس مخصصاً حقيقةً وأنه يتضمن وجود المخصص ولو بالقياس لعدم اعتباره من وحي والتخصيص بعده كما لو علموا بخلاف النص الخاص، فإنه إجماعٌ رافعٌ لحكم النص لتضمنه ناسخاً؛ لأن الإجماع لا يكون على الخطأ، فالفرق بين التخصيص والنسخ به بأن الأول جائز دون الثاني، كما وقع عن أهل الأصول لا يعود إلى أمر معنوي، فإن الإجماع نفسه ليس بمخصص ولا ناسخ حقيقةً، و باعتبار التضمن مخصصٌ وناسخٌ، فإطلاق التخصيص باعتبار التضمن، وفي النسخ اعتبروا الحقيقة كما في شرح المختصر، الخ". فواتح الرحموت (۳)۔

---

(۱) (البناية للعيني، كتاب الصلاة، باب الجمعة، تحت عبارة الهداية: "و لا تجب الجمعة على مسافر و لا امرأة و لا مريض الخ": ۱/۱۰۰۰، ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار فیصل آباد)

(وكذا في أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل يوم الجمعة الخ: ۲/۳۳۳، إدارة تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۲) الحديث بتمامه: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله أنتوضأ من بئر بضاعة و هي بئر يلقى فيها الحيض و لحوم الكلاب و النتن؟ فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الماء طهور لا ينجسه شيء". (جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء طهور لا ينجسه شيء: ۱/۲۱، قديمي)

(۳) (فواتح الرحموت للعلامة عبد العلي الهندي، التخصيصات، الرابع، الصفة، مسألة: الإجماع =

اگر یہ آیت اپنے اطلاق وعموم پر ہوتی تو چاہئے کہ ہر جگہ کی فرضیت واقامت کا حکم پایا جاوے "وهو خلاف الإجماع" کما مر آنفاً، بلکہ جس طرح اس سے بعض نماز پڑھنے والوں عورت، مسافر، مریض وغیرہ کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے، اسی طرح قریٰ میں جمعہ کو بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔

"إن قوله تعالیٰ: ﴿فاسعوا إلی ذکر الله﴾ لیس علی إطلاقه اتفاقاً بین الأمة، إذ لا یجوز إقامتها فی البراری إجماعاً [illegible] قطع للشغب". فتح القدیر (۱)۔

قال أبوبکر الرازی فی کتابه: "الأحکام" اتفق فقهاء الأمصار علی أن الجمعة مخصوصة بموضع، لا یجوز فعلها فی غیره، لأنهم مجمعون علی أن الجمعة لا تجوز فی البوادی ومناهل الأعراب اهـ" (۲)۔

جب یہ آیت بالاتفاق اپنے اطلاق پر نہیں ہے تو روایات: "الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة" (۳) اور "رواح الجمعة واجب علی کل محتلم" (۴) کیسے اپنے اطلاق پر رہ سکتی ہے، عبید وغیرہ چار کو "ابوداؤد شریف" میں مستثنیٰ کیا ہے۔ اہل بادیہ کے استثناء کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: "[illegible] الجمعة لا جمعة [illegible] منهم فی البادیة" (۵)۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان اہل بحرین کو: "جمعوا حیثما کنتم" (۶) کسی طرح بھی تائید کے قابل استدلال نہیں۔

---

= تخصیص القرآن والسنة [illegible] ۲۸۹/۳، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۱) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/ ۵۱، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وکذا فی أوجز المسالک، باب ما جاء فی الإمام ینزل بقریة یوم الجمعة فی السفر: ۲/ ۲۳۴، إدارة تالیفات أشرفیة، ملتان)

(۲) (أحکام القرآن للجصاص، ب ۲۸، سورة الجمعة، فصل: ۳/ ۲۹۰، قدیمی)

(۳) (سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/ [illegible]، إمدادیة، ملتان)

(۴) (سنن النسائی، کتاب الجمعة، باب التشدید فی التخلف: ۱/ [illegible]، قدیمی)

(۵) (حجة الله البالغة، کتاب الصلاة، الجمعة، نحو الجمعة فی البلدان: ۲/ ۲۷، قدیمی)

(۶) (فتح الباری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری: ۲/ ۳۸۰، دار المعرفة، بیروت)

جب یہ امر مسلّم ہوگیا کہ جمعہ کے لئے کچھ نہ کچھ تمدن سب کے نزدیک ضروری ہے تو اصل مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں اور اختلاف ہے تو اس کی تحدید و تعریف میں ہے جس ہر مجتہد نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق اپنے زمانے کے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے تمدن کی تحدید و تعریف کی اور چونکہ تعریف عرف کے اعتبار سے تھی اس لئے عرف کے بدلنے کی وجہ سے تعریف بھی بدلتی رہی، جو ہم شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان فرمودہ تحقیق جمعہ کے مطابق جس کو صاحب بدائع وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے، حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحدید و تعریف تمدن اَنسب واَلیق ہے۔ بدائع صنائع میں ہے:

"ولنا ما روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" وعن علي رضي الله تعالى عنه: "لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع"۔

"وكذا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يقيم الجمعة بالمدينة وما روي الإقامة حولها. وكذا الصحابة رضي الله تعالى عنهم فتحوا البلاد، وما نصبوا المنابر إلا في الأمصار، فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصر شرط، ولأن الظهر فريضة فلا يترك إلا بنص قاطع، والنص ورد بتركها إلا الجمعة في الأمصار، ولهذا لا تؤدى الجمعة في البراري، ولأن الجمعة من أعظم الشعائر فتختص بمكان إظهار الشعائر، وهو المصر اهـ"(۱)۔

حنفیہ کی کتب میں مصر کی تعریف مختلف ملتی ہے، اس کا منشا بھی یہی ہے جس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مصر کی تعریف امام اعظم سے مروی ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، وأما شرائط الجمعة: ۱/۵۸۳، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۴۰۲، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۳۵، ۲۳۶، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

البوادی؛ لأنها ليست بمصر، وجب مثله في السواد. وروي أنه قيل للحسن: إن الحجاج أقام الجمعة بالأهواز فقال: لعن الله الحجاج يترك الجمعة في الأمصار ويقيمها في حلاقيم البلاد، اهـ". أحكام القرآن (۱)۔

"عن حذيفة رضي الله تعالى عنه: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدينة، اهـ". عینی (۲)۔

"لاجمعة ولا تشريق" موقوفاً ومرفوعاً دونوں طرح مروی ہے اور جب کہ مرفوعاً ثابت ہے تو اس کا موقوف ہونا کچھ مضر نہیں، نیز ما لا يعرف بالرأي عن الصحابي باتفاق ائمہ مرفوع کے حکم میں ہے:

"من المرجحات لقول الحنفية قوله عليه السلام: "لا جمعة ولا تشريق، الخ" الحديث المشهور ذكره أبو يوسف في الأمالي مسنداً مرفوعاً، وهو إمام في الحديث والفقه، فلا يضره وقف من وقفه؛ إذ هو من شيوخ مشايخ البخاري. وقال العيني في شرح البخاري: إن أبا زيد زعم في الأسرار أن محمد بن الحسن رحمه الله تعالى قال: رواه مرفوعاً معاذ وسراقة ابن مالك رضي الله تعالى عنهما، اهـ قال العيني: والإثبات مقدم على النفي، ولو سلّم فرضاً صحة وقفه وهو لا يدرك بالقياس، وأجمعت أئمة أصول الحديث أن ما لا يدرك بالرأي في حكم المرفوع، ففي آثار السنن عن شرح ألفية العراقي: وما جاء عن الصحابي موقوفاً عليه ومثله لا يقال من قبل الرأي: حكمه حكم المرفوع، كذا قال الرازي في المحصول. وعن تدريب السيوطي: ومن المرفوع أيضاً ما جاء من الصحابي ومثله لا يقال بالرأي: ولا مجال للاجتهاد فيه، فيحمل على السماع، جزم به الرازي وغير واحد من أئمة الحديث انتهى". أوجز (۳)۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة، ب: ۲۸، فصل: ۳/۶۲۴، قديمي)

(۲) (أخرجه العلامة العيني في شرحه البناية على الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۸۴۱، ملک سنز فیصل آباد)

(۳) (أوجز المسالک شرح مؤطا إمام مالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۳۳۵، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جو آبادی شہر ہے، گاؤں نہیں ہے، لفظ "قریہ" سے اشتباہ ہوتا ہے، نیز قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم﴾ الآية. قال القاضي البيضاوي في تفسيره: "من إحدى القريتين مكة والطائف"(۱)۔ وقال الله تعالى: ﴿واسئل القرية التي كنا فيها﴾ الآية. قال القاضي: "يعني مصر، وقرية بقربها"(۲)۔

وقال الله تعالى: ﴿واضرب لهم مثلا أصحاب القرية﴾ الآية، قال المحلي: "أي أنطاكية"(۳)۔

﴿إن الملوك إذا دخلوا قرية أفسدوها﴾(۴)، ﴿وكأين من قرية هي أشد قوة من قريتك التي أخرجتك﴾ الآية (۵) وغير ذلك۔

قاموس میں ہے: "القرية: المصر الجامع"(۶) اور قریہ کا اطلاق گاؤں پر بھی ہوتا ہے، جس روایت میں آتا ہے کہ "قریہ میں جمعہ نہیں" وہاں قریہ سے مراد گاؤں ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر عینی شرح بخاری سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ: "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل

---

= مدينة بالبحرين لعبد القيس. وفي عمدة القاري: حكى ابن التين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة. وفي الصحاح للجوهري والبلدان للزمخشري: حصن بالبحرين. وقال أبو عبيد البكري: مدينة بالبحرين. انتهى". (أوجز المسالك شرح موطأ الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲۳۸/۲، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۱) (تفسير البيضاوي، (سورة الزخرف، پ: ۲۵، آية: ۳۱): ۳۸۸/۲)

(۲) (تفسير البيضاوي، (سورة يوسف، پ: ۱۳، آية: ۸۲): ۲۰۹/۱)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) (سورة النمل، پ: ۱۹، آيت: ۳۴)

(۵) (سورة محمد، پ: ۲۶، آيت: ۱۳)

(۶) (وبه صرح أهل اللغة في القاموس: "القرية: المصر الجامع". (أوجز المسالك شرح موطأ الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲۴۷/۲، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

الأمصار مثل المدينة"(۱)۔

مصر کے مقابلہ میں "قریٰ" کا لفظ مشہور محاورہ ہے اس پر کہ قریہ سے مراد گاؤں ہے اور جس جگہ آتا ہے کہ قریہ میں جمعہ پڑھا گیا یا اہل قریہ سے مراد شہر ہے جیسا کہ جواثی کے متعلق مختلف عبارات سے واضح کر دیا گیا۔

"زاویہ" اور "سالم" کے متعلق کوئی نقل صحیح نہیں ہے کہ وہ گاؤں ہیں، پھر یہ کہ جمعہ فرض ہوئے مدت گزر چکی تھی اور اسلام کی بہت کچھ اشاعت ہو چکی تھی۔ کما لا یخفی علی أهل العلم۔ تو مدینہ منورہ کے علاوہ سب سے پہلا جمعہ "جواثی" میں کیوں ہوا، دوسرے دیہات میں کیوں نہیں پڑھا گیا(۲)۔

جو بڑا گاؤں ہے کہ اپنی آبادی اور ضروریات کے لحاظ سے شہر کے مثل ہے وہ شہر ہی کے حکم میں ہے، اس کے مقابلے میں معمولی اور چھوٹے گاؤں کو جو آبادی اور ضروریات زندگی کے لحاظ سے بالکل ادنیٰ درجہ کا ہو مصر کہنا قرین دانشمندی نہیں، فنائے مصر درحقیقت مصر کی طرح مصر سے متعلق ہیں، لہٰذا وہاں بھی جمعہ مثل شہر کے درست ہے۔ اگر سلطان یا نائب سلطان وہاں موجود نہ ہو، یا موت سلطان کی وجہ سے متعذر ہو تو اتفاق کر کے کسی صالح شخص کو امام بنا لیا جائے گا اور وہ نماز پڑھائے گا تب صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کی اصل موجود ہے

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ في شرح البخاري للعيني، ولكن أخرجه في شرح الهداية، كما صرح به شيخ الحديث رحمه الله تعالى في أوجز المسالك: "قال العيني في شرح الهداية: وعن حذيفة رضي الله تعالى عنه الخ". (باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية ...: ۲/۳۴۶، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(وأخرجه العلامة العيني في البناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۹۸۲، ملك سنز فيصل آباد)

(ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، (رقم الحديث: ۵۰۵۹): ۱/۴۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وعلى قول الواقدي: إن قدومهم كان سنة ثمان قبل فتح مكة، وفي أثناء هذه المدة كان الإسلام قد انتشر في أكثر القرى، وكثير من أهلها لا يشهدون الجمعة بالمدينة، ولو كانت الجمعة جائزة في القرى، لأقيمت في قريتهم قبل جواثى. انتهى". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي)

(وكذا في أوجز المسالك شرح مؤطا الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۳۴۷، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

"وإذا لم يمكن استيذان السلطان لموته أو فتنة واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة، كما صلى علي رضي الله عنه في محاصرة عثمان رضي الله تعالى عنه". طحطاوی علی مراقی الفلاح(۱)۔

اور گاؤں کے لوگ اگر جمعہ پڑھنے کو شہر میں حاضر نہ ہوں تو ان کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہیے کیونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں(۲)، اگر شہر میں آجاتے تو جمعہ فرض ہوجاتا اور دیہات میں رہتے ہوئے ان پر جمعہ فرض نہیں، كما في رد المحتار (۳) وغيره من كتب الفقه۔ اگر وہ گاؤں میں جمعہ پڑھیں گے تو اس میں چند قسم کی خرابی ہے، فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا(۴)، جس کو نماز جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نفل ہوگی اور نفل کی جماعت بھی بجز چند کے ممنوع ہے(۵) اور نفل نہاری میں قرأت بالجہر بھی منع ہے(۶) اور گاؤں میں

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۰۷، قديمی)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۶/۱۹۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "من لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(۳) "وإن دخل القروي المصر يوم الجمعة، فإن نوى المكث إلى وقتها لزمته، وإن نوى الخروج قبل دخوله لا تلزمه، وإن نواه بعد دخول وقتها لزمته". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۳، سعيد)

(۴) "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۵) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

"التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(۶) "عن يحيى بن أبي كثير، قال: قالوا: يا رسول الله! إن قوماً يجهرون بالقراءة بالنهار، فقال: ارموهم بالبعر". قال الشيخ ظفر العثماني رحمه الله تعالى: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة في صلاة النهار ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر في الجهرية والسر في السرية: ۳/۹، إدارة القرآن، كراچی) =

رہتے ہوئے ان پر جمعہ کو فرض کہنا اور پھر گاؤں میں جمعہ کا حکم کرنا بے اصل ہے، اس لئے درست نہیں (۱)۔

"لا جمعۃ" میں "لا" نفی کمال کا نہیں لے سکتے کیونکہ عبارات بالا سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہی نہیں، اگر جمعہ خلافِ اولیٰ ہوتا تو یہ احتمال تھا، نیز قائل بالفصل کوئی نہیں جن کے نزدیک جائز ہے، شہر اور گاؤں دونوں میں کمال کے ساتھ ہے جو منع کرتے ہیں، گاؤں میں بالکل منع کرتے ہیں۔ مصر کی تعریف معلوم ہونے کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب پر قیاس کرتے ہوئے جواب دینا قیاس مع الفارق ہے، والبسط في بذل المجهود في حل أبي داؤد (۲) وأوجز المسالك

---

= "وأما نوافل النهار، فيخفي فيها حتماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشيدية)

(۱) "الكلام من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً كما صرح به ملا علي القاري في شرح مشكوة المصابيح والحصكفي في الدر المختار وغيره". (مجموعة الرسائل للشيخ عبد الحي اللكنوي رحمه الله تعالى، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۲، إدارة القرآن كراچي)

"قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۳/۳۱، رشيدية)

(۲) "الثالث. وأصرح من ذلك أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قباء أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين - كما في البخاري على نسخها - ووقعت الجمعة في أثنائها، ولم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمعوا فيها. وسار يوم الجمعة يريد المدينة، فجمع في مسجد بني سالم بن عوف بن عمرو بن عوف من الخزرج - وهي محلة من المدينة - فكانت أول جمعة جمعت في الإسلام. فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى ولم يأمر بها فيه، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة الخ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

الیٰ دولۃ بہاء مالک (۱) و"احسن القریٰ" وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/ربیع الثانی/۵۷ھ۔

الجواب صحيح، وهذا الكلام إذا كان السائل والمجيب غير مقلد للإمام الهمام، وأما إذا كان كل منهما مقلداً له، فلا مساغ للمقلد للاجتهاد وترك ظاهر الرواية، لا سيما في هذا الزمان. والله أعلم. العبد الأحقر إلى الله الصمد سعيد أحمد الأجراروي المفتي بمأمورية الإفتاء بمدرسة مظاهر علوم سهارنپور، ۳۰/ربیع الثانی/۱۳۵۷ھ۔

## گاؤں میں نمازِ جمعہ، فنائے شہر اور اس کی حد

سوال [۲۰۳۲]: ایک ایسی جگہ جہاں بازار ہوتا ہے، خانہ آبادی تقریباً تین چار ہزار ہے، آیا اس کو شہر کہہ سکتے ہیں، نیز ایسی جگہ جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہاں جمعہ قائم کر سکتے ہوں تو اس کے قریب وجوار کے لوگ وہاں جمعہ پڑھنے آویں ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں، یہ لوگ فنائے شہر میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ فنائے شہر کس کو کہتے ہیں، اس کی حد شہر سے کہاں تک ہوتی ہے؟

اظہار الدین فیض آبادی۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. أخرج بسنده عن هشام عن الحسن (البصري) و(محمد ابن سيرين) أنهما قالا: الجمعة في الأمصار. وأخرج عن الحسن أيضاً أنه سئل على أهل الأبلة جمعة؟ قال: لا. وأخرج عن أبي بكر بن محمد أنه أرسل إلى ذي الحليفة: لا تجمعوا بها، وأن تدخلوا إلى المسجد مسجد الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم ... فهذه الآثار صريحة فيما قاله الحنفية، وقد ورد بطرق عديدة مرفوعة وموقوفة الخ". (أوجز المسالك، ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۳۶، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ، اردو) تصنیف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی شہر کے حکم میں ہے، لہٰذا جمعہ واجب ہوگا۔ فناء شہر کی تعریف یہ ہے: "الفناء ما حوله اتصل به أو لا لأجل مصالح كدفن الموتى وركض الخيل، والمختار للفتوى تقديره بفرسخ"۔ در مختار: ۱/۳۷۸ (۱)۔ لہٰذا اس حد کے اندر رہنے والوں کو جمعہ کے لئے حاضر ہونا چاہئے اور فنائے شہر کی حد میں فقہاء کے آٹھ قول ہیں اور مفتی بہ قول علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرسخ (تین میل) نقل کیا ہے، والبسط فی رد المحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۵/۲/۹۵ھ۔

## گاؤں میں نماز جمعہ

سوال [۳۷۰۸]: موضع شیخ پورہ جس کی مردم شماری ۱۰۴۰ کی ہے، اس میں قصاب، عطار، موچی، حلوائی، پنواڑی، پرچون، بزازی کی دکانیں بھی ہیں، ایک حکیم بھی ہے، مسلمان زیادہ ہیں، سب قسم کی اقوام آباد ہیں۔ موضع مذکور میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

عبداللہ خان نور والے۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

"(والفناء) بكسر الفاء (وهو ما حوله) اتصل به أو لا ... (لأجل مصالحه) كدفن الموتى وركض الخيل، والمختار للفتوى تقديره بفرسخ، ذكره الولوالجي". (الدر المختار).

"(قوله: والمختار للفتوى الخ) اعلم أن المحققين أهل الترجيح أطلقوا الفناء عن تقديره بمسافة، وكذا محرر المذهب الإمام محمد، وبعضهم قدره بها. وجملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان. والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره ... لا التحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر، فقد نص الأئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتى وحوائج المصر الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی وبازار وغیرہ ضروریات کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو، ہونا ضروری ہے، اس کی آبادی کم از کم تین چار ہزار ہونا چاہئے، لہٰذا موضع مذکورہ میں جس کی آبادی صرف ایک ہزار ہے جمعہ درست نہیں، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہئے۔

"لا تصح الجمعة إلا في مصر أو في فناء المصر، ولا تجوز في القرى". هدایہ، ص: ۱/۱۴۸ (۱) "ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة". عالمگیری: ۱/۱۴۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ایضاً

سوال [۲۷۰۹]: زید کہتا ہے کہ قریہ میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف وحدیث شریف وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کیا ہے اور اسی پر سے دیوبند کا عمل ہے۔

بکر کہتا ہے کہ قریہ میں نماز جمعہ کو ناجائز کہنے والا اور کرنے والا ایسا ہو جائے گا مثل فرعون وہامان کے، بلکہ وہ شخص ملعون ومردود ہے جیسے ابی بن خلف رئیس المنافقین۔ یہ تمام الفاظ بکر کے ہیں، لہٰذا زید کا کہنا

---

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۴۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

"عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، مكتبه رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

"من لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۹، رشيديه)

قرآن شریف وحدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وائمہ کے اقوال سے ثابت فرما کر بکری دس قسم کی بکواس کے مصداق کون ہوئے، اس کو شرعاً کیا کہا جائے گا؟

بکر کا کہنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل پیش کرو کہ آپ رقیہ میں گئے اور نماز جمعہ نہیں پڑھا۔ مدلل ومفصل بیان کرکے عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص گاؤں میں جمعہ کی فرضیت کا قائل ہے اس کے ذمہ دلیل ہے، منکر کے ذمہ دلیل نہیں، لأن البینة علی المدعی (۱)، تاہم ائمہ کے قول کا منشاء امور ذیل ہیں۔

۱ "عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه قال: "لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع، الخ". کتاب الآثار لأبی یوسف، ص: ۶۰ (۲)۔

یہ حدیث مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح مروی ہے، چنانچہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر ص: ۴۰۴، میں ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق سے اس کی روایت اور ابن حزم سے اس کی تصحیح نقل کی ہے (۳)۔

حافظ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "أن أبا زید زعم فی الأسرار أن محمد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ و سراقة بن مالك" (٤)۔

---

(۱) الحدیث بتمامه: "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال فی خطبته: "البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه". (جامع الترمذی، أبواب الأحکام، باب ما جاء أن البینة علی المدعی الخ: ۱/۲۴۹، سعید)

(۲) (أخرجه الإمام أبو یوسف فی کتاب الآثار، فی باب صلاة العیدین، رقم الحدیث: ۲۹۲، ص: ۶۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "وإنما رواه ابن أبی شیبة موقوفاً علی علی رضی الله تعالیٰ عنه: "لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة". صححه ابن حزم، ورواه عبد الرزاق من حدیث عبد الرحمن . . . وکفی بقول علی رضی الله تعالیٰ عنه قدوة". (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة. ۲/۵۱، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۴) (عمدة القاری، کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القری والمدن: ۶/۱۸۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ درایہ میں اس کے متعلق کہتے ہیں: "اسنادہ صحیح"۔ جمعہ کا مکہ معظمہ میں فرض ہونا تو جیسے کہ سیوطی نے اتقان اور ضوء الشمعہ میں اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اور ابن حجر مکی نے شرح منہاج میں تصریح کی ہے(۱)۔

۲۔ اور مکہ معظمہ میں اس کے ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ قدرت نہیں تھی پھر بوقت ہجرت چودہ روز یا چوبیس روز جیسا کہ بخاری میں ہے آپ نے بنی عمرو بن عوف میں قیام کیا اور وہاں جمعہ نہیں پڑھا نہ دوسروں کو حکم فرمایا ادائے جمعہ کا۔

۳۔ حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز عرفات میں قیام کیا اور وہاں جمعہ نہیں پڑھا ظہر کی نماز ادا فرمائی، صرح بہ مسلم(۲)۔

۴۔ مولانا ابوبکر جصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں: "واتفق فقہاء الامصار علی ان الجمعۃ

---

(۱) قلت: قال الحافظ في الدراية: روى عبد الرزاق عن علي رضي الله تعالى عنه: "لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" وإسناده صحيح. قلت: لأن الجمعة فرضت بمكة قبل نزول سورة الجمعة على ما قاله الشيخ أبو حامد، والعلامة السيوطي في "الإتقان" وفي رسالته "ضوء الشمعة" والشيخ ابن حجر المكي في "شرح المنهاج" والشوكاني في "النيل" وهو الأصح، خلافاً للحافظ ابن حجر، ولم يتمكن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من إقامتها بمكة، فصلى أول جمعة بالمدينة حين قدم. والصريح من ذلك أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة، قال ياقوت بن عبد الله في معجم البلدان: "قبا" أصله اسم بئر هناك، عرفت القرية بها، وهي مساكن بني عمرو بن عوف- أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين -كما في البخاري على اختلاف نسخه- وقامت الجمعة في أثنائها ولم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلى فيه الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمعوا فيها. اهـ" (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى ٢/٢٠٤، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

(۲) فسار رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حتى أتى عرفة ثم أذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر... الخ (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ١/٣٩٧، قديمي)

مخصوصة بموضع، لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الأعراب اهـ"(۱)۔

۵... شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: "وقد تلقت الأمة طبقاً عن طبقة من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وخلفاؤه وأصحابه والأئمة المجتهدون يجمعون في البلدان، ولا يؤاخذون أهل البدو، بل لا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرناً بعد قرن وعصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن. أقول: وذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد وجب أن ينظر إلى جماعة وتمدن اهـ"(۲)۔

بکر کو چاہیے کہ اپنے دعویٰ پر دلائل پیش کرے، پھر دلائل مذکورہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و عمل، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل، ائمہ مجتہدین کے عمل اور اجماع کا جواب دے اور گالیاں دینے اور طعن کرنے سے اجتناب کرے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق عليه(۳)۔ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"(۴)۔ "سباب المسلم

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، فصل سورة الجمعة: ۳/[illegible]، قديمي)

(۲) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، باب الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۲/[illegible]، قديمي)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/[illegible]، قديمي)

(۴) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون الخ: ۱/[illegible]، قديمي)

وفي باب: أي الإسلام أفضل، والحديث بتمامه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" وبلفظ آخر: أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أي الإسلام أفضل؟ قال: "من سلم المسلمون من لسانه ويده". (الصحيح لمسلم، باب بيان تفاضل الإسلام الخ: ۱/۴۸، قديمي)

فسوق"(۱)۔ "إن اللعانين لا يكونون شهداء ولا شفعاء يوم القيامة"(۲)۔ "ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذيء"(۳)۔

"إن العبد إذا لعن شيئاً صعدت اللعنة إلى السماء فتغلق أبواب السماء دونها ثم تهبط إلى الأرض فتغلق أبوابها دونها، ثم تأخذ يميناً وشمالاً، فإذا لم تجد مساغاً رجعت إلى الذي لعن، فإن كان لذلك أهلاً وإلا رجعت إلى قائلها"۔ مشکوۃ شریف(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

## ایضاً

سوال [۱۰۲۱]: ایک بستی کی آبادی تقریباً تین ہزار ہوگی، جس کی نوعیت ایسی ہے کہ اکثر مکانات اور گلی کوچے پختہ ہیں، دو کالونیاں بستی سے بھی ملی ہیں اور ایک مرکزی دینی مدرسہ بھی ہے، دو مساجد ہیں، ہندی اسکول بھی ہے، ضرورت کی تمام اشیاء روز مرہ کی ضروریات مل جاتی ہیں، گوشت کی بھی چار پانچ دوکانیں ہیں اور قربانی بھی یہاں ہوتی ہے، ڈاک کا بھی صحیح انتظام ہے، بستی سے جنوب کی طرف میرٹھ روڈ پر بذریعہ بس

(۱) الحديث بتمامه: "أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر".

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله وهو لا يشعر: ۱/۱۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر": ۱/۵۸، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها: ۲/۳۲۴، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان الخ: ۲/۴۱۳، قديمي)

(۳) (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

(۴) (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في اللعن: ۲/۳۲۴، دار الحديث ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۲/۴۱۳، قديمي)

اور دیگر اطراف کا سفر بسہولت ہو جاتا ہے، بس یہاں آ کر رات کو بھی رکتی ہیں ان کے کھانے اور قیام کا بھی انتظام ہے۔ غرض! اس طرح ہے کہ اگر یہ تمام دوکانیں یکجا طور پر ہوں تو بازار کی صورت ہو جائے، اب یہ دوکانیں سب منتشر اور جدا ہیں اس بستی میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟

۲…بعض علماء جو کہ یہاں آتے بھی رہتے ہیں مگر وہ جمعہ نہیں پڑھتے عدم جواز کے قائل ہیں اور بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں جواز کے قائل ہیں اور یہاں کے تمام مدرسین بھی جو کہ علماء بھی ہیں جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

۳…بعض علماء بعض جگہوں پر عدم جواز جمعہ کو سمجھتے ہوئے قائل ہیں مگر پھر بھی جمعہ پڑھتے ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں جب ان سے سوال ہوتا ہے کہ آپ تو عدم جواز کے قائل ہیں، پھر کیوں پڑھتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ میں نہ تو مجتہد ہوں نہ مفتی، مجھے اپنے قول پر عمل کرنے کے بجائے مفتیان میں سے کسی کے قول پر بھی عمل کرنا درست ہے، تو کیا یہ درست ہے؟

**نوٹ:** جیسا کہ فی زمانا مسئلہ جمعہ فی القریٰ کے متعلق کافی خلفشار و انتشار ہو رہا ہے اگر آپ جیسی شخصیت مظاہر علوم و دار العلوم کے مفتیان کرام و اہل فتاویٰ نویسوں کے اجماع و اتفاق سے اس مسئلہ کو شائع کر دیں جس میں قریہ کبیرہ و رستاق کے مصداق جو مطلوب صحیح ہو واضح ترفرما کر تحریر فرمائیں تو یہ افراط و تفریط ختم ہو جائے جو کہ ہو رہی ہے۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

۱…تحریر سوال سے تو ظاہر ہے کہ یہ مقام قریہ کبیرہ ہے یہاں جمعہ کی اجازت ہے(۱)، احتیاطاً کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرا دیں جس کو فقہ اور فتاویٰ میں تجربہ اور بصیرت ہو پھر وہاں کے سب حالات دیکھ کر جو

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: "لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن کراچی)

"عن أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکک و أسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعید)

چکیاں آٹا پیسنے والی بھی ہیں، ایسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں، اور اگر نماز جمعہ پڑھ لے تو ظہر کا فرض اتر جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس بستی کا معائنہ کرا دیا جائے وہاں کے حالات دیکھ کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## چار ہزار والی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۱۲۱۰]: موضع کبیر وہ حسنائی مرحوم شاہ کی جو ہرتر ہے اور مختلف قسم کی تیرہ معمولی دکانیں: لوہار، بڑھئی، سنار، کمہار، عطار وغیرہ کی ہیں، ڈاکخانہ بھی ہے۔ یہاں تقریباً چالیس سال سے جمعہ پڑھا جا رہا ہے مگر پہلے سے اختلاف بھی چلا آرہا ہے۔ چار مسجدیں ہیں اور ایک عیدگاہ بھی ہے۔ یہ بستی نہ قصبہ ہے اور نہ شہر قصبہ ہے، مکانات کچے اور پکے ملے جلے طریقہ پر ہیں مگر کثرت کچے مکانوں کی ہے۔ مذکورہ حالات میں جب کہ حنفیہ کے نزدیک مصر اور شہریت جواز جمعہ کے لئے شرط واقع ہے تو مذکورہ بستی اپنی نوعیت میں شہریت حکمیہ کی حامل عند الشرع ہے یا نہیں؟

عام طور پر جمعہ کے بارے میں ایسی بستیوں سے متعلق شامی وغیرہ کی عبارت ذیل یا اس کے مثل تحریر کردی جاتی ہے: "وتجوز في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق الخ"(۱)۔ مگر اس عبارت "والقرى الكبيرة الخ" کو حضرت تھانوی قدس سرہ قصبات کا بیان قرار دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے۔ اس بارے میں آپ کے نزدیک قول فیصل اور راجح واقوی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ نماز جمعہ کا حال اور نماز پنجگانہ کی طرح نہیں کہ جب بھی اور جہاں بھی (آبادی، صحرا، کشتی میں) اور جیسے بھی (تنہا، جماعت سے) پڑھی جائے تو درست ہو کر فریضہ ذمہ سے ساقط

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۸، سعید)

ہو جایا کرے، حافظ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۱)۔

نماز جمعہ کے لئے کچھ خصوصیات وشرائط ہیں ان میں سے ایک شرط "مصریت" بھی ہے(۲) مصریت کی تعریف جو کی جاتی ہے وہ حد حقیقی نہیں کہ (جنس وفصل سے مرکب ہو کر اجزائے حقیقیہ پر مشتمل ہو) جب کہ وہ تعریف محض علامت کے طور پر ہے اور علامات عرف کے بدلنے سے بکثرت بدلتی رہتی ہیں (۳)، قدر مشترک کے طور پر سب تعریفوں میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ اس جگہ "مدنیت" ہو جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں بیان فرمایا ہے(۴)۔

مردم شماری کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، حتی کہ زیلعی شرح کنز میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دس ہزار مردم شماری ہو(۵)۔

---

(۱) "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها في غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لاتجوز في البوادي ومناهل الأعراب". (أحكام القرآن للجصاص: سورة الجمعة، فصل: ۶۲۹/۳، قديمي)

(۲) "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها في غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لاتجوز في البوادي ومناهل الأعراب". (أحكام القرآن للجصاص رحمه الله تعالى، سورة الجمعة، پ: ۲۸، فصل: ۶۲۹/۳، قديمي)

(۳) "أن شرط المصر لمسلّم، لكنهم اختلفوا في مايتحقق به المصرية، فقيل: ماله أمير يقيم الحدود، وليس فيه تصريح بإقامة الحدود، بل المراد بذلك قدرة الأمير على ذلك، إذ لولم يرد ذلك لما صحت الجمعة في شيء من الأمصار في وقتنا هذا، إذ لا يجرى الحدود أحد. وقيل: ماكان فيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأفهام، وحاصله إحالة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم، جازت الجمعة فيه، وماليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۳۰، ۳۱۳، إدارة القرآن، كراچي)

(۴) "وقد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن". (حجة الله البالغة، كتاب الصلوة الجمعة، خطبة الجمعة: ۲/۷۹، قديمي)

(۵) "وهذا رواية عن أبي يوسف ..... وعنه أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۳، سعيد)

مولانا گنگوہی نے تین چار ہزار کا تخمینہ تحریر فرمایا ہے(۱)، بعض حضرات نے اس سے بھی کم پر اجازت دے دی ہے۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ کسی معتبر ماہر فقہ وفتویٰ عالم کو بلا کر مشاہدہ کرا دیا جائے پھر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت گنگوہی کا ''اوثق العریٰ''، حضرت شیخ الہند کا ''احسن القریٰ''، حضرت تھانوی کا ''اتمام البدیع'' اگر مطالعہ کر لیا جائے تب بھی رائے قائم کرنے کے لئے بہت بصیرت حاصل ہوگی۔

الحاصل جمعہ میں اختلاف دراصل روایت کا نہیں درایت کا ہے، اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، بلکہ حقیقت میں مصر کی تعریف میں جو اختلاف ہے اس کا مدار عرف پر ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مذکورہ بستی کی مردم شماری چار ہزار ہے اور مختلف قسم کے پیشہ ور لوگ اس میں رہتے ہیں کہ روزمرہ کی ضروریات زندگی کی اشیاء میسر ہوتی ہیں تو قریہ کبیرہ حسب قصبہ ہے کما اختارہ الشامی ہے، قریہ کبیرہ کی مردم شماری علامہ شامی نے چار ہزار بیان فرمائی ہے اسی پر مدار رکھا گیا ہے۔ فقط۔

سید مہدی حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن شرط المصر فمسلم، لكنهم اختلفوا في ما يتحقق به المصرية، فقيل: ما فيه أمير يقيم الحدود، وليس فيه تصريح بإقامة الحدود، بل المراد بذلك قدرة الأمير على ذلك، إذ لو لم يرد ذلك لما صحت الجمعة في شيء من الأمصار في وقتنا هذا، إذ لا يجري الحدود أحد. وقيل: ما فيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك. وليس هذا كله تحديداً له، بل هو إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۳۰۲-۳۰۳، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۴۹، خضر راہ بک ڈپو، دیوبند)

## جمعہ فی القریٰ

سوال [۳۷۱۳]: دریائے جہلم کے کنارے ایک روڈ پر ایک قریہ ہے جہاں ایک جامع مسجد تیار ہوئی ہے اس کے متصل بازار بھی ہے، وہاں تقریباً تیس دکانیں ہیں اور کچھ کاریگر بھی ہیں اور قریٰ تقریباً تین چار ہزار جمع ہو سکتی ہے، روز جمعہ اگر لوگ جمع ہوں تو ان کو تبلیغ کی جا سکتی ہے۔ کیا یہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس وقت وہاں آبادی ہے اور وہ بڑی قریہ کبیرہ کی حیثیت رکھتی ہے یعنی تین ہزار کے قریب مردم شماری ہے اور روزمرہ کی ضروریات اہل بستی کو ملتی ہیں، بازار میں ڈاک خانہ وغیرہ بھی ہے تو وہاں جمعہ کی نماز درست ہے۔ اگر محض مسجد ہے اور چند مکانات بنی ہوئی دکانیں ہیں مگر آبادی نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ویران ہے جیسے کہ شاہی زمانہ کی مسجدیں اور بعض عمارات قدیمہ ہیں مگر وہ ویران ہیں، یا وہاں آبادی تو ہے لیکن بہت معمولی ہے قریہ کبیرہ نہیں تو وہاں جمعہ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## دو سو گھروں پر مشتمل آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۷۱۴]: گاؤں کرن پور تقریباً دو سو گھروں پر مشتمل ہے، ۲۰-۲۵ گھروں کے سوا باقی تمام گھر غیر مسلم ہیں، گاؤں پختہ سڑک کے کنارے ہے، متصل ہی ایک اسٹیشن ہے، یہاں [illegible] سواری ملتی

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراتشي)

"وأما شروط الأداء فستة أيضاً: الشرط الأول: المصر أو فناءه، فلا تجوز في القرى عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، والمصر هي بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

ہے، اسٹیشن پر چار دکانیں مٹھائی وغیرہ کی ہیں، گاؤں میں چند پرچون فروش دکانیں ہیں جن میں اشیائے خوردنی وانگریزی دوا بھی ملتی ہے، گاؤں میں ایک مسجد، مکتب، ایک اسکول، ڈاکٹر، سرکاری نرس، کپاؤنڈر موجود ہے، آٹے اور چاول کا مل ہے، گاؤں سے باہر ایک ہائی اسکون ہے جس میں ۵۰۰ یا ۶۰۰ مسلم بچے پڑھتے ہیں، جو اس گاؤں میں آکر جمعہ میں شریک ہوتے ہیں۔

گاؤں کے لوگ بہت دن سے بغیر جمعہ ادا کئے ہوئے عیدین کی نمازیں گاؤں میں پڑھتے ہیں اور اب کچھ دنوں سے جمعہ بھی قائم کرلیا ہے، لیکن کچھ لوگ مخالف ہیں ان کا کہنا ہے: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة" (۱) اس تصریح کے تحت یہاں جمعہ غیر واجب الاداء اور ناجائز ہے اور جو لوگ جمعہ کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارا گاؤں قریہ کبیرہ میں داخل ہے اور حکم: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق" (۲) کا محتمل ہے، لہٰذا جمعہ واجب الاداء اور جائز ہے۔ براہِ کرم ازروئے تحقیق مطلع فرمائیں کہ گاؤں مذکورہ بالا میں جمعہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟ نیز ظہر ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں فریق کی دلیل صحیح ہے، نفسِ مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے بلکہ انطباق میں اختلاف ہے کہ صورتِ مسئولہ میں کون سی دلیل منطبق ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں قطعِ نزاع کی شکل یہ ہے کہ دونوں فریق کسی ایسے ایک یا دو تین اہلِ علم پر متفق ہو جائیں جن کو فقہ میں بصیرت ہو، وہ موقع مشاہدہ کے بعد جو حکم دیں اس پر دونوں فریق عمل کریں، تحریر سے پوری کیفیت سامنے نہیں آتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## تین ہزار سے زائد آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال [۳۷۱۵]: ہماری بستی موضع جلال پور کی آبادی تین ہزار سے کچھ زائد ہے اور نوعیت بستی اس طرح پر ہے کہ اسی (۸۰) فیصد مکانات پختہ اور اکثر گلیاں نیم پختہ ہیں اور دکانیں صرف کھدر کپڑے کی ہیں جن

(۱) (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

کبیرہ کی حدبندی اور تعیین میں عرف کے بدلنے سے فرق پڑتا رہتا ہے، اس لئے اختلاف ہوکر الجھن پیدا ہوتی ہے، اس کے دفع کرنے کی صورت تحریر کردی گئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## گاؤں میں نمازِ جمعہ

سوال[۴۷۱۰]: گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو پھر اس زمانہ میں بہت سے گاؤں میں جمعہ پڑھ رہے ہیں، ان گاؤں میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

محمد زین العابدین راجشاہی، ۷/صفر/۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے حنفیہ کے نزدیک شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں جو کہ آبادی، بازار وغیرہ ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو شرط ہے، شرط مفقود ہونے کی صورت میں جمعہ ناجائز ہے، ظہر کی نماز فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے ناجائز کا ارتکاب اور فرض کا ترک لازم آئے گا۔ "الشرط الأول: المصر أو فناءه، فلا تجوز في القرى عندنا اهـ". کبیری (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "وليس هذا كله تحديداً له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، مكتبه يحيويه سهارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۴۲۲، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۲) (الغنية الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

## گاؤں میں جمعہ اور تعزیہ پر قیاس

سوال [۳۷۱۷]: دیہاتوں میں جمعہ ہوتا ہے منع کیا جائے کہ نہیں؟ اگر روکا جائے تو بعض لوگ جو جمعہ کے دن صرف جمعہ پڑھنے آتے ہیں وہ بالکل چھوڑ دیں گے، بعض لوگ اس کو اسلام کی نشانی قرار دیتے ہیں جیسے کہ تعزیہ کو نشانی خیال کرتے ہیں اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس دیہات میں جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں وہاں ظہر با جماعت پڑھنا فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ساقط نہیں ہوتا: "ولو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر". شامی: ۳۷ (۱)۔ البتہ اگر جمعہ کی مخالفت کرنے سے اختلاف ہو کہ مسجد ویران ہونے کا اندیشہ ہو تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کریں اور خود جمعہ میں شرکت نہ کریں۔ تعزیہ کو جو کہ قطعی بدعت ہے اس پر اس مسئلہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## گاؤں میں جمعہ

سوال [۳۷۱۸]: ایک جگہ ایسی ہے کہ اس میں پانچ چھ مسجد و دکانیں ہیں اور آبادی تقریباً دو ہزار ہے

---

"عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات ..... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۸، رشيديه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

"عن حذيفة رضي الله تعالى عنه: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدينة". (البناية شرح الهداية للعلامة العيني رحمه الله تعالى، كتاب الصلاة، باب الجمعة ۹۸۶/۱، ملك سنز فيصل آباد)

"وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشيديه)

اور علاوہ مسجد پنجگانہ کے ایک جامع مسجد ہے جس میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے اور قریب جامع مسجد کے بازار ہے جو ہر جمعہ کے روز اور پیر کو بازار ہوتا ہے اور ان دو دن کے علاوہ اشیائے ضروریہ بلا تکلف ملتی ہیں، چونکہ دوکانیں ہیں اور بازار کے متصل سرکاری راستہ پڑا ہوا ہے، کوئی پون میل پر دوسرا بازار واقع ہے، اس میں باقاعدہ آفس بھی ہے مگر مکانات اینٹ کے نہیں بلکہ ٹین اور لکڑی کے ہیں، چونکہ بارش زیادہ ہوتی ہے لہٰذا پختہ اینٹ کے مکانات برقرار نہیں رہ سکتے اور وہاں کے علماء اس کو شہر یا قصبہ کہتے ہوئے جمعہ پڑھتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں کہ علمائے ہندوستان سے اگر اس کے بابت فتویٰ طلب کیا جائے تو ہندوستان کے گاؤں پر قیاس کرتے ہوئے گاؤں ہی کا حکم لگائیں گے، حالاں کہ یہاں کے گاؤں اور ملک ہند کے گاؤں میں آسمان زمین کا فرق ہے، اگر علمائے ہند یہاں کے گاؤں کا مشاہدہ کریں تو ضرور جمعہ کے قائل ہوں گے۔ نیز وہ لوگ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ شرح وقایہ کے حاشیہ وغیرہ میں وارد ہے کہ امام صاحب کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس محلہ میں جتنے آدمی ہیں خواہ جمعہ پڑھیں یا نہ، وہ سب اگر مسجد میں نہ سمائے جائیں تو اس جگہ بھی جمعہ جائز ہے(۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس تفصیل سابق سے جمعہ جائز ہے یا نہیں، ان علماء کی دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ غرض تفصیلاً یہاں کے گاؤں پر قیاس کرتے ہوئے مدلل جواب مع حوالہ کتب عنایت فرما دیں۔ نیز بصورت عدم جواز یہ بھی بتلا دیں کہ اگر کوئی ہندوستان سے تعلیم حاصل کرکے جاوے تو اس کو مجبوراً جمعہ کا خطبہ پڑھواتے ہیں، تو آیا صرف خطبہ پڑھ کے نماز نہ پڑھاوے جائز ہے یا نہیں؟ اور احتیاط الظہر کی صورت کیسی ہے؟ از روئے مہربانی سے امور کا تفصیلاً جواب تحریر فرما کر شفا عطا فرما دیں۔

المستفتی: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، اراکانی برما، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے

---

= (وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۸/۱، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۱) "إذا اجتمع أهله المراد بالأهل هم الذين تجب عليهم الجمعة، والمراد بأكبر المساجد قيل: إنه المسجد الجامع، وقيل: أكبر المساجد للصلوات الخمس، كما في فتاوى الزاهدي". (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۴۳): ۱۹۸/۲، سعيد)

لحاظ سے قصبہ کے مانند ہو شرط ہے (۱)، چھوٹے گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا، وہاں ظہر کی نماز فرض ہے (۲)، "ویشترط لصحتہا المصر". تنویر (۳)، یہی حال نماز عید کا ہے (۴)۔

مصر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر اور قریہ ہونا عرفی چیزیں ہیں، جس زمانہ میں جیسا عرف ہوا، ویسی ہی علامات متعین کر کے علماء نے تعریف کر دی (۵)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر أهلها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۰۷، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: المصر". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۲) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب .... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۳) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱/۵۳۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما صلاة العيدين وأما شرائط وجوبها: ۱/۶۱۹، رشيديه)

(۴) "(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها، وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريماً أي لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، ۱۶۷، سعيد)

(۵) "وحاصله: إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، المكتبة اليحيوية، سهارنپور)

"والمعلوم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا فوض الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۲/۳۲۹، ديوبند)

سے یہ تعریف منقول ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح" اهـ. ردالمحتار (1)۔

اور آبادی مذکورہ فی السوال کا حکم فتویٰ ذیل سے معلوم ہو جائے گا:

**مسئلہ:** "یہ موضع قصبہ سرراعمد کے قریب پانچ کوس کے واقع ہے اور اس سے زیادہ قریب کوئی شہر نہیں، اور موضع مذکور میں قریب دو ہزار مردم شماری کے ہے جس میں زیادہ نصف سے مسلمان اور باقی ہندو ہیں۔ مسلمانوں کے دینی احکام سے کوئی مانع نہیں۔ ضروری احتیاج کے واسطے دو کانیں تین پانچ موجود ہیں، روزمرہ تیس بتیس سے زیادہ نمازی پنجوقتہ میں جمع ہوتے ہیں، رمضان شریف میں ساٹھ ستر تک اور جمعہ رمضان میں ادو سو اور عیدین میں ایک ہزار سے زیادہ جمع ہوتے ہیں۔

موضع مذکورہ میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض عالم امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور گاؤں میں جمعہ جائز کہتے ہیں اور احتیاط الظہر بھی ایسی حالت میں پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہیں اس جگہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے، وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہیے اور جمعہ نہ پڑھنا چاہیے، پس جب جمعہ نہیں ہوا احتیاط الظہر کہاں (2)، بلکہ ظہر کی نماز باجماعت مثل

---

(1) (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: 2/137، سعید)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: 550، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(2) (راجع ص: 131، رقم الحاشية: 2)

دیگر ایام کے پڑھنی چاہیے(۱) اور ہندوستان کے سب شہر اور قصبہ میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے احتیاط الظہر کی کچھ حاجت نہیں(۲)۔

اور امام شافعی کے یہاں گاؤں میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے ان کے نزدیک بھی کچھ تفصیل اصل احتیاط الظہر کی نہیں، پس جو صاحب اس مسئلہ پر شافعی بنیں ان پر حنفی کی الزام دے سکتے ہیں، کیونکہ یہ بات اپنی اختیاری ہے جو مذہب چاہو اختیار کرو، غیر مقلد بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بات کسی مذہب کی پسند آئی وہ اختیار کر لیتے ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ۳/ ذی قعدہ/ ۱۳۱۲ھ۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص: ۱۳۴(۴)۔

---

(۱) "من لاتجب علیهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۲) "وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۳) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا منشاء یہ ہے کہ اس طرح کرنا تلفیق بین المذاہب کی راہ پر جانا ہے، کیونکہ اس میں انسان کی گمراہی کا خطرہ ہے۔ وفی رد المحتار: "حکی أن رجلاً من أصحاب أبی حنیفة خطب إلی رجل من أصحاب الحدیث ابنته فی عهد أبی بکر الجوزجانی، فأبی إلا أن یترک مذهبه، فیقرأ خلف الإمام، ویرفع یدیه عند الانحطاط ونحو ذلک، فأجابه فزوجه. فقال الشیخ بعد ما سئل عن هذه وأطرق رأسه: النکاح جائز ولکن أخاف علیه أن یذهب إیمانه وقت النزع؛ لأنه استخف بمذهبه الذی هو حق عنده، وترکه لأجل جیفة منتنة ....... لیس للعامی أن یتحول من مذهب إلی مذهب، ویستوی فیه الحنفی والشافعی". (رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۸۰، سعید)

(۴) (فتاوی رشیدیه، ص: ۳۳۸، ۳۳۹، اداره اسلامیات، لاهور)

آبادی مذکورہ فی السوال بھی تقریباً دو ہزار ہے اور فتویٰ بالا میں بھی دو ہزار کی تصریح ہے، لہٰذا اس فتویٰ کی رو سے وہاں جمعہ نہیں ہوتا، ظہر کی نماز فرض ہے، جب جمعہ ادا نہیں ہوتا تو فریضۂ ظہر بھی ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی(۱)، حتی الوسع ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے روکنا چاہیے، اگر وہ لوگ باز نہ آئیں تو خود ظہر پڑھے۔ باقی جس جگہ جمعہ ادا ہو جاتا ہو وہاں امام اور خطیب کا اتحاد ضروری نہیں اگرچہ بہتر یہی ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہو:

"لاينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما شيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ، جاز، هو المختار اهـ". در مختار، ص: ۸٦١(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲٦/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

## قریۂ صغیرہ میں جمعہ

سوال[۴۱۷٦]: اس بستی کی آبادی تخمیناً دو ہزار ہے جس میں پانچ سو مسلم آبادی ہے، دو مسجدیں ہیں، ایک پرائمری ہندی اسکول ہے، تین چار معمولی پرچون کی دوکانیں ہیں جن میں ضروریات کا سامان صرف نمک، مرچ، تیل وغیرہ ملتا ہے، ہفتہ میں ایک بار بازار بکریوں کا لگتا ہے جس میں کپڑا، سبزی وغیرہ بکتی ہے۔ ایسی صورت میں یہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ نہ پڑھنے پر فساد کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔

نیاز وارث، ڈاکخانہ صفدر گنج (بارہ بنکی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چھوٹی بستی میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ وقت ادا نہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٦۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۳) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، =

**ایضاً**

سوال [۴۰۰۱]: ایک چھوٹی سی بستی ہے جس میں مسلمانوں کی بہت قلیل آبادی ہے اور اس قلیل آبادی میں دو مسجدیں ہیں، جس جگہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں ایک مسجد ہے جس میں پاس پڑوس کے مسلمان بھی نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کے لئے آتے ہیں اس طرح ملا کر مع بچوں کے کل دو صفیں ہو جاتی ہیں، جہاں پر دوسری مسجد واقع ہے وہاں پر مسلمانوں کے دو چار گھر ہیں، لیکن ایک صاحب نے پہلا جمعہ اس دوسری مسجد میں بھی کرایا۔ اب اس قلیل آبادی کے باوجود اس مسجد میں نماز جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں جب کہ اس سے پہلے اس مسجد میں جمعہ کبھی نہیں ہوا؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی، کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو(۱)۔ پھر ایسی بستی میں بکثرت یہ

---

= ابواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۹، (ادارة القرآن كراچی)

(۱) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر" (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات ... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، رشيدية)

(۲) "أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست بمحل إقامة الجمعة" (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الجمعة في القرى: ۲/۲۰۷، إمدادية ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر" (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى =

ہے کہ جمعہ ایک ہی جگہ ہو، اگر ایک مسجد میں سب نمازی نہ آسکیں تو متعدد جگہ بھی درست ہے (۱)۔ اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو، وہ چھوٹا گاؤں ہے وہاں جمعہ درست نہیں (۲)۔ اب سوال میں مذکورہ دونوں بستیوں کو منطبق کر کے عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## ایضاً

سوال [۳۶۷۱]: ایک چھوٹے گاؤں کی مجموعی آبادی ۳۳۲ افراد پر مشتمل ہے، ایسے گاؤں میں مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

محمد التفات احمد عراقی، ہردوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ فرض نہیں بلکہ ظہر فرض ہے اسلئے وہاں جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر

---

= عليه أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

وفيه أيضاً: "تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۳۵/۲-۲۳۸، رشيدية)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (احسن القرى في توضيح أوثق العرى تاليف شيخ الهند حضرت مولانا محمود حسن رحمه الله تعالى)

(۱) "(وتؤدى في مصر واحد في مواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

"يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۵۰/۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيدية)

(۲) (راجع، ص: ۱۳۵، رقم الحاشية: )

پڑھا کریں (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## جس بستی میں شرائط نہ ہوں اور پھر بھی جمعہ پڑھا جائے، اس کا حکم

سوال[۴۰۲۲]: ۱ ...... میں دارالعلوم کے فیضِ علم سے کچھ مستفید ہوا ہوں، ہمارے علاقے کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں عام طور پر جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ میرے گاؤں میں بھی، روکنے سے لوگ رکتے نہیں، خود رکنے اور مسئلہ کو اٹھانے سے خطرہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ لوگ مخالف ہو جائیں گے اور جو کچھ دین کی باتیں سن کر عمل کر لیتے ہیں اس بدظنی اور مخالفت کے بعد وہ بھی بند ہو جائے گا حتی کہ باتیں سننے کو بھی تیار نہ ہوں گے۔ اسی مصلحت سے اب تک ہمارے علاقے کے علماء اس مسئلہ میں ساکت ہیں، اور خود بھی ان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مصلحت سے کیا ہم بھی ساکت رہیں اور جمعہ کی نماز وہاں پڑھا کریں، اگر ہم نے ایسا کیا تو کیا ہمیں گناہ بھی ہوگا؟

۲ ...... گاؤں میں جمعہ سے روکنے تو لوگ ہرگز تیار نہ ہوں گے، کیا انہیں یہ بتایا جائے کہ پھر جمعہ کے

---

(۱) "أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، إمدادية ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات ... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۳ - ۲۴۱، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "احسن القریٰ فی توضیح أوثق العریٰ" تالیف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

جماعت کی۔ مسئلہ تو صاف بتادیا جائے، پھر اگر لوگ نہ مانیں تو فساد کرنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں، جمعہ ایسی جگہ جہاں شرائط موجود نہ ہوں، نہ پڑھیں، اگر مجبور کیا جائے تو یہ کہہ کر: "جمعہ درست نہیں، نفل کی نیت سے شرکت کرتا ہوں، شریک ہوجائیں، یا کہیں: اس حالت میں جمعہ درست نہیں، مجھے مجبور کیا جارہا ہے اس لئے پڑھ رہا ہوں، اس سے فریضہ ادا نہیں ہوگا، اس امید پر کہ لوگ بدظن نہ ہوں اور دین کی بات سن لیا کریں"۔ غلط طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## شہر سے متصل گاؤں والوں پر جمعہ

سوال[۴۷۲۳]: ایک موضع میں تین مسجدیں ہیں جس میں سے ایک کو عوام نے جامع مسجد کے ساتھ ملقب کیا ہے، محض اس بناء پر کہ اس کی تعمیر کے وقت (تقریباً سو برس) سے اس میں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آئی ہے۔ موضع ہذا کی موجودہ سے پیشتر کی یہ حالت تھی کہ کافی بڑا بازار لگتا تھا، لیکن عرصہ دراز سے بازار شکست ہوگیا جس سے آبادی کم ہوکر قریب دو ہزار کے رہ گئی ہے اور مختلف پیشہ ور مثلاً نیاری، عطار، حکیم، بزاز، حجام، تنبولی، حلوائی وغیرہ اپنی دکانیں پیشہ کی چیزیں ہر وقت موجود رکھتے ہیں۔ گرد و نواح کی تعداد مع بچوں کے ایک سو کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

بہشتی زیور (مصنفہ) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ "ایسے مواضعات جن کی آبادی تین ہزار سے کم ہو جمعہ جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے"۔ اس قسم کے دو چار مواضعات حضرت مولانا کا فتویٰ عدم جواز کے لئے آچکا ہے۔ ان سب صورتوں کو دیکھ کر عوام جمعہ صحیح نہ ہونے کے وجوہات سے باخبر کیا گیا، مگر اس قائل کو وہابی کا خطاب اور اکثر و بیشتر لوگ خلاف ہوگئے۔ علاوہ اس کے چند لوگ جو حق کے متلاشی تھے ان کو کتاب بہشتی زیور دکھلانے سے یقین ہوگیا کہ جمعہ یہاں درست نہیں ہوتا۔

موضع ہذا سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک ایسا مقام جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے، وہ ہفتہ میں دو مرتبہ بہت بڑا بازار بھی لگتا ہے اور اس بازار میں قرب و جوار کے لوگ یعنی (اطراف مواضعات) اکثر شریک ہوکر ضروری اشیاء خرید کرتے ہیں، بازار کے علاوہ اور دنوں میں بھی ضرورت کی سب چیزیں مل جایا کرتی ہیں۔ علاوہ بریں مقام مذکور میں تھانہ، ڈاک خانہ، سرکاری ہسپتال، مڈل اسکول وغیرہ بھی موجود ہیں اور ہر چیز کی

دکانیں بھی بہت بڑی بڑی ہیں اور مسجدیں صرف دو ہیں، ان سب باتوں کی وجہ سے اس کو لفظ "قصبہ" کے ساتھ پکارا جاتا ہے، اب اس صورت میں موضع ہذا میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے یا موضع میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور کتنی مسافت طے کر کے جمعہ میں شریک ہونا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

احقر ضمیر الدین: احاطہ دار السلام دار العلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قصبہ میں جمعہ درست ہے، موضع میں درست نہیں۔ جس جگہ جمعہ درست نہیں ہوتا وہاں فرض ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، اگر اس قصبہ سے اس موضع میں اذان کی آواز آتی ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موضع والوں پر جمعہ واجب ہے، درمختار میں یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ اور بعض علماء نے اس کا اندازہ ایک فرسخ بیان کیا ہے۔ صاحب بحر کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ جمعہ پڑھ کر بلا کلفت اپنے مکان لوٹ کر آسکتے ہیں تو ان پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں۔ قاضی خان کی رائے یہ ہے کہ شہر کے گردونواح میں رہنے والے چند کھیتوں کے فصل پر رہتے ہوں تو جمعہ کے لئے حاضر ہونا ان کے ذمہ واجب نہیں، اگرچہ اذان کی آواز سنتے ہوں، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر اور شہر کے متصل رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے، دیہات والوں پر واجب نہیں، اسی کو صحیح کہا ہے، پس اس موضع والوں پر جمعہ واجب نہ ہوگا۔ اگر کوئی قصبہ میں جاکر ادا کرے تو اس کو اختیار ہے ورنہ ان کو چاہیے کہ جماعت سے ظہر پڑھیں، رد المحتار: ۱/۸۴۵، میں اس کی تفصیل موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۱/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "(ويشترط لافتراضها) تسعة تختص بها (الإقامة بمصر) وأما المنفصل عنه فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد، وبه يفتى، كذا في الملتقى، وقدمنا عن الولوالجية تقديره بفرسخ. ورجح في البحر اعتبار عوده لبيته بلا كلفة اهـ". (الدر المختار)

"وفي الخانية: المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع، لا جمعة عليه وإن بلغه النداء، وتقدير البعد بغلوة أو ميل ليس بشيء" وفي التاتارخانية: =

## دیہات میں تعلیمِ مسائل کی خاطر جمعہ پڑھنا

سوال[۳۷۲۵]: دیہات میں اگر جمعہ اس لئے پڑھا جائے کہ مجمع ہو جائے گا اور کچھ مسائل وغیرہ ان کو معلوم ہوجائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھا جائے تو لوگ مسائل سے ناواقف رہ جائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۱)، مسائل سکھانے کے لئے دوسرے طریق پنچایت وغیرہ کے ذریعہ سے مجمع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## قریہ صغیرہ میں امام کے پیچھے نماز جمعہ میں اقتداء

سوال[۳۷۲۶]: ایک ایسا قریہ ہے جہاں صلوۃ جمعہ جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص شہر سے پہنچنے کے لئے صلوۃ جمعہ میں امام کے پیچھے اقتداء ونفل کرتا ہے، کیا اس شخص کے لئے اقتداء نفل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "وصحح في مواهب الرحمن قول أبي يوسف رحمه الله تعالى بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة: أي الذي من فارقه يصير مسافراً، وإذا وصل إليه يصير مقيماً، وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر، والخارج عن هذا الحد ليس أهله. اهـ". (رد المحتار: ١٥٣/٢، كتاب الصلوة، باب الجمعة، سعيد)

"قال العلامة الحلبي رحمه الله: "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة من الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. اهـ". (غنية المستملي شرح منية المصلي (الحلبي الكبير)، ص: ٥٥٢، فصل في صلوة الجمعة، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي ومنبر وخطيب". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٨/٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢٣٥/٢، رشيدية)

بستی کی آبادی شمار کرکے کہتے ہیں کہ بڑی بستی یہاں تک ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ خود وہاں کے ارباب فتوی واہل دیانت سے اس مسئلہ کی تحقیق کی جاوے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۹ھ۔

## مزرعہ قریبہ میں نماز جمعہ

سوال[۳۶۸۹]: جس قصبہ میں بلاشک وشبہ جمعہ جائز ہو گیا اس قصبہ کے مزرعہ میں جب کہ اس مزرعہ میں صرف چند گھر ہوں اور وہ مزرعہ باغ اور کھیتی کی وجہ سے اصل قصبہ کی آبادی سے الگ ہو اور خواہ وہ مزرعہ قصبہ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو کیا مزرعہ میں جمعہ جائز نہ ہوگا؟ مثلاً مزرعہ پانچ فرلانگ تک کے فاصلہ پر ہو جیسے کہ میرا مزرعہ پانچ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔

(الف) اگر قصبہ کا کوئی محلہ قصبہ کی اصل آبادی سے الگ ہو درمیان میں بنجر زمین وکھیت باغات ہوں، فاصلہ قصبہ سے محلہ مذکور تک خواہ ایک یا دو فرلانگ تک ہو خواہ چار یا پانچ فرلانگ تک ہو کیا اس محلہ میں بھی نماز جمعہ جائز نہ ہوگی؟

(ب) جمعہ کے جواز کے لئے تمام شرائط کے ماسوا ایک شرط یہ بھی ہے کہ گاؤں کی آبادی مع مزرعہ جات کے تین ہزار سے اوپر ہو یعنی مزرعہ جات ڈیڑھ میل سے فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ کتنے فرلانگ تک فاصلہ گاؤں سے مزرعہ کا ہو تو اس کی آبادی گاؤں کی آبادی میں تین ہزار کی تعداد دیکھنے کے لئے شامل ہوگی؟

(ج) فرض نماز جمعہ کے بعد دیر تک امام کا دعا مانگنا غیر افضل ہے جیسا کہ یہاں رواج ہے کہ رسول کریم صلی اللہ

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ليس الخبر كالمعاينة". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۴۴۷، ۱/ ۲۷۱، دار إحياء التراث العربي)

"وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من تقييد بمذهب، ولهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه، الخ". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۲/ ۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/ ۵۱۳، رشيدية)

تعالیٰ علیہ وسلم جن نمازوں کے بعد سنن وغیرہ ہوتے تھے، سلام پھیر کر فوراً مختصر دعا: "اللهم أنت السلام و منك السلام الخ" (۱)، پڑھا کرتے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف، ب) جو جزء اتنے فاصلہ پر ہو کہ دیکھنے سے بالکل جداگانہ بستی معلوم ہو، وہاں جمعہ درست نہیں، اسی طرح محلہ کا حال ہے، جو محلہ یا مزرعہ دیکھنے سے اسی بستی کا جزء معلوم ہوتا ہو، اگرچہ درمیان میں کوئی کھیت یا تالاب وغیرہ بھی آگیا ہو، وہاں جمعہ درست ہے اور اس کی آبادی کو بھی اصل بستی کی ہی آبادی تصور کیا جائے گا، ڈیڑھ میل کا فاصلہ تو بہت ہے، چار، پانچ فرلانگ کا فاصلہ بھی کافی ہے، دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ وہ لوگ آبادی سے باہر جنگل میں رہتے ہیں، یہ نہیں کہیں گے کہ بستی وہاں تک ہے (۲)۔

(ج) فرض جمعہ کے بعد بھی مختصر دعا مناسب ہے، زیادہ طویل نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (جامع الترمذی، أبواب الصلوٰۃ، باب مایقول إذا سلم: ۱/۶۶، سعید)

(۲) "أو من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه و بين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع و بين عمران المصر فرجة، فعليه الجمعة، ولو كان بين ذلك الموضع و بين عمران المصر فرجة من مزارع أو مراع كالقلع ببخارى، لا جمعة على أهل ذلك الموضع وإن سمعوا النداء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا سلم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللهم أنت السلام و منك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام" (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب مايقول إذا سلم: ۱/۶۶، سعيد)

## ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۲۹]: ایک موضع جس کی آبادی ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے، یہاں پر تقریباً نصف صدی سے برابر پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس موضع کی آبادی بالکل قصبہ جیسی ہے، ہر قسم کی دوکانیں مثلاً جو چیزیں ضروریاتِ زندگی ہیں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہیں، کثر علماء آئے دن یہاں آتے ہیں نماز جمعہ بھی پڑھتے ہیں، بعض علماء انکار بھی کرتے ہیں۔

انکار کرنے والے علماء سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ جمعہ بند کرانے کی ذمہ داری لیجئے بند کردیا جائے گا، یہ سن کر خاموش ہوجاتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ پڑھتے جاؤ بندمت کرو۔ بہرحال اختلاف ابھی تک بدستور ہے، آپ صحیح فتویٰ دیں کہ اس موضع میں کیا واقعی جمعہ بند کردیا جائے؟ فقط۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

ایسے چھوٹے موضع میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست نہیں، جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا قریۂ کبیرہ ضروری ہے، یہ موضع قریۂ صغیرہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

= "ویکرہ تأخیر السنۃ إلا بقدر اللهم أنت السلام الخ". (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۱/۵۳۰، سعید)

"(فإن کان بعدها) أي بعد المکتوبۃ (تطوع یقوم إلی التطوع) بلا فصل إلا مقدار ما یقول: "اللهم أنت السلام" ... (ویکره تأخیر السنۃ عن حال أداء الفریضۃ بأکثر من نحو ذلک القدر". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ص: ۳۴۱، سهیل اکیڈمي لاهور)

(۱) "(ویشترط لصحتها) سبعۃ أشیاء: الأول المصر". (الدر المختار) "عن أبي حنیفۃ رحمه اللہ تعالیٰ أنه بلدۃ کبیرۃ فیها سکک و أسواق، ولها رساتیق، و فیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، و هذا هو الأصح" ...... "لا تجوز في الصغیرۃ التي لیس فیها قاض و منبر و خطیب، کما في المضمرات ... ألا تری أن في الجواهر: لو صلوا في القری، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷، ۱۳۸، سعید)

"وأما القری، فإن أراد الصلاۃ فیها، فغیر صحیحۃ علی المذهب". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۸، رشیدیه)

(وکذا في الهدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۱۶۸، مکتبه شرکۃ علمیه ملتان)

غير أنهما مستقدمة سوى المخمسة، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلوة العيد في القرى تكره تحريماً". درمختار: ۲/ ۱۶۷ (۱)۔ "أول وقتها (أي الأضحية) بعد الصلوة إن ذبح في مصر: أي بعد أسبق صلوة عيد، وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره اهـ". درمختار. "فيه تسامح؛ إذ التضحية لاتختلف وقتها بالمصر وغيره، بل شرطها، فأول وقتها في حق المصري والقروي طلوع الفجر، إلا أنه شرط للمصري تقديم الصلوة عليها اهـ". شامي: ۵/ ۲۰۲ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۲/ ۱۴۰۲ھ۔

## جس بستی میں مسلمانوں کے تیس گھر ہوں، وہاں جمعہ کا حکم

سوال [۳۷۳۰]: ۱... ایک موضع میں جس میں تیس گھر مسلمانوں کے ہیں وہاں ایک چھوٹی مسجد ہے اور موضع مذکور سے ڈیڑھ میل کی دوری پر قصبہ میں ایک بڑی مسجد ہے جس میں کافی مسلمان ہیں اور جمعہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں موضع مذکورہ بالا جس میں صرف تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اس میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲... کتنے مسلمانوں کے مکان موضع میں ہوں تو جمعہ کی نماز درست ہے؟

۳... جمعہ کی نماز میں کم سے کم کتنے آدمی ہونا ضروری ہے جب نماز جمعہ درست ہوگی؟

۴... کیا جس گاؤں میں مسجد نہ ہو اور مسلمانوں کے تیس چالیس مکانات ہوں کسی باغیچہ یا چبوترہ منتخب کر

---

= (وكذا في البناية شرح الهداية: ۳/ ۲۹۶، باب الجمعة)

(۱) (الدر المختار: ۲/ ۱۶۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۲۵۵، باب صلاة العيدين، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۲۷، ۵۲۸، قديمي)

(۲) (رد المحتار: ۶/ ۳۱۸، كتاب الأضحية، سعيد)

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "(قوله: ولا يذبح مصري قبل الصلاة، وذبح غيره) يعني لا يجوز لأهل المصر أن يذبحوا الأضحية قبل أن يصلوا صلاة العيد، ويجوز لأهل القرى والبادية أن يذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد. اهـ". (البحر الرائق: ۸/ ۳۲۰، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۲۹۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، رشيديه)

سے نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ان تین گھروں بستی کی اور کوئی حالت آپ نے تحریر نہیں کی، اگر یہ بستی ایسی ہے جس میں مثلاً تین چار ہزار کی مردم شماری ہے، اس میں بازار ہے، گلی کوچے ہیں، سب ضروریات روزمرہ مل جاتی ہیں تب تو وہاں جمعہ درست ہے، اگرچہ مسلمانوں کے صرف تین گھر ہوں (۱)، اگر یہ بستی ایسی نہیں بلکہ چھوٹی سی ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں (۲)۔

---

(۱) "عن حذیفة رضي الله تعالیٰ عنه: "لیس علی أهل القری جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن". (مصنف ابن أبي شیبة، من قال لا جمعة ولا تشریق الخ، (رقم الحدیث: ۵۰۵۹): ۱/۴۳۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ویشترط لصحتها سبعة أشیاء: الأول المصر" (الدر المختار). "عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

"أما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاویل في تحدیده، ذکر الکرخي: أن المصر الجامع ما أقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام. وعن أبي یوسف روایات ذکر في الإملاء: کل مصر فیه منبر وقاضي ینفذ الأحکام ویقیم الحدود، فهو مصر جامع تجب علی أهله الجمعة ..... وروي عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ الخ" (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، بیان شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، ۵۸۶، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشیدیه)

(وکذا في إعلاء السنن، کتاب الصلوة، باب الجمعة والعیدین: ۸/۴، ۵۹، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "إن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما هاجر إلی المدینة أقام في قبا ..... أربعة عشر یوماً أو أربعة وعشرین - کما في البخاري علی نسخها - ووقعت الجمعة في أثنائها، ولم یثبت أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صلی فیها الجمعة ولم یأمرهم أن یجمعوا ..... فثبت بهذا أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یصل الجمعة في القری ولم یأمر بها فیها، فعلم بهذا أن القری لیست محل إقامة الجمعة الخ".

(بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الجمعة في القری: ۲/۱۷۴، معهد الخلیل الإسلامي کراچی) —

۲... مسلمانوں کی تعداد کچھ نہیں، بستی ایسی ہونی چاہیے جس کا بیان نمبر:۱ میں ہوا(۱)۔

۳... بستی تو کم از کم نمبر:۱ کے موافق ہو اور شریک جماعت اگر امام کے ساتھ کم از کم تین یا پانچ مرد ہوں تب بھی جمعہ ادا ہو جائے گا(۲)۔

۴... اگر وہ نمبر:۱ کے موافق ہو تو جائز ہے، مسجد ہونا شرط نہیں ورنہ جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/رمضان المبارک/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/رمضان المبارک/۶۷ھ۔

---

= "لا تصح في قرية ولا مفازة لقول علي رضي الله تعالى عنه: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۹، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "(والجماعة وهم ثلاثة): أي شرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر لإجماع العلماء، ولا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۶۴/۲، رشيديه)

"(و) السادس: (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال (ولو غير الثلاثة الذين حضروا) الخطبة (سوى الإمام) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيديه)

(۳) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى وفيها وال وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيدمي لاهور)

"والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز في جميع أفنية المصر، لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۷/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

## کیا تین گاؤں مل کر ایک جگہ جمعہ پڑھیں؟

سوال[۳۷۲۲]: موضع بستی والا، ڈاکخانہ مکوال، تحصیل بھوان، ضلع سرگودھا پاکستان، اس گاؤں کی آبادی آٹھ سات سو کے قریب ہے، نماز ظہر وعصر میں نمازی کاروبار کی وجہ سے ۵۔۱۰ ہوجاتے ہیں، مغرب وعشاء وفجر کی نماز میں پچیس ساٹھ ہوجاتے ہیں۔ نمازیوں کا خیال ہے کہ اس گاؤں میں نماز جمعہ ادا کی جائے۔ یہاں سے شہر ملکوال اور میانوالی سات سات میل کے فاصلہ پر ہیں، وہاں دو مسجدوں میں نماز جمعہ ہوتی ہے، وہاں نمازیوں کو جانا مشکل ہے۔ یک قصبہ جوت قریب ایک میل ہے وہاں بھی دو مسجدیں ہیں، نماز جمعہ ہوتی ہے مگر بدقسمتی سے سب بریلوی عقیدہ کے ہیں، وہ دیوبندی خیال کے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں، طرح طرح کے اعتراض وطعن کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے بالکل پاس دو گاؤں اور ہیں جہاں دیوبندی خیال کے حضرات ہیں، ہمارے یہاں سے ان کی آواز خوب جاتی ہے، ایک میل کے قریب اسی طرح تینوں گاؤں کے لوگ یہاں نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ تینوں گاؤں اپنے نام اور آبادی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور ایک ایک میل کا فاصلہ ہے درمیان کا، کسی میں بھی شرائط جمعہ موجود نہیں تو پھر تینوں مل کر ایک گاؤں میں جمعہ پڑھنا بھی درست نہیں، سب کو ظہر کی نماز ادا کرنی چاہیے(۱)۔ اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ (جہاں شرائط جمعہ موجود ہوں) جا کر جمعہ پڑھے گا تو اس کے ذمہ سے بھی فریضۂ ظہر ساقط ہوجائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إلى المصر، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۴، رشيديه)

(۲) "عن عائشة زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم =

## پندرہ سو کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال [۳۶۳۰]: ایک بستی نمر چک ہے جس کی تعداد مردم آبادی تقریباً پندرہ سو ہے، ضرورت کی کوئی شئی فراہم نہیں، البتہ اس کے متصل دو بستیاں اور ہیں، تینوں مل کر ایک معلوم ہوتی ہیں، حکومت کے کاغذات میں ان کا رقبہ بالکل الگ ہے، بازار تقریباً چار میل پر ہے، مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے لیکن کچھ لوگ نہیں پڑھتے۔ شرعی حیثیت مطلع فرمائیں۔ مقتدی حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں جمعہ فرض نہیں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ترک صلوۃ جمعہ سے لوگوں کا مستقبل گمراہ ہو جائے گا، تو جب ترک نماز پنجگانہ سے گمراہ نہیں ہوتا تو نماز جمعہ کو ترک کرنے سے کیسے گمراہ ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی بستی نمر چک تو ظاہر ہے کہ چھوٹی بستی ہے، وہاں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ اس کی آبادی تخمیناً پندرہ سو ہے، ضرورت کی کوئی شئی وہاں فراہم نہیں۔ اب دوسری دو بستیاں اگر سرکاری کاغذات میں اس کے ساتھ ملا کر ایک بستی شمار ہوتی ہیں، گو دیکھنے میں الگ معلوم ہوتی ہیں، جیسا کہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بازار چار میل کی دوری پر ہے، تو بھی آپ کی بستی میں جمعہ جائز نہیں، ہاں! اگر دیکھنے میں تینوں بستیاں ایک ہی آبادی کے تین محلے معلوم ہوں اور مجموعہ میں بازار ہے، وہاں سب ضرورت مل جاتی ہیں تو مجموعہ ایک بستی ہونے کی وجہ سے جمعہ درست ہوگا (۱)۔

---

= ومن العوالي" (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من تجب عليه الجمعة: ۱/۱۵۸، امدادیه ملتان)

"ومن لا جمعة عليه إن أدى الظهر جاز من غير عذر في الوقت" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

"(وفاقدها) أي هذه الشروط أو بعضها (إن) اختار العزيمة و(صلاها وهو مكلف بالغ عاقل (وقعت فرضاً) عن الوقت الخ" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۱، رشيديه)

(۱) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة من المزارع والأبنية متصلة به فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء الخ" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيدمي لاهور)

بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرادیا جائے جس کو فقہ اور تقویٰ میں بصیرت ہو، پھر اس کے فتوے پر عمل کیا جائے (۱)۔ جب فریضہ خداوندی آپ کی طرف سے عائد ہو تو اس کی طرف سے بے فکر ہونا تباہی وبربادی کا سبب ہے، اگر فریضہ عائد نہ ہو تو غیر فریضہ کو فرض قرار دینا شرعاً غلط اور مستقل جرم ہے، اس لئے حکم خداوندی کی تعمیل ہر حال میں لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## موضع دادری میں جمعہ

سوال [۴۲۳۷]: ہاپوڑ سے دو میل کے فاصلہ پر "دادری" ایک گاؤں ہے جس کی کل آبادی ڈھائی ہزار اور مسلم آبادی چار سو ہے، اس میں ایک مسجد بھی ہے جس میں برسوں سے جمعہ ہوتا رہا، اس سال ایک امام صاحب آئے انہوں نے مسئلہ پوچھ کر جمعہ بند کردیا، اس کے بعد ایک دوسرے امام صاحب آئے انہوں نے بھی

---

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيدية)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس الخبر كالمعاينة، إن الله عزوجل أخبر موسى بما صنع قومه في العجل، فلم يلق الألواح، فلما عاين ما صنعوا، ألقى الألواح، فانكسرت". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۲۴۴۷): ۱/۴۴۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من غير تقييد بمذهب، ولهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۲/۴۲۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۱۳، رشيدية)

(۲) "ثم إذا فهمنا التوسعة، فلا بد من اعتبار أمر آخر، وهو أن يكون العمل بحيث لا يوهم التخصيص زماناً دون غيره، أو مكاناً دون غيره، أو كيفية دون غيرها، أو يوهم انتقال الحكم من الاستحباب -مثلاً- إلى السنة أو الفرض؛ لأنه قد يكون الدوام عليه على كيفية ما، في مجامع الناس أو مساجد الجماعات أو نحو ذلك موهماً لكونه سنة أو فرضاً ... بل هو كذلك". (الاعتصام، باب في مآخذ أهل البدع بالاستدلال، فصل: ومنها تحريف الأدلة عن مواضعها، ص: ۲۰۳، دار المعرفة بيروت)

جمعہ نہیں پڑھایا، جو لوگ صرف جمعہ پڑھتے ہیں ان لوگوں کا بہت اصرار ہوا۔ بہر کیف ۱۹/محرم کو جو جمعہ گذرا اس میں امام صاحب نے مجبوراً جمعہ پڑھایا۔ اس گاؤں میں دو تین بہت چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جس میں پوری ضروریات نہیں ملتیں حتی کہ چٹنی بھی نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں کیا جمعہ وہاں پڑھا جا سکتا ہے، جب کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پچاس نفر کے گاؤں میں بھی جمعہ جائز کہتے ہیں(۱) اور ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں؟ اختلاف سے حکم توسع ہو جاتا ہے، لہٰذا آپ اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے گاؤں کی حالت مشتبہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کو جو تجربہ کار ہو اور فقہی مسائل میں مہارت رکھتا ہو بلا کر معائنہ کرا دیں، وہ سب حالات دیکھ کر جمعہ جائز بتلا دے تو پڑھنا شروع کر دیں منع کرے تو نہ پڑھیں۔

عوام کی دلیل کہ "ہم باقی ہفتہ نماز پڑھتے، جمعہ کے روز ہاتھ منہ دھولیں، وضو کرلیں الخ" شرعی دلیل نہیں، عامیانہ وجاہلانہ بات ہے۔ خدا اور رسول کا حکم پنجگانہ نماز کا ہے جو کہ فرض عین ہے جس پر سب امت کا اجماع ہے(۲)، اس کو تو ترک کردیں اور جہاں اجازت نہ ہو وہاں پڑھنے پر اصرار کریں، کس قدر جہالت بلکہ احکامِ شرع کا مقابلہ ہے۔ اگر پچاس نفر کے گاؤں میں جمعہ کی اجازت دی جائے تو آپ کے ہی گاؤں کی کیا خصوصیت رہے گی، جس کی وجہ سے آپ نے دو ڈھائی ہزار کی آبادی بتلائی ہے، بلکہ ہر گاؤں میں جمعہ کی اجازت دینی پڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۹۴ھ۔

---

(۱) قال العلامة الشاه ولي الله رحمه الله: "والأصح عندي أنه يكفي أقل ما يقال فيه قرية، لما روي من طرق شتّى يقوي بعضها بعضاً: "خمسة لا جمعة عليهم". وعدّ منهم أهل البادية. قال صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجمعة على الخمسين رجلاً" أقول: الخمسون تتقرى بهم قرية، وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجمعة واجبة على كل قرية". (حجة الله البالغة: ۲/۲۸، الجمعة، دار الكتب الحديثية، القاهرة)

(۲) "هي فرض عين على كل مكلف بالإجماع" (الدر المختار). "(قوله: هي): أي الصلوة الكاملة، وهي الخمس المكتوبة. (قوله: على كل مكلف): أي بعينه. (قوله: بالإجماع): أي بالكتاب والسنة". (رد المحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

میں ایک مکتب دینی تعلیم کا قائم کیا ہے مگر مسجد بننے کی قوی امید ہے نمازی کافی ہیں تو اس میں نماز جمعہ وعیدین ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ ایک ہی بستی ہے تو شرعاً وہاں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے(۱)، مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجد بنالیں اور جب تک مسجد نہ بنے کسی اور جگہ مثلاً مکتب میں اس طرح جمعہ پڑھیں کہ وہاں آنے کی کسی کو رکاوٹ نہ ہو بلکہ جس کا دل چاہے نماز کے لئے آجائے(۲)، وہیں پنجگانہ نماز اذان وجماعت کے ساتھ ادا کریں، عیدین کے لئے عیدگاہ ہونا ضروری نہیں، جنگل، باغ اور میدان میں جہاں مناسب سمجھیں ادا کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطر ولا أضحی إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القریٰ: ۸/۱، إدارة القرآن، كراتشي)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر)". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، رشيدية)

"(وتجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة سوى الخطبة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(۲) "(و) السابع: (الإذن العام)". (الدر المختار). "(قوله: الإذن العام) أي أن يأذن للناس إذناً عاماً بأن لا يمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الإذن العام —

## جمعہ کی نماز کے لئے کسی بستی میں جانا

سوال [۲۲۷۴]: جب دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگ قصبہ میں جو کہ گاؤں سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بالکل جائز ہے، سائیکل سے یا پیدل آسانی سے جا سکتے ہیں۔

۲... مگر محض سستی کی بناء پر یا دنیا کمانے میں انہماک کی بناء پر نہ جائیں بلکہ اپنے گاؤں میں جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز تنہا پڑھ لیں اور عیدین کی نماز قصبہ میں پڑھنے نہ جائیں تو گنہگار تو نہ ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... نہایت ہمدردی اور دلسوزی سے مسئلہ بتا کر بند کرانے کی کوشش کی جائے، اگر فتنہ پیدا ہو کہ لوگ پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں یا فساد کریں، سر پھٹول اور مقدمہ بازی کی نوبت آئے تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کی جائے (۱)۔

---

= بالاشتهار". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

"لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى وفيها وال وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن تميم الداري رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولكتابه، ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمة الله تعالى عليه: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم ... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم". (الصحيح لمسلم مع شرح النووي، كتاب الإيمان، باب: الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

۲... بالکل گنہگار نہیں کیونکہ ان کے ذمہ وہاں جانا واجب نہیں، ان کی خوشی پر موقوف ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## لوگوں کے نماز ترک کرنے کے اندیشہ سے نماز جمعہ کا قیام

سوال [۳۸۰۴]: یہاں ایک آبادی ہے جو کہ صدہا سال سے آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے قریب پچاس ساٹھ گھر آباد تھے اور اس آبادی میں ایک پختہ مسجد بھی ہے، جو زمانہ قدیم سے موجود ہے۔ اس وقت موجودہ آبادی مسلمانوں کی قریب دس بارہ گھر کے ہے اور اس مسجد میں قدیم زمانہ سے نماز جمعہ ہوتی ہے۔ اور یہیں ایک مقام ہے تین میل کے درمیان جہاں قبرستان اور مسجد وغیرہ موجود ہے اور عیدین کی نماز ہوتی ہے، اور کہیں نہیں ہوتی۔ اس وقت اس کی مردم شماری پانچ سو یا چار سو کی ہے اور یہیں پر ضروریات کی ساری چیزیں مل سکتی ہیں۔ یہاں پندرہ، سولہ دکانیں اور بازار بھی ہے اور ڈاکخانہ، تار گھر بھی ہے، میڈل اسکول اور پرائمری دونوں موجود ہیں اور موسم سرما میں چار ماہ کے لئے تحصیلدار اور ڈپٹی وغیرہ آجاتے ہیں اور دیوانی وفوجداری وغیرہ کے مقدمات ہوتے ہیں۔

اب کچھ عرصہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے کہ یہاں جمعہ جائز نہیں اور معترض خود نمازی ہے اور نماز جمعہ میں پچیس تیس نمازی جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی زیادہ بھی ہو جاتے ہیں اور خاص کر موسم سرما میں چالیس سے

---

(۱) "عن حذیفة رضی اللہ عنه: لیس علی أهل القری جمعة، إنما الجمع علی أهل الأمصار مثل المدائن". (أوجز المسالك، باب ماجاء فی الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فی السفر: ۲/۳۲۶، إدارة تالیفات اشرفیه، ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشیدیه)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع، تالیف حکیم الامۃ تھانوی رحمہ اللہ)

تعطیل آنے کی وجہ سے نمازیوں کی زیادتی ہوتی ہے۔ اب اعتراض کی وجہ سے نمازیوں کی کمی ہوگئی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو نمازی بہت ہی کم ہوجائیں گے۔ نماز جمعہ ہی کی وجہ سے بہت سے نوجوان اور بڑے وضو تک نہیں جانتے تھے جن کو اس کے طفیل میں وضو وغیرہ آگیا، اب اعتراض کی وجہ سے ان کو بھی موقع ملا کہ ہم کو تو کوئی بے نماز کہے تو نہیں کہہ سکتا۔

اور اس قصبہ میں ایسے ایسے آدمی موجود ہیں جن کو اچھی طرح کلمۂ اول بھی نہیں آتا اور شعائر اسلام سے تو کوسوں دور ہیں، باوجود اس کے ہم لوگ ان لوگوں کو نماز کی رات دن تاکید کرتے ہیں، پھر بھی نہیں مانتے، حتیٰ دیکھئے یہاں پر نماز جمعہ ہوتی ہے پھر بھی شریک نہیں ہوتے اور بالکل خلاف شرع ہیں، باوجودیکہ ان کو نماز کے لئے بہت ترغیب دیتے ہیں پھر بھی نماز سے نفرت کرتے ہیں۔ اب پھر دوبارہ نماز میں شریک کرنے کی کوشش کررہا ہوں اور دوسروں سے بھی کوشش کرا رہا ہوں۔ جب کہ یہاں کے لوگوں کی یہ حالت ہو کہ نماز کے نزدیک تک نہ جاتے ہوں اور نماز سے گھبراتے ہوں تو حضرت! ہم لوگ لوگوں کو بڑی محنت و کوشش سے نماز جمعہ میں شریک کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگیں، ایسی حالت میں نماز جمعہ بند کردی گئی تو پھر غیر صلاح ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ لوگ نماز سے اور شعائر اسلام سے متنفر ہوں، نماز جمعہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آیا بدستور باقی رکھیں یا ترک دیں؟

بشیر احمد انصاری گنگوہی، پیش امام مسجد کالی، ضلع بہرودان ۲۳، ۳۱ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحیح یہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں(۱)، بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے، اگر نماز جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی جو کہ جماعت سے پڑھنا اور اس میں جہر سے قرأت کرکے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے(۲) اور اس سے

---

(۱) "لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيدية)

(۲) "(ولا يصلي الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان)، أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۳، رشيدية)

=

ظہر کا فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا وہ بدستور باقی رہے گا(۱)، لہٰذا جمعہ کو موقوف کرکے ظہر کو قائم کرنا ضروری ہے۔
رہی یہ بات کہ لوگ بالکل نماز چھوڑ دیں گے تو آپ نے خود لکھا ہے کہ "اب باوجود جمعہ پڑھنے اور اتنی کوشش کرنے کے بھی رغبت نہیں کرتے، بلکہ متنفر ہیں"۔ اس لئے ایک ممنوع فعل کرکے لوگوں کو متوجہ کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں، ویسے نماز کے لئے آپ اپنی کوشش کو جاری رکھیں۔ اللہ پاک امداد فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/۳/۵۸ھ۔

## ایضاً

سوال[۲۷۶۹]: یہاں ایک آبادی ہے جو کہ صدہا سال سے آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے قریب پچاس ساٹھ گھر آباد تھے اور اس آبادی میں ایک پختہ مسجد بھی ہے، جو زمانہ قدیم سے موجود ہے۔ اس وقت موجودہ آبادی مسلمانوں کی قریب دس بارہ گھروں پر مشتمل ہے اور اس مسجد میں نماز جمعہ ہمیشہ سے ہو رہی ہے۔ آبادی کی مردم شماری میں یہ مقام کالسی تین میل کی وسعت کے لحاظ سے صرف خود ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں پر قبرستان ہے اور مسجد اسی میں ہے اور عیدین کی نماز بھی یہاں پر ہوتی ہے۔ اس مقام میں ہندو مسلمان کی مشترکہ آبادی پانچ سو یا چار سو کے ہے اور یہاں پر معمولی بازار ہے اور تار گھر و ڈاکخانہ، مڈل اسکول سے بڑا قصبہ ہے اور موسم سرما میں تین ماہ کے لئے تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر آجاتے ہیں اور دیوانی و فوجداری مقدمات ہوتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے ایک شخص نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اس مقام پر نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور وہ شخص پکا نمازی بھی ہے، نماز جمعہ پڑھنے کے واسطے یہاں پر پچیس تیس نمازی جمع ہو جاتے ہیں اور ایام سرما میں نمازیوں کی مقدار میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

اب اس شخص کے اعتراض پیدا کرنے سے نمازیوں کی مقدار میں دس پندرہ آدمیوں کی کمی ہو گئی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو کچھ عرصہ بعد شاید یہ نمازی اور بھی کم ہو جاویں گے۔ اس نماز جمعہ کے طفیل سے دور دور سے

---

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الوتر وأحكامه ص: ۳۸۶، قديمي)

(۱) "لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

مسلمان جمع ہوتے ہیں، اب اس میں عام طور سے لوگوں کو نماز نہ پڑھنے کا بہانہ مل گیا، اس نماز جمعہ ہی کی برکت سے بہت سے نوجوان و بوڑھوں کو وضو کرنے کی تمیز ہوگئی تھی اور یہاں اس صورت میں کہ نماز جمعہ ہوتی ہے تب بھی نماز سے متنفر ہیں اور اگر خدانخواستہ نماز جمعہ بند ہوگئی یہاں پر تو یہ بالکل ہی نماز چھوڑ دیں گے۔ غرض باعث طلب یہ امر ہے کہ نماز جمعہ جائز ہے یہاں پر یا نہیں؟

**الجواب از: د——————لی:**

ان حالات میں نماز جمعہ جاری رکھی جائے، بند کرنا درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

اس استفتاء کا جواب جس سے قبل مظاہر علوم سے جا چکا تھا، اس کے بعد یہ استفتاء مع جواب آیا جس کا جواب مندرجہ ذیل ہے:

**الجواب حامداً و مصلیاً:**

یہاں کا جواب تو آپ تک پہنچ چکا ہے، جس شخص کو عمل کرنا ہوتا ہے وہ کسی ایسے شخص سے جس پر اعتماد ہو ایک دفعہ دریافت کر کے عمل کر لیتا ہے، جس کو عمل نہ کرنا ہو وہ مختلف اشخاص سے دریافت کرتا ہے کہ دیکھیں فلاں جگہ سے کیا جواب ملتا ہے اور فلاں جگہ سے کیا، اگر کہیں دو جگہ سے مختلف جواب ملا تو اس کو شور مچانے اور گالیاں دینے کا ذریعہ بنا لیتا ہے، ایسے شخص کا مقصود درحقیقت عمل کرنے کے لئے دریافت کرنا نہیں ہوتا۔ اب آپ کے سامنے دونوں قسم کے جواب موجود ہیں، جاہل لوگ علماء کو گالیاں دیتے ہیں اور آپ مختلف مقامات سے مسئلہ دریافت کر کے اور مختلف جوابات حاصل کر کے ان جاہلوں کو سنا کر گالیاں دلواتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔

اب دوبارہ یہاں بھیجنے سے بھی غالباً مقصود ہوگا کہ یہاں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتویٰ کی تردید کی جائے تاکہ آپ ان جاہلوں کو سنا کر تماشا اور گالیاں دلوائیں کہ دیکھو مولوی آپس میں لڑتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں، یا یہ مقصود ہوگا کہ یہاں سے پہلے فتویٰ کے خلاف جواب دیا جائے تاکہ عوام جاہلوں کو آپ سنائیں کہ دیکھو ایک فتویٰ دیا پھر دوبارہ اس کے خلاف فتویٰ دے دیا، ایک بات پر قرار نہیں، اور پھر وہ عوام گالیاں دیں، جس سے آپ کو مزہ آئے اور آپ خیرخواہانہ طریقہ سے اظہار ہمدردی کریں کہ عوام جب گالیاں دیتے ہیں ہمیں بہت افسوس ہوتا ہے۔

اگر آپ عالم ہیں تو کتب فقہ و حدیث میں دلائل موجود ہیں دیکھ کر اطمینان کر لیجئے، اگر آپ جاہل ہیں تو جس پر اعتماد ہو اس سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کیجئے، مختلف مقامات پر سوال بھیجنے اور جواب منگانے کی ضرورت نہیں۔ رہا جاہلوں کے گالیاں دینے کا قصہ سو آپ نے خود ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ "ہم ان مولویوں اور حدیثوں کو نہیں مانتے" اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نہ مولوی کی ضرورت ہے، اور نہ حدیث کی، نہ وہ کسی سے مسئلہ پوچھیں اور نہ عمل کریں۔ پھر تو گالیاں دینے کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں کہ مسئلہ کا جواب مختلف ہے تب ہی گالیاں دیں، بلکہ وہ تو ہر طرح گالیاں دیں گے، اس کا علاج نہ میرے قبضہ میں ہے نہ آپ کے قبضہ میں۔

اگر آپ کو علم دین اور علماء سے ہمدردی ہے تو ایسی حرکت نہ کیجئے جس سے عوام مشتعل ہو کر گالیاں دیں، بلکہ نہایت نرمی اور حسن تدبیر سے ان کو سمجھا دیجئے کہ مسائل میں اختلاف اب سے نہیں، بہت پہلے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور اس سے گھبرا کر حدیث کو اور علم دین کو چھوڑ کر بیٹھنا تو بہت بڑی جہالت ہے، بلکہ اس اختلاف میں تو ہر شخص کو ایک قسم کی گنجائش ہے کہ جس عالم کے قول پر عمل کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں سہولت ہوگی، جواب دہی جو کچھ ہوگی وہ خود ان عالموں کے ذمہ ہے کہ جن سے پوچھ کر ہم نے عمل کیا ہے، ہماری گرفت نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ذی قعدہ/۵۸ھ۔

## بستی میں نماز جمعہ بند کرنے سے لوگ فرض نماز، روزہ چھوڑ دیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۴۰۲]: ہمارے گاؤں کی آبادی اس وقت ۱۰۰۰ ہے، ہر چیز کی دکانیں ہیں، تمام ضرورتیں ایک قصبہ دو میل پر ہیں، وہاں سے سب ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں، آپ کے پاس جن لوگوں نے دیئے تھے جمعہ کے بارے میں، آپ نے بند کرادیا، یہ لوگ نہ رمضان کے روزے رکھیں گے، نہ تراویح پڑھیں گے اور نہ نماز پڑھیں گے اور نہ خیرات زکوۃ دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"شرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر، حتى لا تصح في قرية ولا مفازة لقول علي رضي الله تعالى عنه: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في

مصر جامع أو في مدينة عظيمة". رواه ابن أبي شيبة، وصححه ابن حزم، وكفى بقوله قدوة وإماماً الخ". البحر الرائق، ص: ۱۴۰ (۱)۔

حافظ عینی نے شرح بخاری میں ابو زید کی "کتاب الاسرار" سے اس کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے (۲)۔

بذل المجہود (۳) اور اوجز المسالک (۴)، اعلاء السنن (۵)، آثار السنن (۶)، مرقاۃ (۷) سب کتابوں میں یہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ کے آس پاس چھوٹے گاؤں تھے جن کو "عوالی" کہا جاتا ہے، وہاں جمعہ نہیں پڑھا جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہاں جمعہ کے لئے نہیں فرمایا، وہاں کے لوگ باری باری جمعہ کے لئے مدینہ پاک میں حاضر ہوا کرتے تھے، یہ بخاری شریف میں موجود ہے (۸)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيدية)

(۲) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع .... إلى أن زيد زعم في الأسرار أن محمد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ وسراقة بن مالك رضي الله تعالى عنهما". (عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، وذكر ما يستفاد منه: ۶/۱۸۸، منيرية، بيروت)

(۳) (رواه الشيخ خليل أحمد السهارنفوري رحمه الله في البذل، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، امداديه)

(۴) (رواه شيخ الحديث مولانا زكريا رحمه الله في أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل في قرية يوم الجمعة: ۲/۳۴۵، ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۵) (رواه الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى في إعلاء السنن في كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچي)

(۶) (رواه الشيخ محمد بن علي رحمه الله تعالى في آثار السنن في كتاب الصلاة، باب لا جمعة إلا في مصر جامع، ص: ۲۴۲، امداديه ملتان)

(۷) (رواه الملا علي القاري رحمه الله تعالى في مرقاة المفاتيح، في كتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۳/۲۰۷، رشيدية)

(۸) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها - زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي، فيأتون في الغبار يصيبهم الغبار" الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة الخ: ۱/۱۲۳، قديمي)

نے بنی عمرو بن عوف کی بستی میں قیام فرمایا اور وہاں جمعہ بھی آیا مگر جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بخاری شریف (۱) اور اس کی شرح فتح الباری میں یہ مذکور ہے (۲)۔

میں نے تو حدیث شریف کا حوالہ دے دیا لیکن آپ نے جو کلمات لکھے ہیں جن پر سب نے لکیر کھینچ دی، آپ ان کو لکھ کر کسی عالم سے جس پر آپ کا اعتماد ہو دریافت کرلیں کہ ایسا لکھنا شرعاً کیسا ہے، اس سے ایمان تو برباد نہیں ہوجاتا اور ایسا لکھنے پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اس کی مکافات کس طرح کی جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## بستی میں نماز جمعہ سے منع کرنے کی صورت میں لوگوں کی ملامت کا خوف ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال [۴۰۲۴]: ایک جگہ ایسی بستی ہے جہاں احناف کے مذہب کی بنیاد پر جمعہ نہیں ہوتا لیکن وہاں بہت دنوں سے صلوۃ جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے تو اب صلوۃ جمعہ وہاں پڑھی جائے یا نہیں؟ جب کہ چھوڑ دینے سے لوگوں کی ملامت کا خوف ہو؟ ویسے تو لوگ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو ایک پنجوقتی نماز نہیں ادا کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل رہتے ہیں، اب اگر جمعہ کی نماز سے منع کردیا جائے تو غفلت میں اور بھی زیادتی ہوجائے گی اور غفلت میں زیادتی شریعت مطہرہ میں کہاں جائز ہے؟

---

(۱) "أن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: لم أعقل أبوي قط إلا وهما يدينان الدين" ... وذكر الحديث ...... وفيه: "فلبث رسول الله صلى الله عليه وسلم في بني عمرو بن عوف بضع عشرة ليلة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۵۵۵، قديمي)

(۲) (رواه ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى في فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم: ۷/۳۰۲، قديمي)

(۳) بظاہر مستفتی کا انداز تحکم: میرے کہ اگر اس طرح جمعہ بند کرا دیا گیا تو اس کے مقابلے میں سارے لوگ نماز ادا کرنا وغیرہ کا ترک کرکے ادائیگی چھوڑ دیں گے، زیر الفاظ اہانت کے تحت ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو احتیاطاً تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے: "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وتجديد النكاح بينه وبين امرأته احتياطاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک غلط کام اگر پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہو تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہایت شفقت، ہمدردی سے حسنِ تدبیر سے اس کی اصلاح کی جائے، اس کی اجازت نہیں کہ غلط کام کی تائید کر کے اس کو اور بھی پختہ کر دیا جائے، جو پانچ وقت کا فرض ادا نہیں کرتے تو اس کا وبال وعذاب ذہن نشین کرایا جائے کہ یہ کس قدر خطرناک حالت ہے، احادیث میں اس پر کس قدر وعید ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جوازِ جمعہ میں اختلاف ہو تو راہِ عمل کیا ہے؟

سوال [۳۷۴۲]: بعض جگہوں پر بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے، اور بعض جگہوں پر بعض علماء جوازِ جمعہ کا فتویٰ دیتے ہیں اور بعض عدمِ جواز کا، مثلاً مذکورہ بستی ہی ہے یہاں بھی بعض علماء جو کہ یہاں آتے بھی رہتے ہیں مگر وہ جمعہ نہیں پڑھتے، عدمِ جواز کے قائل ہیں، اور بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں اور جواز کے قائل ہیں۔ اور یہاں کے تمام مدرسین جو کہ عالم بھی ہیں، جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عالم اور متقی پر زیادہ اعتماد ہو اس کی بات پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## احتیاط مذہب حنفی میں ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ نہیں

سوال [۳۷۴۳]: حضرت مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ "جمعہ کے معاملہ میں اگر امام شافعی رحمہ اللہ

---

(۱) "جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑنے سے لوگ نماز پنج وقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہیے تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں، ان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہیے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۳/۲۳۵، دار الاشاعت)

"وفی المجتبی عن الحلوانی أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس، لا یمنعون؛ لأنهم إذا منعوا ترکوها أصلاً، وأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلاً".

(رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۷۱، سعید)

تعالیٰ کے قول پر احتیاط ہوتی تو میں اس پر فتویٰ دے دیتا، مگر احتیاط حنفی مذہب میں ہے"۔ تو جس گاؤں میں اختلاف قریہ اور مصر ہونے میں ہو، اس میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے، احتیاط حنفی مذہب پر عمل کرنے میں ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۵/ ۹۵ھ۔

## جمعہ کی نماز میں شوافع کے یہاں کتنے آدمی ضروری ہیں

سوال[۴۴۴۴]: ۱..... ایک قریہ میں شافعیوں کی دو مسجدیں ہیں: ایک مسجد میں جمعہ میں بیس آدمی، دوسری میں تیس آدمی جمع ہوتے ہیں۔ چونکہ شافعی مذہب میں جمعہ کے لئے یہ افراد شرط ہیں، باوجود ہونے کے یہ دونوں مسجد والے ایک جگہ جمع نہیں ہوتے، الگ الگ ہی نماز پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک قول میں نماز جمعہ کے لئے بارہ آدمی بھی کافی ہیں۔ کیا یہ قول صحیح ہے؟

### ایضاً

سوال[۴۴۴۵]: ۲..... ایک قریہ میں چند روزی گھر ہیں، ایک ہی مسجد ہے جمعہ میں محض تیرہ چودہ آدمی ہوتے ہیں، شوافع کے لئے نماز جمعہ کے واسطے مذکورہ قول کفایت کرتا ہے کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... الدراسات اللبیبہ ۲/ ۱۵۳، میں متعدد اقوال بیان کئے ہیں، چالیس کے عدد کو معتمد لکھا ہے، بارہ کا عدد امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے(۱)۔ سیوطیؒ نے الحاوی للفتاویٰ: ۱/ ۶۶ میں ارجح المذاہب اس چیز کو لکھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت میں جمع کثیر ہونا چاہیے، کوئی عدد معین ضروری نہیں(۲)۔ چالیس کے عدد کو دیکھی

---

(۱) (لم اظفر علیہ)

(۲) "الرابع عشر: جمع کثیر بغیر قید، وھذا مذھب مالک ..... قال الحافظ ابن حجر فی شرح البخاری: لعل ھذا المذھب أرجح المذاھب من حیث الدلیل، وأقول: ھو کذلک، لأنہ لم یثبت لی شیئ من الأحادیث تعیین عدد مخصوص وأنا أبین ذلک". (الحاوی للفتاویٰ: ۱/ ۷۷، باب صلوٰۃ الجمعۃ، ضوء الشمعۃ، دارالفکر- بیروت)

کے اعتبار سے قوی قرار نہیں دیا لہٰذا اسی یا تیس آدمی اگر جماعت میں ہوں تب بھی بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مزید تحقیق اپنے مذہب کی شوافع بتاسکیں گے، حنفیہ کے نزدیک تو اس جماعت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں بشرطیکہ وہ قریہ کبیرہ ہو۔

۲…شوافع کے نزدیک صرف جماعت میں شریک ہونے والوں کا عدد مذکور کافی نہیں، بلکہ دیگر شروط بھی ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

## بازار کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال[۴۲۷۷]: مسجد درگاہ حضرت شاہ کلیم اللہ میں نماز پنجگانہ، نماز عیدین، تراویح رمضان باقاعدہ مسلسل ہوتی ہے، مسجد کشادہ اور مسجد سے متعلق کئی مارکیٹ، سبزی مارکیٹ، کوٹ چھوٹن مارکیٹ، کوتر مارکیٹ وغیرہ واقع ہے، ہمہ وقت زائرین کی آمد ورفت رہتی ہے، مسجد سے ملحق مارکیٹ اور بازار وغیرہ کا طویل سلسلہ ہے، دوطرفہ مسجد سے متصل شاہراہ پر ہردم مسلم مسافروں کی آمد ورفت بھی رہتی ہے۔ کیا مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ مسجد آبادی سے دور شہر سے خارج نہیں ہے جیسا کہ تحریر سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو یہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۹ھ۔

---

(۱) "ولكن لا تنعقد الجمعة بالعدد المطلوب، وهو أربعون بالمسافر، بل لابد من كون الأربعين متوطنين، فالاستيطان شرط الانعقاد لا شرط الوجوب للجمعة، كما أن شرط صحة الجمعة هو وقوعها في بناء لا صحراء". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۱۲۸۹، كتاب الصلوة، المبحث الثاني: صلاة الجمعة، المطلب الثالث، رشيديه)

(وكذا في المجموع شرح المهذب للنووي: ۴/۳۲۳، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، دارالفكر بيروت)

(۲) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، –

## اگر بغیر جمعہ کے مسجد آباد نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال[۳۷۴۷]: ہم لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس سے دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں پر مسجد غیر آباد ہے، صرف جمعہ کی وجہ سے مسجد آباد ہو سکتی ہے تو اس جگہ جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں، مسجد آباد ہو یا ویران ہو، جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ پانچوں وقت اذان وجماعت کا انتظام واہتمام کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جس مسجد میں پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو اس میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۴۸]: موضع دیولی میں جمعہ کے سب شرائط ہیں، آبادی تین ہزار سے زائد ہے،

---

= أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"وأما شروط الأداء فستة أيضاً. الشرط الأول: المصر أو فناءه، فلاتجوز في القرى ... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، انتهى" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"وأما شروط الأداء فستة أيضاً. الشرط الأول: المصر أو فناءه، فلاتجوز في القرى" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

مسلمانوں کے گھر چودہ سو کے قریب ہیں، یہاں ایک مسجد ہے جمعہ ہوتا ہے مگر مسجد میں پانچ وقت نماز نہیں ہوتی نہ جماعت کے ساتھ نہ بلا جماعت، کوئی آدمی آگیا تو پڑھ لیا، اکثر لوگ نماز نہیں پڑھتے صرف جمعہ، عید، بقر عید ہوتی ہے، ان حالات میں جمعہ صحیح ہوگا؟ اور موضع پہاڑپور کی آبادی چودہ سو کے قریب ہوگی، چوبیس گھر مسلمانوں کے ہیں، یہاں دو مسجدیں ہیں، ۲۰۵/ دوکانات ہیں، مسجد میں جمعہ پہلے سے ہوتا آرہا ہے، پنجوقتہ نماز بھی کبھی جماعت سے کبھی بلا جماعت، جمعہ میں تیس چالیس آدمی شریک ہوجاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیوگلی میں جمعہ کے شرائط موجود ہیں یعنی گلی کوچے ہیں، ڈاک خانہ ہے، بازار ہے، ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے، یعنی بڑا [illegible] مردم شماری ہے تو وہاں جمعہ بھی درست ہے اور عید بھی (۱)۔ مگر وہاں کے لوگوں کو لازم ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کا بھی اہتمام کریں، کسی کو اذان وامامت کے لئے مقرر کریں اور سب نماز پڑھا کریں ورنہ سخت وبال میں گرفتار ہوں گے اور سب پر نحوست طاری رہے گی (۲)۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالى عنه "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن". (أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۳۹۳، إدارة تاليفات اشرفيه، ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن أثقل صلاة على المنافقين صلاة العشاء وصلاة الفجر، ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبواً، ولقد هممت أن آمر رجلاً بالصلاة فتقام، ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار".

قال عبد الله رضي الله تعالى عنه: لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه.

موضع پہاڑ پور آپ کی تحریر کے مطابق چھوٹا گاؤں ہے وہاں جمعہ درست نہیں، جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز ادا کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۷ھ۔

## گھر یا حجرہ میں جماعت یا جمعہ

سوال [۴۰۷۹]: حجرہ یا گھر میں ۲۰، ۲۰ طالب پنجوقتی نماز ادا کرتے ہیں، قریب آس پاس میں جامع مسجد بھی موجود ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو کیا گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جمعہ کی نماز ہوگی تو آس پاس کے محلہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں پارٹی بازی، جھگڑا ہوسکتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر نماز کو مسجد میں ادا کیا جائے، مسجد کو چھوڑ کر بلا عذر شرعی گھر میں نماز کا اہتمام کرنا مسجد کے حق کو تلف کرنا ہے، خاص کر نماز جمعہ اس کے لئے جامع مسجد کا اہتمام کیا جائے، اپنے ذاتی گھر میں ہرگز جمعہ نہ پڑھا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

= أو مريض إن كان ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة. وقال: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم علمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلاة في المسجد الذي يؤذن فيه".

"عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: من سره أن يلقى الله تعالى غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فإن الله تعالى شرع لنبيكم سنن الهدى وإنهن من سنن الهدى ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته، لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة، بيان التشديد في التخلف عنها الخ: ۱/۲۳۲، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۱۸۰، رقم الحاشية: )

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لو أن رجلاً دعا الناس إلى عرق أو مرماتين، لأجابوه وهم يدعون إلى هذه الصلوة في جماعة فلا يأتونها، لقد هممت =

## جیل یا گھر میں جمعہ

سوال [۳۷۵۰]: چند حضرات سیاسی جدوجہد کے سلسلہ میں نظربند و گرفتار ہیں، نماز جمعہ کے متعلق انہیں خیال رہتا ہے کہ بحالتِ اسیری و مجبوری ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا انہیں ظہر پڑھنی چاہیے یا جمعہ؟ براہِ کرم مختلف فقہی مذاہب کی جزئیات کا انتخاب فرماتے ہوئے حنفی مسلک کو دلائل و شواہد کے ساتھ واضح فرمایا جائے کہ ہمارے اہلِ علم حضرات اس سے روشنی پاسکیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قال ابن نجيم: "والإذن العام، أي تشترط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلوة الجمعة، لا تجوز، كذا في الخلاصة

---

= أن آمر رجلاً أن يصلي بالناس في جماعة، ثم أنصرف إلى قوم سمعوا النداء فلم يجيبوا فأضرمها عليهم ناراً، إنه لا يتخلف عنها إلا منافق"

"قال الشيخ ظفر أحمد العثماني نور الله مرقده: "قلت: دلالته على الجزء الأول ظاهرة حيث بولغ في تهديد من تخلف عنها وحكم عليهم بالنفاق، ومثل هذا التهديد لا يكون إلا في ترك الواجب، ولا يخفى أن وجوب الجماعة لو كان مجرداً عن حضور المسجد لما هم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بإحراق البيوت على المتخلفين لاحتمال أنهم صلوها بالجماعة في بيوتهم، فثبت أن إتيان المسجد أيضاً واجب كوجوب الجماعة". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وجوب إتيان الجماعة في المسجد: ۱۹۲/۴، إدارة القرآن، كراچي)

"وقال ابن مسعود: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم علمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه". وفي رواية قال: "من سره أن يلقى الله تعالى غداً مسلماً، فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فإن الله تعالى شرع لنبيكم سنن الهدى، وإنهن من سنن الهدى، ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم" الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها الخ: ۲۳۲/۱، قديمي)

اھ، بحر: ۲/ ۱۵۱ (۱)، کذا فی البدائع: ۱/ ۲۶۹ (۲) و شرح المنیۃ الکبیر، ص: ۵۱۸ (۳)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ صحتِ جمعہ کے لئے اذنِ عام شرط ہے، اگر جیل کا دروازہ بند ہو کہ وہاں جانے کی عام اجازت نہ ہو تو وہاں جمعہ درست نہیں، ظہر ادا کی جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۲۶۳، رشيدية)

(۲) "وذكر في النوادر شرطاً آخر لم يذكر في ظاهر الرواية وهو أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى أن أميراً لو جمع جيشه في الحصن وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة، لا تجزئهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، الجماعة من شروط الجمعة: ۱/ ۶۰۳، رشيدية)

(۳) "الشرط السادس: الإذن العام، حتى لو أن السلطان أو الأمير إذا أغلق باب قصره، وصلى فيه بحشمه، لا تجوز جمعته، وإن فتحه وأذن للناس بالدخول، جازت سواء دخلوا أو لا، وذلك لما مر غير مرة أنها شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها، والإذن العام والأداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات، فلا تجوز بدونه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۸، سهيل اكيدمي لاهور)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: أذن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الجمعة قبل أن يهاجر، ولم يستطع أن يجمع بمكة، فكتب إلى مصعب بن عمير رضي الله تعالى عنه: "أما بعد، فانظر اليوم الذي تجهر فيه اليهود بالزبور، فاجمعوا نساءكم وأبناءكم، فإذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة، فتقربوا إلى الله بركعتين" قال: فهو أول من جمع حتى قدم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر وأظهر ذلك".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني: "قلت: وفيه دلالة على اشتراط الجمعة أن تؤدى على سبيل الاشتهار لما فيه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أذن الجمعة قبل أن يهاجر، ولم يستطع أن يجمع بمكة .. ولا يخفى أن مكة موضع صالح للجمعة حتماً لكونها مصراً، ولم يكن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عاجزاً عن الوقت ولا عن الخطبة والجماعة لأجل كونه مختفياً في بيته، فإنه كان يقيم سائر الصلوات بالجماعة كذلك، ولكنه لم يستطع أن يؤدي الجمعة على سبيل الاشتهار والإذن العام لما فيه من مخافة أذى الكفار وهجومهم على المسلمين، ففيه دليل قوي للحنفية باشتراط الإذن العام للجمعة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب أن وقت الجمعة بعد الزوال: ۸/ ۳۵، ۳۶، إدارة القرآن، كراتشي)

(۴) "اگر جیل میں حکومت کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت ہو اور جیل کے دروازوں کو بند کرنے کا مقصد نمازیوں کو روکنا نہ ہو بلکہ حفاظت ہو تو بوجوہ ذیل جزئیات سے جیل میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"۔ (احسن الفتاوی،

## قید خانہ میں جمعہ کی نماز

سوال [۳۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کی روشنی میں بابت جمعہ مبارک کی نماز کے متعلق، کیا قیدی جن کو ہر قسم کی مذہبی آزادی ہو اور کھانے پینے کا انتظام بھی ان کا اپنے ہاتھ ہو، صرف حکومت کے قانون کے مطابق اندر سے باہر جا کر جمعہ کی نماز ادا نہیں کر سکتے اور ایک جگہ ہزاروں ایسے آدمی موجود ہوں اور ایک جگہ پر نماز جمعہ پڑھ سکتے ہوں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس وقت ہم لوگ جمعہ کی نماز برابر پڑھتے رہتے ہیں اور بعض عالموں نے یہ رائے دی کہ جمعہ کی نماز قیدیوں یا نظر بند کئے ہوئے لوگوں کو پڑھنی جائز نہیں بلکہ ظہر بھی منع ہے۔ اس لئے آپ بھی خلاصہ حدیثوں کی روشنی میں تحریر فرمائیں تاکہ تسلی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ حالات کے تحت وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، درمختار اور شامی میں یہ مسئلہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

---

= كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۳/۱۴۲، سعيد)

"(و) السابع (الإذن العام) ... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدرالمختار).

"(قوله: وقصره) قلت: و ينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت، فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

(۱) "اگر جیل میں حکومت کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت ہو اور جیل کے دروازوں کو بند رکھنے کا مقصد نمازیوں کو روکنا نہ ہو بلکہ محض حفاظت مقصود ہو، تو جزئیات سے جیل میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"۔ (احسن الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۴/۱۲۲، سعيد)

"(و) السابع (الإذن العام) ... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدر المختار). "(قوله: وقصره) قلت: و ينبغي أن =

## فیکٹری میں جمعہ

سوال [۳۷۵۶]: ایک مدت سے یہاں ایک استفتاء رکھا ہے جس کا جواب پورے طور پر کچھ سمجھ میں نہ آنے کی بنا پر نہیں دیا جاسکا جس کی خاص وجہ امداد الفتاویٰ میں ذکر کردہ ایک فتویٰ ہے، پھر شامی وغیرہ کی عبارتوں کا محمل تجویز کرنے میں الجھن ہے۔ استفتاء درج ذیل ہے:

یہ ہے ایل فیکٹری (یعنی کانپور اسٹیل فیکٹری) میں نماز جمعہ گذشتہ چھ سات سال سے ہوتی چلی آرہی ہے اور مسجد فیکٹری سے میل سوا میل کے فاصلہ پر ہے، وقت طعام صرف آدھ گھنٹہ (ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک) مقرر ہے۔ ایسی صورت میں مسجد تک پہنچنا اور نماز ادا کرنا محال ہے اور عوام کی نماز میں شرکت ممنوع ہے کیوں کہ مسجد فیکٹری کی حد میں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ ملازمین فیکٹری کی نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوئی تو گذشتہ نمازوں کا اعادہ کس طرح کیا جائے؟ پھر اگر یہاں جمعہ نہ ہو تو کیا دوسری فیکٹری میں تبادلہ کرالیا جائے جہاں نماز کی سہولت ہو، یا یہیں جمعہ اور احتیاط ظہر دونوں پڑھ لیں؟ امید ہے کہ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں گے۔ امداد الفتاویٰ ۱/۱۱۲ میں ایک قلعے کے اندر رہنے والوں کی نماز سے متعلق تحریر ہے:

الجواب:

"اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا مقصود نہ ہو، باقی روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو وہ اذن عام میں مخل نہیں:

في الدر المختار: والإذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي. فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة، لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلي. نعم! لو لم يغلق لكان أحسن اهـ. في رد المحتار: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده

---

▪ يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ٢/١٥٢، سعيد)

التعجیل". انتہی (۱)۔ پس بنا بر روایت مذکورہ اس قصبہ میں نماز جمعہ درست ہے" (۲)۔

احقر کے خیال میں ہے کہ استفتاء میں مذکورہ صورت امداد الفتاوی میں ذکر کردہ قلعہ والی صورت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت کے فتوی اور پھر مذکورہ بالا عبارت کتب سے جواز کی گنجائش آتی ہے کیونکہ فیکٹری میں عوام کے جانے کی ممانعت مصلحۃً ہے، مقصود عوام کو نماز سے روکنا نہیں بلکہ فیکٹری کے حفاظتی انتظامات کے تحت ہے اور اس میں کام کرنے والوں میں سے کسی کو ممانعت نہیں ہے۔ مزید حضرت شامی کا قول اور زیادہ جواب کا معین ہے۔ امداد الفتاوی میں ایک اسی قسم کے سوال کا جواب ان الفاظ میں بھی دیا گیا ہے کہ "جس جگہ پر عام ممانعت ہے وہاں سے باہر نکل کر کسی میدان میں جمعہ پڑھ لیں"۔ اس فیکٹری میں بھی کام کرنے والوں کے لئے بھی ایک صورت یہ نکل سکتی ہے۔ اب حضرت والا کی خدمت میں یہ استفتاء بغرض دریافت ارسال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت کے مطابق مذکورہ فیکٹری میں بھی جمعہ کی اجازت ہے، گر باہر نکل کر پڑھنے کا موقع ہو تو اس کی بھی اجازت ہے کیونکہ مسجد کا ہونا جواز کی شرط نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۳ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۵۲، سعید)

(۲) (امداد الفتاوی، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ والعیدین: ۱/۶۱۴، ۶۱۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۳) "لو صلی الجمعۃ فی قریۃ بغیر مسجد جامع والقریۃ کبیرۃ لها قری وفیها والٍ وحاکم، جازت الجمعۃ بنوا المسجد أو لم یبنوا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوۃ، فصل فی صلاۃ الجمعۃ، ص: ۵۵۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

"والحکم غیر مقصور علی المصلی، بل یجوز فی جمیع أفنیۃ المصر، لأنها بمنزلتہ فی حوائج أهله". (الهدایۃ، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۱/۱۴۸، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ: ۱/۱۴۵، رشیدیہ)

### ہوسٹل میں جمعہ

سوال[۲۰۰۳]: ہماری آبادی سے قریب ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک ہوسٹل ہے جس کے قرب وجوار میں مکان بھی ہے، یہاں عبادت گاہ بنائی گئی جو صرف کمرہ نما ہے، وقت پر نماز پنجگانہ وہاں سے ہوتی ہے، لیکن کچھ حضرات کا اعتراض ہو رہا ہے کہ نماز جمعہ وہاں ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ آبادی میں نہیں ہے اور مسجد نہیں ہے، ہوتے طلبا مختلف علاقے کے اس ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ اب آپ مطلع فرمادیں کہ نماز جمعہ وہاں پر درست ہے یا نہیں؟ اس مقام کی آبادی اٹھارہ ہزار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کالج اور ہوسٹل بھی شہر کی ضروریات میں داخل ہے اس لئے یہ مقام بھی شہر کی طرح ہے۔ اگر اس شہر میں شرائط جمعہ موجود ہیں تو وہاں بھی جمعہ درست ہے، جمعہ کے لئے باقاعدہ مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے، جو جگہ عبادت کے لئے بنا رکھی ہے وہاں جمعہ بھی ادا ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

### کواڑ بند کر کے نماز جمعہ

سوال[۲۰۵۲]: نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند رکھنا کیسا ہے؟ اگر کواڑ بند کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز میں کچھ فرق آیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کے کواڑ بند نہ کئے جائیں، وہاں اذن عام ضروری ہے ورنہ نماز

---

(۱) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى وفيها والحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلته في حوائج أهله". (الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

درست نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۲۹ ۱۴۰۶ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆



(۱) "(و) السابع (الإذن العام)". (الدر المختار). "(قوله: الإذن العام): أي أن يأذن للناس إذناً عاماً بأن لا يمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

"الشرط السادس: الإذن العام حتى لو أن السلطان أو الأمير إذا أغلق باب قصره و صلى فيه بحشمه، لا تجوز جمعته، وإن فتحه وأذن للناس بالدخول، جازت سواء دخلوا أو لا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة من شروط الجمعة: ۱/۲۰۳، رشيديه)

# الفصل الثالث في تعدد الجمعة

## (متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

### تعددِ جمعہ

سوال[۳۷۵۵]: اس بستی میں دو مسجدیں ہیں اور پہلے جمعہ جامع مسجد میں ہوتا تھا، لیکن ایک مولوی صاحب نے کسی وجہ سے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کردیا، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب جمعہ ایک مسجد میں ہونا چاہیے یا کہ دو مسجدوں میں ہونا چاہیے؟

محمد یاسین، موضع بہائی، تحصیل دسوہا، ضلع بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ تمام مسلمان جمع ہوکر ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کریں، بلا ضرورت دو جگہ جمعہ نہ کریں، ضرورت پیش آنے پر دوسری جگہ بھی مضائقہ نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

### ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ

سوال[۳۷۵۶]: ہمارے گاؤں کی تقریباً پونے چھ ہزار مردم شماری ہے جس میں ۲/۳ مسلمان حضرات موجود ہیں، اس میں ایک جامع مسجد ہے جس میں تمام مسلمان نمازِ جمعہ ادا کرتے چلے آرہے ہیں، دوسرے محلہ والوں کو جامع مسجد کے امام صاحب سے اور کسی دوسرے صاحب سے شکایت پیدا ہوگئی، انہوں نے جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے محلہ کی مسجد میں ہی جمعہ قائم کرلیا، اس کے بعد تیسرے محلہ والوں نے بھی اپنی

---

(۱) "وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۹، رشيدية)

شکایت پیدا ہوگئی تو انہوں نے بھی اپنے محلہ کی مسجد میں جمعہ قائم کرلیا، اس صورت میں چار جگہ جمعہ ہونے لگا۔ اب نمازیوں کا حال ... یہ حال ہے کہ ۲۵، ۲۵ یا ۳۰، ۳۰ آدمی نماز جمعہ میں ہوتے ہیں، جامع مسجد میں اس سے کچھ زائد ہوتے ہوں گے۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ:

۲ چار جگہ جمعہ ہونے کی صورت میں شریعت مطہرہ کے نزدیک جمعہ کی حیثیت اور جو مقصد ہے وہ باقی رہتا ہے یا فوت ہو جاتا ہے جب کہ نمازیوں کی بھی اتنی کم تعداد ہو؟

۳ ... چاروں جگہ جمعہ قائم رہنے دینا چاہیے یا نہیں، یا سب جگہ بند کرکے صرف جامع مسجد ہی میں جمعہ ادا کیا جائے؟

۴ ..... میرے گاؤں میں جو علماء رہتے ہیں ان کو جامع مسجد کے علاوہ اور مساجد میں جمعہ بند کرنے اور صرف جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے پڑھوانے کی جدوجہد کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگر علماء اس بات کی جدوجہد نہ کریں تو وہ شرعاً مجرم ہوں گے یا نہیں؟ جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر علماء کوشش کریں تو میرے گاؤں میں سب مساجد سے جمعہ بند ہو سکتا ہے اور صرف جامع مسجد ہی میں سب لوگ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؟

۵ .. جمعہ بند کرانے کی کوشش کی گئی تو جن مساجد میں جمعہ ابھی فی الحال شروع ہوا ہے انہوں نے یہ بات کہی کہ قصبہ چودھریاں میں جمعہ بند کرادو، وہ ہم سے پہلے پڑھتے ہیں اور اس محلہ میں عموماً پٹھان رہتے ہیں اور وہ عموماً بھی اپنے محلہ کی مسجد ہی میں جمعہ پڑھتے ہیں، اگر ان کے لئے جائز ہے تو ہمارے لئے بھی جائز ہے۔ اس محلہ کی مسجد والوں سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں تو جمعہ چالیس سال سے ہوتا ہے، ہم کیسے بند کریں۔ تو کیا ان کا یہ عذر شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر عذر شرعاً درست نہیں تو جمعہ بند کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۶ اگر میرے گاؤں کے علماء جامع مسجد کے علاوہ اور مسجدوں سے جمعہ کو بند کرانے کی جدوجہد کریں لیکن قصبہ والے جمعہ بند نہ کریں تو جس محلہ میں جو علماء رہتے ہیں وہ اپنے محلہ کی مسجد میں جمعہ ادا کریں یا نماز جمعہ کے لئے ان کا جامع مسجد میں آنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ... جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہار شوکت ہے جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے زیادہ واضح طور پر حاصل ہوتا ہے، بلا ضرورت جگہ جگہ جمعہ کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے یہ طریقہ

نا پسند ہے(۱)۔

۲... بہتر یہ ہے کہ سب متفق ہوکر جمعہ ایک ہی (جامع) مسجد میں پڑھیں اور جھگڑا بند کردیں، لیکن اگر بند کرنے میں فتنہ وفساد ہو تو اس سے پرہیز کریں(۲)۔

۳... اگر بغیر فتنہ کے بند کرسکتے ہیں تو بند کرکے جامع مسجد میں جایا کریں اس سے دوسروں کو بھی اجر ملنے کی توقع ہے(۳)۔

۴... ترغیب وتذکیر کے طور پر سعی کرنا مناسب وافضل ہے، اگر سعی نہیں کریں گے تو افضل کے تارک ہوں گے(۴)۔

---

(۱) "الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاوناً بها، طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة، وسبقهم إلى الزيادة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل: هديه صلى الله عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۳۱، دار الفكر بيروت)

(۲) فتنہ وفساد کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منع کیا گیا ہے۔ قال العلامة علي القاري: "وشرطهما: (أي الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر) أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل فيستحسن إظهار الشعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۹۲۲، رشيدية)

(۳) "عن تميم الداري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: "وأما نصيحة عامتهم: وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم ...... وأمرهم بالمعروف، ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم ... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ" (الصحيح لمسلم مع شرح للنووي، كتاب الإيمان، باب: أن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۴) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

۵ عوام تو علماء کے فعل سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ ان کا جواب اتنی پختگی سے علماء حضرات خوب سمجھتے ہیں وہ اگر افضل کو اختیار کریں تو عوام کو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

یہ ہو سکتا ہے کہ ابتداءً اسی مسجد میں (جامع مسجد) کے علاوہ جمعہ شروع کیا گیا ہو، پھر رفتہ رفتہ دوسری مساجد میں بھی ہونے لگا ہو، پس اگر یہ حضرات جامع مسجد میں آنے لگیں تو کیا بعید ہے کہ دوسری مساجد والے بھی ان کا اقتداء و اتباع کرلیں اور جامع مسجد پُر ہو کر رونق اور شوکتِ اسلام کا ذریعہ ہو جائے (۱)۔ مدت (چالیس سال) کا عذر کوئی قوی اور شرعی عذر نہیں کہ یہ حضرات اگر منع کردیں گے تو قیامت میں پکڑ کا اندیشہ ہوگا۔

۶... جامع مسجد میں جا کر جمعہ ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے (۲)، جس کو زیادہ ثواب حاصل کرنا ہوگا وہ جائے گا، جو زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے وہ محلہ کی مسجد پر اس کو ترجیح کرے گا، لیکن اس کی وجہ سے اس کو مجرم اور گنہگار نہیں کہا جائے گا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست ہے اور اس سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ پڑھا جائے تب بھی:

"وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوى، شرح المجمع للعيني، وإمامة فتح القدير، دفعاً للحرج ...... اهـ". درمختار۔ "(قوله: مطلقاً) أي سواء كان المصر كبيراً أو لا الخ". (۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) (راجع ص: ۱۹۸، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاة، وصلاته في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة". (مشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، ص: ۷۲، قديمي)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد)

قوله: (وتؤدى في مصر في مواضع): أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح، لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشيدية) =

## بڑی جامع مسجد ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۷۵۷]: قصبہ نان پارہ کی آبادی تقریباً پچیس ہزار ہے، جس میں تقریباً ۱۵/ ہزار مسلمان ہیں، ان میں تقریباً ساڑھے سات ہزار مسلمان بریلوی مکتبۂ فکر کے اور ساڑھے سات دیوبندی مکتبۂ فکر کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس تعداد میں عورتوں اور بچوں کی تعداد زائد ہوگی۔ اسی طرح تقریباً ڈھائی تین ہزار ایسے مردوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جن کی نماز جمعہ کے لئے ایک ہی جامع مسجد کی ضرورت ہے کہ جہاں وہ سب نماز جمعہ ادا کرسکیں۔

تقریباً زائد یکصدی قصبہ میں جامع مسجد کے نام سے ایک کافی وسیع اور کشادہ مسجد موجود ہے اور اس میں ہمیشہ سے نماز ادا ہوتی ہے جس میں صرف دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ نماز جمعہ پڑھنے آتے ہیں، مسجد اپنی وسعت کی وجہ اپنے دامن میں سب کو لے لیتی ہے، یہاں تک کہ نماز الوداع میں جب کہ دیہات سے لوگ آجاتے ہیں، تمام مسلمان بآسانی نماز ادا کرسکتے ہیں پھر بھی جگہ باقی رہ جاتی ہے۔ بہرحال مسجد بہت کشادہ ہے جس میں ابھی تک جگہ کی تنگی کا سوال نہیں پیدا ہوا ہے۔ اس جامع مسجد ہونے کے باوجود تقریباً دس سال سے اسی مسجد سے ایک دو فرلانگ کی دوری پر دیوبند مکتبۂ فکر ہی کے لوگوں نے ایک دوسرا جمعہ قائم کر رکھا ہے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اولی الذکر جامع مسجد سے اتنی ہی دوری پر بازار میں ایک مسجد واقع ہے جس کو از سرِ نو تعمیر کرکے وسیع کیا جاچکا ہے، اب ۲۲/ جون/ ۷۹ء سے اس مسجد میں بھی نماز جمعہ قائم کرنے کی تحریک ہو رہی ہے، اس کے منتظمین بھی دیوبند مکتبۂ فکر کے ہیں۔ قیام جمعہ سے ایک ہی مکتبۂ فکر کے مسلمانوں میں انتشار ہونے کا شدید خدشہ ہے اور اس میں نماز جمعہ ہونے پر جامع مسجد کی اہمیت ختم ہوجائے گی، صرف قریب کے محلے کے چند مصلیان ہی اس میں نماز جمعہ پڑھنے والے رہ جائیں گے۔ بازار کی مسجد کا تعلق زیادہ تر سرمایہ دار اور دکاندار طبقہ سے ہے جو اپنی سہولت کے لئے جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور جامع مسجد قدیم کے متولی ایک ادارہ (انجمن اسلامیہ) تیسرا جمعہ قائم ہونے پر اس دینی ادارہ کو تحت مالی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ادارہ جو تبلیغی اور دینی تعلیم کی خدمات انجام

---

(۱) وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، (رشيديه)

## مزارعِ متعددہ میں تعددِ جمعہ

سوال [۳۷۵۸]: ایک موضع مارکھا آنت ضلع ... میں ہے، جس کا نقشہ منسلکہ عریضہ ہذا خدمت میں پیش ہے، موضع مذکور کی آبادی مردم شماری جنسہ ہذا اب کی تقریباً چار ہزار ہے، یہ آبادی چودہ مزرعہ جات جو موضع مذکور کے ہیں، مشتمل ہے۔ مزرعہ نمبر: ۵ بڑوں والی میں مسجد ہے، مسلمانان کی بڑی آبادی ہے، مسجد مذکور میں قوتیں امام بدعتی خیال کا ہے اور اس وجہ خیال نقص ہے کہ حقیقۃً اہل دیوبند کو کافر سمجھتا ہے، اپنے بیان کردہ سے کہلاتا ہے، اس کی نسبت فتاویٰ حاصل کئے جا چکے ہیں اور وہ نماز پڑھنے کے نااہل ٹھہرایا جا چکا ہے۔ چونکہ اس مزرعہ کے اکثر اشخاص جو اسی کے خیال کے ہیں، اس کی اعانت کرتے ہیں، وہ میں جماعت قائم نہیں ہونے دیتے۔ ایسی صورت ہونے سے دیگر مزرعہ جات کے مسلمان جو کافی تعداد میں ہیں نماز جمعہ پڑھنے سے محروم ہیں۔ اب چونکہ مہینہ رمضان المبارک کا عنقریب ہے، مسلمانان کی پریشانی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

واقعات مذکورہ تعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مسلمانان آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اس موضع میں دو ایک ایسے مزرعہ جات ہیں، جن میں مساجد ہیں، چونکہ مزرعہ بڑوں والی جس میں بہت سے جمع ہوتا چلا آتا ہے اس میں جملہ شرائط حسب ضرورت دستیاب نہیں ہو سکتیں، جب تک دوسرے مزرعہ جات اس کے معاون نہ ہوں، اسی کی مناسبت اول دو دوسرے مزرعہ جات کی ہے جن میں مساجد ہیں۔ اگر مزرعہ نمبر ۵ بڑوں والا میں جمعہ ہو سکتا ہے تو دوسرے مزرعہ جات نمبر: ۲، ۳، میں بھی نماز جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ درمیان میں معمولی ندی ہے اس کی وجہ سے آمد و رفت بند نہیں ہوتی۔ ہم مسلمانان موضع مارکھا آنت التجا کرتے ہیں کہ اس کے جواب سے ہمارا حوصلہ بہت جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ موضع ایک ہی ہے اور مزرعہ جات میں زیادہ فصل نہیں اور وہ مستقل آبادی نہیں بلکہ مجموعہ مل کر ایک ہی آبادی بستی ہے تو اس میں بصورتِ موجودہ دوسری جگہ جمعہ پڑھنا شرعاً درست ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک جس بستی میں جمعہ درست ہوتا ہے اس میں ایک جگہ سے زیادہ بھی درست ہے(۱)۔

---

(۱) حرجاً بیّناً وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيدية)

"(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ) مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتوی، شرح المجمع، وإمامة فتح القدیر، دفعاً للحرج اهـ". در مختار: ۲/۱۴۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۸/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: عبداللطیف غفرلہ، ۲۲/شعبان/۶۱ھ۔

## مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ میں ضرورت کے وقت جمعہ ادا کرنا

سوال [۱۵۵۹]: ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کے لئے زیادہ لوگ آگئے اور جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے مسجد کے اندر اتنی گنجائش نہ تھی کہ تمام لوگ نماز جمعہ مسجد میں ادا کر سکیں، چنانچہ تمام لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ چل کر عیدگاہ میں نماز جمعہ ادا کر لی جائے، جب کہ مسجد میں اذان ہو چکی تھی اور اذان کی آواز عیدگاہ تک پہونچ جاتی ہے۔

۱..... ایسی صورت میں عیدگاہ میں دوبارہ اذان دی جائے گی یا نہیں، جب کہ اذان ہونے کے بعد تمام لوگ مسجد سے عیدگاہ روانہ ہوئے تھے؟

۲..... ایسی صورت میں مسجد کو بالکل خالی چھوڑ کر سب لوگوں کا عیدگاہ میں نماز جمعہ ادا کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے، مسجد میں حسب سابق جمعہ پڑھنا چاہیے تھا، جو لوگ زائد رہ جاتے عیدگاہ میں جا کر ..... اذان وخطبہ کے ساتھ جمعہ ادا کر لیتے، مسجد کو خالی چھوڑنا ٹھیک نہیں تھا، اس سے مسجد کا حق ادا نہیں ہوا، حق تلفی ہوئی، عیدگاہ یا جس جگہ بھی جمعہ ادا کیا جائے اذانِ اول وثانی کے ساتھ ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۴، رشيدية)

(۲) "عن الزهري قال: سمعت السائب بن يزيد يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس -

## بدعتی امام سے بچنے کے لئے مدرسہ میں قیامِ جمعہ

سوال [۳۷۶۰]: قصبہ کھیکن گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کے تمام اراکین بدعتی ہیں اور زیادہ تر بدعتی لوگ دیوبندی عقیدہ والوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اور ہم لوگ کسی قسم کی تبلیغ بھی نہیں کرسکتے کیونکہ وہ تو ہم کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتے، پھر اپنی بات کیونکر سنے یا مانے۔

اس قصبہ میں ایک مدرسہ ہے جس کو وہ لوگ دیوبندی مدرسہ کہتے ہیں اور حقیقت بھی مدرسہ کی یہی ہے، فی الوقت مدرسہ میں پانچوں وقت نماز باجماعت معلم، طلباء و دیگر اراکین مدرسہ اسی میں ادا کرتے ہیں اور جمعہ کے روز مسجد میں جاکر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، بدعتی امام کے پیچھے اور ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ: "بدعتی کا روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، دیگر اس کے نیک افعال اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا اور اس کے نیک اعمال ایسے کردیئے جاتے ہیں جیسے آٹے میں سے بال کو"(۱)۔ ... ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

---

= الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما، فلما كان في خلافة عثمان رضي الله تعالى عنه، وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ۱/۱۲۵، قديمي)

"(وهو) أي الأذان (سنة للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (في وقتها) الخ". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

"(ويؤذن) ثانياً (بين يديه): أي الخطيب ... إذا جلس على المنبر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۷۳، رشيديه)

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يقبل الله لصاحب بدعة صوماً، ولا صلوة، ولا صدقة، ولا حجاً، ولا عمرةً، ولا جهاداً، ولا صرفاً، ولا عدلاً، يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين". (سنن ابن ماجة، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل: ۱/۶، مير محمد كتب خانه)

جواب عنایت فرمادیں کہ ہم لوگ مدرسہ میں جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں، جس کی اصل وجہ مسجد کے متعلقین اور امام کا جھگڑا ہونا ہے، وہ امام دیوبندی مسلمانوں کو سلام کرنا بھی منع قرار دیتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ میں سب کو آنے کی اجازت ہو، دروازہ کھلا رہتا ہے تو وہاں بھی جمعہ پڑھ سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "ومنها (أي من شرائط الجمعة) الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس كافة" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

"قوله: (والإذن العام): أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۳، ۲۶۲، رشيديه)

وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے: "تسن فيه بعد الأذان في الخطبتين، ولو قعد فيهما أو في إحداهما أجزأ، ويكره من غير عذر". مراقي الفلاح (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

## خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے ہو؟

سوال [۳۷۱۲]: ۱... خطبہ منبر کے تینوں زینوں میں سے کون سے زینے پر پڑھنا چاہیے، پہلے سے یا دوسرے سے یا تیسرے سے؟

۲... اگر دوسرے یا تیسرے سے پڑھنا چاہیے تو کیوں، اگر نہیں تو کیوں؟

۳... اگر کوئی پہلے سے پڑھتا ہے یا پڑھنے کو گناہ نہ سمجھے تو اس پر کیا جرم عائد ہوتا ہے؟ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد نبوی کے منبر پر دوسرے یا تیسرے پر پڑھا تھا تو اس خاص منبر کے لئے تھا یا اور کسی کے لئے بھی یہی حکم ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیگر مولائیوں کا تھا، صرف بلوائیوں کا؟

۴... علماء کا معمول کیا رہا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴... تیسرے زینے سے پڑھنا منقول ہے، پہلے اور دوسرے زینے سے پڑھنا بھی ممنوع نہیں،

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"(ويسن خطبتان) ... (بجلسة بينهما) ... (وطهارة وستر) عورة (قائماً)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۸/۲، رشيديه)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب يوم الجمعة قائماً، ثم يجلس، ثم يقوم. قال: كما يفعلون اليوم". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل: يخطب الخطبتين وهو قائم: ۲۸۳/۱، قديمي)

كذا في فيض الباري(۱)۔ حضرت عثمان پر اعتراض عامۃً مؤلفین کرتے تھے جیسا کہ فتح الباری میں تفصیل مذکور ہے(۲)، ان کی ریشہ دوانیوں سے کم سمجھ وغیر مخلصین کو بھی شبہات پیدا ہو جاتے تھے مگر وہ دیر پا نہیں ہوتے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۸۹ھ۔

## ایضاً

سوال[۲۷۴۴]: جمعہ کے دن خطیب منبر کے کس درجہ میں کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے یہ تو ظاہر ہے کہ منبر کے تین درجے اور سیڑھی ہوتی ہے لیکن (خطبہ) اولیٰ کس درجہ میں کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے، اگر کوئی پہلے درجہ میں کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے تو کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خطبہ دوسرے درجہ پر بھی ادا ہو جائے گا، تیسرے درجہ پر کھڑا ہونا افضل بات ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

## جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

سوال[۲۷۴۵]: ہمارے امام صاحب درمیان خطبہ بیٹھتے نہیں بلکہ اس کی تفسیر یا ترجمہ بیان کرتے

(۱) لم أجده في فيض الباري وقد ذكره البيهقي رحمه الله تعالى في دلائل النبوة "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم مسنداً ظهره إلى جذع منصوب في المسجد يوم الجمعة فيخطب، فجاءه رومي، فقال: يارسول الله ألا أصنع لك شيئاً تقعد عليه كأنك قائم؟ فصنع له منبراً درجتين، ويقعد على الثالثة" الحديث (باب ذكر المنبر الذي اتخذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم وما ظهر عند وضعه وجلوس النبي صلى الله عليه وسلم من دلائل النبوة الخ: ۵۵۸/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) لم أجده في فتح الباري وانظر للتفصيل. (عبادلہ ثلاثہ، تاليف سيد نور الحسن بخاري رحمه الله تعالى، وإزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ص: ۲۳۷، المقصد الثاني)

(۳) (راجع، رقم الحاشية: ۱)

## خطبہ اور نماز جمعہ میں فصل کی مقدار

سوال [۳۷۰۶] ۱: ...... اختتامِ خطبۂ جمعہ اور افتتاحِ جماعت کے درمیان کسی مجبوری کے تحت یا بلا مجبوری پانچ دس منٹ ٹھہرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ نیز خطبۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بزبانِ اردو اسی خطبہ کا ترجمہ یا اس سے متعلق کوئی تقریر وغیرہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں جب کہ مقتدی اس کو سمجھنا چاہتے ہوں؟ نیز خطبۂ علمی وغیرہ جو ہر دو کا خطبہ الگ الگ بالترتیب لکھا ہے، کیا اس طرح ترتیب سے پڑھنا افضل و بہتر ہے، نیز الوداع کے جمعہ کو الوداع کے خطبہ کے علاوہ کوئی دوسرا خطبہ پڑھے تو کیا افضل کے خلاف ہوگا؟ اسی طرح رمضان میں رمضان کے خطبہ کے علاوہ دوسرا خطبہ پڑھنا۔

۲ ایک ایسا گاؤں جس کی کل ہندو مسلم آبادی تقریباً ڈھائی سو ہے لیکن وہاں ضروریاتِ زندگی کے کل سامان مل جاتے ہیں تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک اور گاؤں ہے جہاں کی کل ہندو مسلم آبادی تقریباً تین چار سو ہے اور ہفتہ میں دو دن بازار لگتا ہے جس میں تمام ضروری اشیاء مل جاتی ہیں، تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

۳ دو ایسے گاؤں جن میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اگر دونوں گاؤں کی دوری تقریباً ایک میل ہے اور ان دونوں گاؤں کے بیچ میں ایک مدرسہ ہے جس میں صرف ایک سو طالب علم رہتے ہیں تو اس مدرسہ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں یا وہ مدرسہ بھی گاؤں ہی کا جز قرار دیا جائے گا؟

۴ ایک ایسا گاؤں جہاں ضروری اشیاء ہر وقت مل جاتی ہیں اور آبادی بھی تقریباً ایک ہزار ہے لیکن مسلمانوں کی کل تعداد اس گاؤں میں صرف پچاس ساٹھ ہے تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

۵ ہمارے یہاں ایک عارضی طور پر میلہ لگتا ہے صرف سال بھر میں ایک ماہ کے لئے تو کیا اس میلہ میں کچھ لوگ اکٹھے ہو کر جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز جواز جمعہ کے لئے تقریباً کتنے آدمی ہونے چاہئیں اتنی جماعت کے لئے؟ نیز دس آدمی سفر کرتے ہوئے گاؤں میں پہنچے جہاں کے لوگوں پر جمعہ جائز نہیں ہے اور ان کو جمعہ ترک ہے تو کیا یہ لوگ اس گاؤں میں جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز بزبان اردو خطبہ کسی مجبوری کے تحت جائز ہے یا نہیں جب کہ وہاں عربی پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، اور ان لوگوں پر جمعہ واجب ہے تو کیا کرنا چاہئے؟ نیز دس آدمی گاؤں سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر کام کر رہے ہیں تو کیا وہاں یہ لوگ جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز

خطبہ کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟ نزدیک حنفیہ وحنابلہ وشوافع ومالکیہ؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... "ویؤذن بین یدیه إذا جلس على المنبر، فإذا أتم أقيمت، ويكره الفصل بأمر الدنيا، ذكره العيني، اهـ". در مختار (۱)۔ "(قوله: فإذا أتم) أي الإمام الخطبة (قوله: أقيمت) بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة، وتنتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلاة، اهـ". شامی (۲)۔ "(قوله: بأمر الدنيا) أما بنهي عن منكر أو أمر بمعروف فلا، وكذا بوضوء أو غسل لو ظهر أنه محدث أو جنب كما مر بخلاف أكل وشرب حتى لو طال تنتقض استئناف الخطبة كما مر فافهم، اهـ". شامی (۳)۔

"ولو فصل بأجنبي، فإن طال بأن رجع بيته فتغدى أو جامع واغتسل، استقبل، خلاصة: أي لزوماً لبطلان الخطبة". در مختار (۴)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

"(وإذا تمت) الخطبة (أقيمت) أي أوقعت الإقامة بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة و ينتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلوة" (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۲۷۵، مكتبه كريميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۳، رشيديه)

(۲) (رد المحتار: ۲/۱۶۱)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۲، سعيد)

"فلو خطب قاعداً أو محدثاً أو لم يفصل بينهما، جاز ويكره، و يستحب إعادتها إذا كان جنباً ..... وأقيم: أي وأتى بإقامة الجمعة (بعد تمام الخطبة)، والفصل بينهما بأمر الدنيا مكروه". (شرح العيني على الكنز المسمى برمز الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۸، ۵۹، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

"ولو خطب ثم رجع إلى بيته فتغدى أو جامع فاغتسل ثم جاء، استقبل الخطبة". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في الجمعة: ۱/۲۰۵، رشيديه)

"ولا يعد الفصل فاصلاً؛ لأنه من أعمال الصلوة، ولكن الأولى إعادتها كما لو تطوع بعدها أو أفسد الجمعة أو فسدت بتذكر فائتة فيها، كما في البحر. (قوله: فإن طال) الظاهر أنه يرجع في الطول إلى نظر المبتلى، اهـ". شامی: ۱/۵۵۲(۱)۔

عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ آخر خطبہ کے ساتھ ہی اقامت شروع کردی جائے اور امام منبر سے اتر کر جب مصلیٰ پر پہونچے تو اقامت ختم ہو جائے، دنیاوی کام کی وجہ سے خطبہ اور اقامت میں فصل نہ ہو، نماز ہی سے متعلق کسی شی کا فصل ہو جائے تو مضائقہ نہیں، فصل طویل ہو جائے تو خطبہ کا اعادہ کیا جائے، مقدار طول رائے مبتلیٰ بہ پر موقوف ہے جب کہ وہ صاحب الرائے ہو۔ خطبۂ جمعہ خالص عربی میں ہونا چاہئے، درمیان میں کوئی تقریر یا ترجمہ غیر عربی میں نہ کریں(۲)۔ خطبۂ معین کی پابندی ضروری نہیں، کسی مہینہ اور کسی عشرہ کے لئے کوئی خطبہ متعین طور پر لازم نہیں کہ بغیر اس کے جمعہ کی شرط ہی ادا نہ ہونے کا حکم کردیا جائے(۳)۔

---

(۱) (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۱)

(۲) "الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية". (مجموعه رسائل اللكنوي، آكام النفائس: ۴/۲۳، إدارة القرآن كراچي)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالى عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۴): ۱/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في المصفى شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر، ص: ۱۵۳، كتب خانه رحيميه سنهري مسجد دهلي)

(۳) خطبہ کا حمد وثنا، قرأت، دعا، صلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونا مستحب ہے، کوئی متعین خطبہ ضروری نہیں۔

"روي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه قال: ينبغي له يخطب خطبة خفيفة: أن يفتتح بحمد الله تعالى، و يثني عليه، و يتشهد، و يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، و يعظ، و يذكر، و يقرأ سورة ... و يدعو للمؤمنين والمؤمنات الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما سنن الخطبة: ۱/۵۹۹، رشيديه)

"جمعه و خطب آں حضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاء و علم جزاً ملاحظه ــ

۲... آج کل عرفِ عام میں بڑی بستی - جہاں جمعہ جائز ہے - وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، مستقل بازار ہوں، ڈاکخانہ ہو، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، کچہری یا مرجع ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں۔ دو ڈھائی سو (۲۰۰-۲۵۰) کی آبادی میں یا تین چار سو کی آبادی میں عامۃً یہ سب چیزیں نہیں ہوتیں بلکہ دو ڈھائی ہزار کی بستی میں بھی مشکل سے ہوتی ہیں (۱)۔

۳... وہاں جمعہ جائز نہیں، وہ کسی گاؤں کا جز قرار نہیں دیا جائے گا (۲) لا إلى هؤلاء، ولا إلى هؤلاء۔

۴... مذکورہ بالا جوابات سے اس کا جواب ظاہر ہے۔

۵... اگر وہ بڑی بستی نہیں (جس کی تشریح نمبر ۲ میں آچکی ہے) تو محض میلے کی وجہ سے وہاں جمعہ درست نہیں۔ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تب بھی شرط جماعت متحقق ہو جائے گی (۳)۔ وہ لوگ مسافر ہیں

---

= گردیدہ ... لیکن بآں وجود چند چیز است ... از عربی بودن خطبہ ... و عربی بودن جز بجہت شعار مستمرہ مسلمین در مشرق و مغرب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند"۔ (مصفّی شرح موطا، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، رقم الحديث: ۵۱۷۵: ۳/۱۶۷، المكتب الإسلامي)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث ... لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، ۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في الجمعة: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن طارق بن شهاب رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة" الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/۱۵۳، مكتبه دار الحديث ملتان)
=

ان پر جمعہ نہیں اور جس بستی میں یہ ہیں وہاں شرائط موجود نہیں، اس لئے ان کو وہاں جمعہ کی اجازت نہیں (۱)۔

اردو میں خطبہ جمعہ کی اجازت نہیں (۲)۔

خطبہ میں "سبحان اللہ، الحمد للہ، لا إله إلا الله والله أكبر" التحیات، درود شریف اور اس کے بعد کی دعا اور ﴿قل هو الله﴾ جو مسلمان کو یاد ہوتی ہیں، ان کو پڑھنے سے بھی خطبہ ادا ہو جائے گا (۳)۔ چونکہ

---

= "والسادس: (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال ...... (سوى الإمام)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعيد)

"والجماعة وهم ثلاثة سوى الإمام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۱/۲، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۹/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: ليس على المسافر جمعة". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: ليس على المسافر جمعة، (رقم الحديث: ۵۰۹۵): ۴۴۲/۱، دار الفكر بيروت)

"قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا غيلان وأيوب بن عائذ الطائي عن محمد بن كعب القرظي رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أربعة لا جمعة عليهم: المرأة والمملوك والمسافر والمريض". قال أبو حنيفة: فإن صلوا أجزأهم، قال محمد: وبه نأخذ". (كتاب الآثار، كتاب الصلاة، باب صلوة يوم الجمعة: ص: ۳۰، إدارة القرآن كراچی)

"(وشرط لافتراضها) ...... (إقامة بمصر)". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: إقامة) خرج به المسافر". (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعيد)

"وشرط وجوبها الإقامة .... فلا تجب على المسافر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۳/۲، رشيدية)

(۲) (راجع ص: ۲۰۳، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "وإن خطب بتسبيحة فقال: سبحان الله، أو لا إله إلا الله، أو الحمد لله، ولم يزد على هذا، جاز عند أبي حنيفة، وعندهما لا يجزيه حتى يكون كلاماً يسمى خطبة". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة: ۲۰۵/۱، رشيدية)

"والرابع: (الخطبة فيه) ...... (وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة) للخطبة المفروضة مع الكراهة، وقالا: لا بد من ذكر طويل، وأقله قدر التشهد الواجب". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، سعيد) ........ =

آبادی سے باہر اور مقام پر ہوں کہ وہ فنائے مصر نہ ہو تو ان کو وہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں (۱)۔ مقتدا اگر شہر پڑھتے ہے حنفیہ کے نزدیک خطبہ ادا ہو جائیگا، کذا فی ردالمحتار (۲)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق خود ان کے متبعین سے کیجائے، جو قول ان کے نزدیک راجح ہو وہ متعین فرمادیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

## خطبہ کے بعد مصلیٰ پر بیٹھنا

سوال [۴۰۲۷]: امام کو خطبہ سے فارغ ہو کر جائے نماز پر تھوڑی دیر بیٹھ جانا ہے واسطے انتظار قول مؤذن "قد قامت الصلوۃ" کے شرعاً درست ہے یا نہیں یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعت ہے، لاتہ لیس ممن یقتدی بہ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

---

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/ ۲۴۲، رشیدیہ)

(۱) (راجع، ص: ۲۰۵، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۲۰۶، الحاشیۃ: ۳)

(۳) "عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ، فھو رد". متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الأول، ص: ۲۷، قدیمی)

قال الملا علی القاری: "من أحدث": أی جدد وابتدع، وأظھر واخترع "فی أمرنا ھذا": أی فی دین الإسلام . . . "فھو رد": أی مردود علیہ . . . قال القاضی: المعنی: من أحدث فی الإسلام رأیا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاہر أو خفی ملفوظ أو مستنبط، فھو مردود علیہ. قیل: فی وصف الأمر "بھذا" إشارۃ أن أمر الإسلام کمل وانتھی، وشاع وظھر ظھور المحسوس بحیث لایخفی علی کل ذی بصر وبصیرۃ، فمن حاول زیادۃ، فقد حاول أمراً غیر مرضی؛ لأنہ من قصور فھمہ رآہ ناقصاً . . . فلذلک الشخص ذلک مردود عن جنابنا، مطرود عن بابنا، فإن الدین اتباع آثار =

## خطبہ کے بعد امام کا منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھنا

سوال [۳۷۶۸]: جمعہ کے دن دونوں خطبوں کے بعد امام کا منبر سے اتر کر مصلے پر قبلہ رو بیٹھنا پھر اقامت کے "حی علی الصلوۃ" پر امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا سنت کے موافق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب خطبہ ختم ہو فوراً تکبیر شروع کردی جائے یعنی خطبہ کے ختم کے ساتھ تکبیر کا شروع متصل ہوجائے اور جب امام منبر سے مصلے پر پہنچے تو تکبیر ختم ہوجائے:

"ويؤذن ثانياً بين يديه، فإذا أتم أقيمت". درمختار. "(قوله: فإذا أتم): أي الإمام الخطبة (قوله: أقيمت) بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلوة". ۲/۱۶۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## خطبۂ جمعہ کا حکم

سوال [۳۷۶۹]: جمعہ کے دونوں خطبے افضل ہیں یا واجب، سنت اور ایک کو یاد سے یا دونوں کو یاد سے پڑھنا، یا دوسرے خطبہ کو کتاب دیکھ کر پڑھنا، یا دونوں کو کتاب دیکھ کر پڑھنا سنت ہے یا واجب ہے؟

---

= والإثبات والأخبار وسبط الأحكام منها". (مرقاة المفاتيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، (رقم الحديث: ۱۴۰)، رشيديه)

"والبدعة: ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

"وإذا تمت الخطبة أقيمت: أي أوقعت الإقامة بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وينتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلاة". (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۷۵، مكتبه كريميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ خطبہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے اور دو خطبے سنت ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں منقول اور ثابت ہیں اگر کسی کو حفظ نہ ہوں تو کتاب میں دیکھ کر پڑھے:

"والرابع: الخطبة، وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة بنية ويسن خطبتان بجلسة بينهما الخ". درمختار - "إلا أن المسنون هو تكرارها مرتين والشرط إحداهما". ردالمحتار ۱/۷٤۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## خطبۂ جمعہ وعیدین کا حکم

سوال: [۳۷۷۲] عیدین اور جمعہ کا خطبہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور اس کا سننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کا خطبہ شرط (فرض) ہے اور عیدین کا سنت ہے اور حاضرین کے لئے ہر دو کا سننا واجب ہے:

"وشرط صحتها (أي الجمعة) الخطبة". بحر: ۲/۱٤٦(۲)۔ "جميع شرائط الجمعة

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

"عن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: كانت للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرأ ويذكر الناس" (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل يخطب الخطبتين الخ: ۱/۲۸۳، قديمي)

"وأما الخطبة فالكلام في الخطبة في مواضع: في بيان كونها شرطاً لجواز الجمعة أما الأول. فالدليل على كونها شرطاً قوله تعالى: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ ... وأما سنن الخطبة فمنها أن يخطب خطبتين الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، خطبة الجمعة: ۱/۵۸۹، ۵۹۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۵۶، رشيدية)

"ويشترط لصحتها (أي الجمعة) سبعة أشياء ... (و) الرابع: (الخطبة فيه)". (كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۷، سعيد)

وجوباً وصحةً شرائط للعيد إلا الخطبة، فإنها سنة بعدها حتى لو لم يخطب أصلاً صح". بحر ۱۵۸/۲ (۱)۔ "الاستماع إلى سائر الخطبة واجب". بحر ۱۵۶/۲ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

## خطبہ کا سننا جمعہ کے لئے شرط نہیں

سوال[۳۷۷۱]: اگر کوئی شخص جمعہ کے اندر خطبہ نہ سننے پائے اور جب جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو جائے تب آ کر شریک ہو تو کیا اس کی جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی، کیونکہ خطبہ کا سننا ہر شخص کے لئے شرط نہیں: "الرابع: الخطبة، والخامس: كونها قبلها بحضرة جماعة تنعقد بهم ولو كانوا صماً أو نياماً اهـ". در مختار (۳)۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

= وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۷/۲، رشيديه)

"قوله: فإنها سنة بعدها ... حتى لو لم يخطب أصلاً صح، وأساء لترك السنة"

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

(۲) "لم أجده في البحر وقد قال العلامة الحصكفي: "وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۷/۲، سعيد)

"أن المقتدي بالإمام تصح جمعته وإن لم يدرك الخطبة الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان محظورات الخطبة: ۵۹۹/۱، رشيديه)

"ولو خطب والقوم نيام أو صم، جازت" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۶/۱، رشيديه)

"ألا ترى إلى صحتها من المقتدين الذين لم يشهدوا الخطبة" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۷/۲، رشيديه)

## ایضاً

سوال[۳۷۷۲]: جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھنے کے وقت اس کا سننا غیر ضروری سمجھ کر نہ سننا اور چلا جانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

العبد محمد عثمان چاٹگامی، متعلم حجرہ نمبر: ۱۳۷، ۲۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سننا واجب ہے اس کو غیر واجب سمجھنا اور چلا جانا درست نہیں:

"وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها: أي الخطبة، فيحرم أكل وشرب وكلام، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت، وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة النكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد اهـ". درمختار: ۱/ ۸۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

## خطبۂ اولیٰ وثانیہ میں کس قدر طول ہو؟

سوال[۳۷۷۳]: ۱... جمعہ کے دن خطبۂ اولیٰ جمعہ کا پڑھا گیا مگر ثانی خطبہ عیدین کا پڑھا، اس طرح خطبہ پڑھنے کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی تو کیا نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟

۲... جمعہ کے خطبہ میں اولیٰ بہت مختصر یعنی بقدر تین آیتوں کے اور خطبۂ ثانیہ بھی اسی مقدار کے

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/ ۱۵۹، سعید)

"إن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/ ۱۲۷، قديمي)

"وأما المستمع، فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، وينصت، ولا يتكلم، ولا يرد السلام الخ".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/ ۱۴۷، رشيديه)

پڑھا گیا مگر نماز جمعہ میں بہت بڑی بڑی سورتیں پڑھی گئیں، ایسی حالت میں نماز جمعہ میں کوئی خلل ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… جمعہ سے پہلے دوسرا خطبہ عید کا خطبہ پڑھا گیا تو اس سے بھی جمعہ کی نماز درست ہوگی، مگر ایسا مت کریں(۱)۔

۲…… جمعہ کا خطبۂ اُولیٰ تین آیات کے مقدار اور خطبۂ ثانیہ بھی اتنا ہی اور قرأت طوالِ مفصل کی ہوتو ایسی حالت میں خطبہ بھی درست ہے اور نماز جمعہ بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## خطبۂ جمعہ دیکھ کر پڑھنا

سوال[۳۸۶۳]: ما تقولون في حق الإمام الذي يقرأ الخطبة المكتوبة بالنظر في الكتاب كما راج في ملك الباكستان والهند، ولكنه لا يفهم معانيها ولا يقدر على تصحيح الإعراب والألفاظ، إن وقع الغلط فيها هل تجوز له قرأة الخطبة والإمامة للجمعة أم لا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قرأة الخطبة بالنظر في الكتاب جائزة لا قدح فيها، ولكن تصحيح الإعراب والاجتناب عن الغلط لازم، مع هذا إن غلط في بعض أعاريب الخطبة وأدى الصلوة بالشروط المعتبرة

---

(۱) "فمنها: أن يخطب خطبتين على ما روى عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة أنه قال: ينبغي أن يخطب خطبة خفيفة، يفتتح فيها بحمد الله تعالى، ويثني عليه، ويتشهد، ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ويعظ، ويذكر، ويقرأ سورة، ثم يجلس جلسة خفيفة، ثم يقوم فيخطب خطبة أخرى يحمد الله تعالى، ويثني عليه، ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ويدعو للمؤمنين والمؤمنات، ويكون قدر الخطبة قدر سورة من طوال المفصل". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، سنن الجمعة: ۱/۵۹۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

(۲) (راجع رقم الحاشية المتقدمة آنفاً)

والبحر الفقي المفرقة، صحت صلوته وإن كانت الخطبة مكروهة(۱)، فمن كان قادراً على قراءة خطبة صحيحة وأداء صلوة كاملة، وكان تابعاً للسنة، فهو اللائق بالإمامة؛ لأنه ضامن لصلوة المقتدين (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا تذکرہ

سوال [۳۷۵۵]: خلفائے راشدین کے ناموں کا تذکرہ کرنا جمعہ کے خطبہ میں کیسا ہے؟

---

(۱) "لما رأيت أكثر الخطباء يوم الجمعة وغيرها جاهلين غير قادرين على جمع كلمات عربية، ومن ثم ترى بعضهم يخطبون باللسان الفارسية والهندية، وبعضهم يخلطون اللسان العربية باللسان العجمية غافلين عن أنه خلاف السنة". (مجموعة رسائل اللكنوي، مجموعة الخطب للكنوية: ۳/۳، إدارة القرآن كراچی)

"ولما كانت أكثر شريعتنا بالعربية، يلزم على الناس أن يتعلموا اللسان العربي بقدر ما يرتفع به الحاجة، فإن ما لا يتم الواجب إلا به واجب، ومن ههنا صرحوا أن تعلم الصرف والنحو وغيرهما من مبادئ العلوم بقدر ما يحتاج إليه في فهم الشريعة واجب". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ۴/۴، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة، واغفر للمؤذنين". (مسند أحمد (رقم الحديث: [illegible]): ۲/۳۶۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن أوس بن ضمعج، قال: سمعت أبا مسعود الأنصاري رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء فأكبرهم سناً". الحديث. (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

"(والأحق بالإمامة) .... (الأعلم بأحكام الصلوة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض ..... (ثم الأحسن تلاوةً) وتجويداً (للقراءة)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۲، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام خطبۂ جمعہ میں لینا اور ان کے مناقب وفضائل بیان کرنا شرعاً نہایت پسندیدہ ہے، شرح مؤطا امام مالک میں اس کی تاکید ہے، اس کو بدعت کہا جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۵ھ۔

## خطبہ میں نواب کا نام لینا

سوال[۳۷۷۶]: ہمارے یہاں خطبہ میں ہمارے یہاں کے نواب کا نام لیا جاتا ہے، کیا عید الفطر کے خطبہ میں نواب کا نام لیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلیفۂ اعظم امیر المؤمنین کا نام لیا جائے تو گنجائش ہے(۲)، کیا نواب صاحب کا حال بھی یہی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے امیر اور حاکم ہیں۔ فقط۔

## خطبۂ جمعہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا ہونا

سوال[۳۷۷۷]: خطبۂ جمعہ جب خطبۂ ثانیہ کے آخری جملے پر پہونچتے ہیں تو سامعین کھڑے ہونے

---

(۱) لم أجده في شرح مؤطا الإمام مالک ولکن في الدر المختار: "ویندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین الخ". (کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۳۱، سعید)

"وذکر الخلفاء الراشدین مستحسن، بذلک جری التوارث، ویذکر العمین". (کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۹، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیہ)

(۲) "ثم یدعوا لسلطان الزمان بالعدل والإحسان متجنباً في مدحه". (جامع الرموز، کتاب الصلوٰة، فصل في صلوٰة الجمعة، ص: ۲۷۵، سعید)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

کھڑے ہیں، ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اس طرح لوگوں کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، خطیب کے منبر سے اتر جانے کے بعد لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔ شرعی فیصلہ مع حوالہ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكل ما حرم في الصلوة، حرم فيها: أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً أورد سلام أو أمر بمعروف، الخ"۔ درمختار: ۱/۵۵۱(۱) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## ایک شخص نماز جمعہ پڑھائے، دوسرا خطبہ پڑھے

سوال[۳۷۶۸]: جمعہ کا خطبہ کسی دوسرے شخص نے پڑھا، امام آخری خطبہ میں بیٹھا تھا اور امام نے ہی نماز پڑھائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہو جائے گی، اصل بات یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے، وہی نماز پڑھائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"ويحرم في الخطبة مايحرم في الصلاة، حتى لا ينبغي أن يأكل أو يشرب والإمام في الخطبة، هكذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمي)

(۲) "وقد صرح في الخلاف بأنه لو خطب صبيٌ بإذن السلطان، وصلى الجمعة رجل بالغ، يجوز".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

"صبي خطب بإذن السلطان، وصلى الجمعة رجل بالغ، يجوز". (خلاصة الفتاوى، كتاب =

## مراہق خطبہ پڑھے اور بالغ جمعہ پڑھائے

سوال [۳۷۷۴]: ایک لڑکا بالغ یا مراہق جمعہ کا خطبہ پڑھے اور بڑی عمر کا آدمی جو اس وقت پہلے بھی موجود ہو نماز پڑھادے جائز ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل اور اشہر یہ ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہونا چاہئے، تاہم اگر مراہق ذی شعور خطبہ پڑھے اور بالغ آدمی نماز پڑھائے تب بھی درست ہے: "لا ینبغي أن یصلي غیر الخطیب، فإن فعل بأن خطب صبيّ بإذن السلطان وصلی بالغ، جاز، هو المختار" رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## خطبۂ جمعہ بزبانِ عربی (مفصل)

سوال [۳۷۷۵]: محترم مولانا صاحب مدظلہ العالی! سلام مسنون

مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دینی اہمیت سے غفلت امر مسلّم ہے، اس پر مزید طرہ یہ ہوا ہے کہ جو ذرائع اسلام نے تعلیم وتذکیر کے مقرر کئے ہیں ان کو ہماری زبان سے بعید تر کرکے غیر معلوم زبان کے ذریعے ادا بنادیا گیا ہے۔ آپ حضرات چاہے بھی انکار فرمادیں مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت بے حد ضروری ہے مگر فہم اور بلا فہم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، ثواب دونوں کو یکساں ملے گا۔ اسی طرح نماز کو لیجئے وہاں بھی فہم اور عقل کی کوئی شرط ملحوظ نہیں ہے، نماز ہر طرح صحیح ہوتی ہے، نہیں

---

= الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلوة الجمعة: ۱/۲۰۵، رشیدیه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعید)

"وقد صرح في الخلاصة بأنه لو خطب صبيّ بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ، يجوز" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشیدیه)

"صبيّ خطب بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ، يجوز" (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلوة الجمعة: ۱/۲۰۵، رشیدیه)

معلوم صلوٰۃ واذان کے لئے کیونکر مفید ہو جائے گی جب کہ فہم واعتبار کی کوئی بات ہی نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ (۱) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿لا تقربوا الصلوة (إلى) حتى تعلموا ما تقولون﴾ (۲) تیسری جگہ علم وعدم علم میں نمایاں فرق بتلایا گیا ہے: ﴿هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ (۳)۔

اسی طرح خطبۂ جمعہ کی افادیت کو ختم کردیا گیا ہے اس پر عربی کا ملمع چڑھا کر، مولانا! میری اس صاف گوئی کو معاف فرمادیجئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ خطبۂ جمعہ میں عربی کو ضروری نہیں سمجھتے، عوام اور مخاطبین کو ہر کسی زبان میں سمجھایا جاسکتا ہے، صاحبین قدرت علی العربیہ کے فقدان کی وجہ سے عربی میں خطبہ ضروری نہیں کہتے، مگر ان اسلاف کے اقوالِ حکیمہ کو ہمارے بعض علماء نے شاید ناپسند فرمایا ہے اور وجوبِ عربیت پر مُصر ہیں اور اسی کو ضروری کہتے ہیں۔

ص ۵۵۹، ۵۹۷ شامی مصری باب الجمعہ کو ملاحظہ فرمائیے:

"ثم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما قدمه في باب صفة الصلوة من أنها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده، خلافا لهما حيث شرطاها إلا عند العجز كالخلاف في الشروع في الصلوة" (۴)۔ یہ عبارت ہندوستان کے لئے عربی کو لازم نہیں قرار دیتی عند الشیخین الا ماشاء اللہ۔

الہامی کتب منزل من اللہ و رسل اللہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ عربیت کو ضروری نہیں فرماتا، ملاحظہ ہو آیت کریمہ: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ (۵) ایک دوسری آیت بھی ملاحظہ فرمائیے: ﴿حم تنزيل من الرحمن الرحيم، كتب فصلت آياته قرآنا عربيا لقوم يعلمون ...﴾ (۶): أي لقوم

---

(۱) [سورۃ العنکبوت: ۲۱/۴۵]

(۲) [سورۃ النساء: ۵/۴۳]

(۳) [سورۃ الزمر: ۲۳/۹]

(۴) [رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۷، سعید]

(۵) [سورۃ ابراھیم: ۱۳/۴]

(۶) [سورۃ حم السجدة: ۲۴/۳]

بعد میں تیسری آیت شریفہ: ﴿ولو جعلناه قرآناً أعجمياً لقالوا لولا فصلت﴾(۱)۔ کس قدر واضح اور صاف طور پر اس حقیقت کو عریاں کرتی ہے کہ تفصیل وتبیین کسی قوم پر اس وقت تک کارگر نہیں بن سکتی جب تک مفہوم زبان میں نہ ہو، اور دیگر آیات کریمہ ہیں جو اس مقصد کو اور واضح فرماتی ہیں۔

جب منزل من اللہ کے لئے عربیت عند اللہ ضروری نہیں ہے تو پھر خطیب کا خطبہ کیوں عربی میں لازم قرار دیا جارہا ہے، منزل من اللہ بغیر قوم دیگر السنہ میں آسکتے ہیں تو پھر ہندوستان میں قوم کی زبان کی رعایت کیوں غیر ضروری سمجھی گئی؟ اور ہندی اردو جاننے والوں کے سامنے عربی کہنا کیوں فرض وواجب کا درجہ پاگئی، یہ وجوب بلا دلیل ہے: ﴿قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين﴾(۲) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عامۂ مسلمین جاہل واپس ہوتے ہیں حالانکہ افادہ واستفادہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سعی واجب قرار دی ہے مگر عربی کا لیکچر سن کر واپس آنے والے کورے کورے لوٹ آتے ہیں، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ خود خطیب بھی کورا ہی رہتا ہے ﴿فاعتبروا يا أولي الأبصار﴾(۳)۔

رہ گیا یہ قصہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عجم میں حاکمانہ حالت میں آکر بھی عربی میں خطبہ دیا، یہ صواب تھا، عربی کو فتح حاصل ہونا ضروری تھا، چنانچہ ان حکیمانہ سیاست کا یہ اثر تھا کہ تمام ممالک مفتوحہ عربی ملک بن گئے، شام عراق، مصر سب اسی طرح عربیت کا لباس پہن کر توسیع ملک عرب کا باعث بنے ہیں۔ حاکم اور محکوم میں فرق ہوتا ہے آپ بھی ہندوستان میں حکمران ہوکر یہی کریں، مگر محکوم ذلیل ہوکر زیب نہیں دیتا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اس عربیت کی تخم ریزی فرمائی جس کی قدر فرمائی گئی اور اب عام طور سے اس کو مان لیا گیا ہے مگر غلط ہے، قرآن کریم کے اصول تبلیغ کے خلاف ہے، احادیث کی روشنی میں بھی غلط ہے: "كلموا الناس على قدر عقولهم"(۴)۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ میں اوپر واضح کرچکا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ ہوشمند اور ذکی عالم ہیں اسی لئے آپ کی خدمت میں اس عرض کو اس

(۱) (سورة حم السجدة: ۲۴/۴۴)

(۲) (سورة البقرة: ۱/۱۱۱)

(۳) (سورة الحشر: ۲۸/۲)

(۴) (لم اجده)

لیے ترسیل کر رہا ہوں کہ آپ احقر الناس کے معروضات کو پڑھیں گے اور حل مشکلات کے لئے میری مدد فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس اعتراض کی بنیاد دو نظریوں پر ہے، ایک کا تعلق عمومی طور پر جمیع علماء سے ہے، دوسرے کا خصوصی طور پر مولانا عبدالحی سے ہے اور دونوں نظریے غلط ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے:

پہلا نظریہ: "علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیمات اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے" اس کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ فتح المنان، موضح القرآن، فتح العزیز، ترجمان القرآن، تفسیر حسینی، خلاصۃ التفاسیر، بیان القرآن، تفسیر حقانی، ترجمہ شیخ الہند، ترجمہ مولانا عاشق الٰہی وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے کہ علماء نے کس طرح قرآن پاک کو حل اور سہل کر دیا ہے۔

نیز تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر روح المعانی کے تراجم ملاحظہ کیے جائیں کہ عربی تفاسیر کو علماء نے کس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

نیز صحاح ستہ: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور دیگر بے شمار کتب حدیث کی شروح وتراجم اردو میں کرکے حدیث پاک کو کس قدر سہل کر دیا ہے۔

نیز نور الایضاح، قدوری، منیہ، کنز، شرح وقایہ، ہدایہ، درمختار، فتاوی عالمگیری، وغیرہ کتب فقہ کو جن میں تمام زندگی کا دستور العمل کتاب وسنت سے ماخوذ موجود ہے، کس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

نیز علم الفقہ، بہشتی زیور، تعلیم الاسلام، حیوۃ المسلمین، تعلیم الدین، فتاوی عبدالحی، فتاوی رشیدیہ، فتاوی دارالعلوم، نمازی کتاب وغیرہ بے شمار کتب براہ راست اردو میں بڑوں اور بچوں کے لئے کس طرح تصنیف کی گئی ہیں۔

اگر کسی شخص میں اتنی قابلیت نہ ہو کہ وہ خود ان کتابوں سے استفادہ کرکے اپنے سوئے ظن کی اصلاح کر سکے تو وہ سارے مدارس، مدارس عربیہ، ہمارا تعلیمی نظام، دینی مدرسے وغیرہ کا مطالعہ کرے تو معلوم ہوگا کہ علمائے کرام نے کس قدر جدوجہد سے دین کی اشاعت کی اور تعلیمات کا سلسلہ قائم کیا! اگر کوئی شخص ان سب کو بھی یہ کہہ کر ٹال دے کہ یہ سب افسانے ہیں تو پھر اس کو سفر کرنا چاہئے، دیوبند، سہارنپور، دہلی، جلال آباد، مراد

آباد، لکھنؤ، کانپور، بجنور، اعظم گڑھ وغیرہ جو کراچی آنکھ سے دیکھے کہ اب بھی کتنے مدارس تدریس، تذکیرہ تصنیف، تبلیغ کے ذریعے سے دینی خدمت کر رہے ہیں، یہ سب دیکھ کر شاید توفیق مساعدت کرے اور پہلا نظریہ اصلاح پذیر ہو جائے، اگر یہ خدمات سامنے ہونے کے باوجود یہی نظریہ ہے جیسا کہ سائل کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

"آپ حضرات جتنا بھی انکار فرمائیں مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیمات اسلام کو قائم رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے"۔

کہ سائل شدت سے مجبور کر، نہ کان سے سن کر، نہ آنکھ سے دیکھ کر کسی طرح بھی اپنا نظریہ بدلنے کو تیار نہیں، خواہ کتنے ہی دلائل اس کے سامنے پیش کیے جائیں مگر وہ اپنی ضد پر قائم ہے، تو پھر کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے، آفتاب سے زیادہ روشن حقائق کو دیکھ کر بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ تسلیم نہ کرے اور اپنی ضد پر قائم رہے تو اس کے لئے بجز دعائے خیر کے اور کوئی راستہ نہیں، ایسی ضد کا انجام اگر اس کو اس زندگی میں نظر نہ آئے تو ایک دوسری زندگی بھی آرہی ہے اس میں بالکل صاف نظر آجائے گا۔

کچھ ایسے نفوس بھی اس دنیا میں آئے ہیں جو خداداد ہوئی نعمتوں، دل، آنکھ، کان سے کوئی صحیح کام نہیں لیتے: ﴿لهم قلوب لا يفقهون بها، ولهم أعين لا يبصرون بها، ولهم آذان لا يسمعون بها﴾(۱)۔

دوسرا نظریہ: "مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اس عربیت کی تخم ریزی فرمائی"۔ اس کی اصلاح کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مصفّٰی شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الجمعۃ" ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

"چوں خطب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء وغیرہم را ملاحظہ کردیم، تنقیح آں وجود چند چیز است" اور پھر چند چیزوں کی تشریح کرتے ہوئے نمبر ۵ پر بیان کیا ہے: "و عربی بودنِ خطبہ"۔ پھر آگے تفصیل میں لکھا ہے: "و عربی بودن نیز بجہت عمل مستمرہ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی

(۱) (سورۃ الأعراف: ۱۷۹)

ہوتند الخ"(۱)۔

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا عمل شرقاً غرباً یہی ہے(۲) کہ خطبہ عربی میں ہوتا، اس کو مولانا عبدالحق کی تخم ریزی کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

الفاظِ قرآنیہ کی تلاوت بے فہم اور بلا فہم ثواب کا باعث ہونا یہ کس کی تخم ریزی ہے، اس پر بھی روشنی ڈالدیتے تو بہتر ہوتا۔ نیز نماز کے متعلق بھی رائے دی گئی ہے کہ دوسری زبان میں پڑھی جائے(۳)!

---

(۱) (مصفیٰ شرح موطا، کتاب الصلوٰۃ، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ من غیر عذر، ص: ۱۵۴، مکتبہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

"الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية ... ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية، ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ومجرد معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ۴/۲۴، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبةً ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: ۴/۳۳، إدارة القرآن، كراچي)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۳) "وليت شعري، ماذا يقول المتأمل في القرآن الذي هو عربي، فإنه لا شبهة في أن نزوله للتدبر والتذكر وفهم معناه للعمل بمراده، وهذا العجم مشترك في الإشكال، فيجوز أن يقرأ عليهم القرآن بالفارسية أو يكتب لهم بالفارسية ليزول عنهم الإشكال، كلا وإنما بل هم مكلفون بتحصيل ما به يتيسر لهم فهمه وتحصيل لهم علمه، وقس عليه الكلام في الأخبار النبوية وسائر أمور الشريعة الواردة بالعربية". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان =

علم اور عدم علم میں نمایاں فرق بتلایا گیا ہے، بالکل صحیح ہے اسی لئے مدارس قائم کئے گئے، کتابیں تصنیف کی گئیں اور جن کو طلب وتوفیق ہوتی ہے وہ حاصل بھی کرتے ہیں اور جن کو علم سے عناد ہے یا جہل مرکب میں گرفتار ہیں وہ محروم رہتے ہیں جن کے نمونوں کا بکثرت مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

خطبۂ جمعہ پر عربی کا ملمع کس نے چڑھا دیا، کیا اصل خطبہ اردو زبان میں تھا جس پر ہندی علماء نے عربی کا ملمع چڑھا دیا، یا اگر تحقیق کر کے دیکھیں تو بات واضح ہوجائے۔

صاف گوئی کی معافی چاہنے کے متعلق عرض ہے کہ اگر یہ حق ہے تو کیا حق گوئی سے معافی طلب کرتے ہیں؟! اگر یہ باطل ہے تو اس سے توبہ اور پختہ عہد کرلیجئے کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا، بالکل معروف ہے۔ جو شخص عربی پر قادر نہ ہو اس کو عربی پر کسی نے مجبور نہیں کیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جس قول کی آڑ لے کر آپ زور وشور سے استدلال کررہے ہیں کاش اس کی حیثیت کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے، شامی: ۱/۱۱(۱) عنایہ: ۱/۴۰۱ (۲) طحطاوی، ص ۱۲۷ (۳) میں اس سے رجوع نقل کیا ہے، آپ خود ہی انصاف کریں کہ جس قول کو امام اعظم خود ہی ناپسند فرمائیں بلکہ اس سے رجوع کرلیں تو اس کے متعلق یہ اعتراض کہ "ہمارے ہندی علماء نے شاید ناپسند فرمایا ہے"۔ کہاں تک برمحل ہے، اگر کسی کو رجوع سے انکار ہو اور اسی قول پر استدلال پر اصرار ہو تو پھر امام اعظم رحمہ اللہ

= القاموس [illegible] إدارة القرآن، كراچي)

(۱) "فبدأ القراءة آية بالعجز؛ لأن الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، قلت: وجعل العيني الشروع كالقراءة، الخ". (الدر المختار). "(قوله: كالقراءة): أي في اشتراط العجز فيه أيضاً، وفي أن الإمام رجع بذلك إلى قولهما؛ لأن العجز عنده شرط في جميع أذكار الصلاة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، سعيد)

(۲) "(وصح رجوعه) روى أبو بكر الرازي أن أبا حنيفة رجع إلى قولهما (وعليه الاعتماد) لتنزله منزلة الإجماع". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۸۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "(و) يصح الشروع أيضاً (بالفارسية) وغيرها من الألسنة (إن عجز عن العربية، وإن قدر لا يصح شروعه بالفارسية ونحوها) (ولا قراءته بها في الأصح) من قول الإمام الأعظم موافقة لهما". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۰، قديمي)

ذکر ضروری، وأقله قدر التشهد الواجب» اھ". درمختار: ۱/۱۴۸(۱) اس سے دو آخری روز گذاریں سیکھ سکتا ہے؟

رسول اور کتاب ہدایہ کیلئے عربیت لازم نہیں ہوتی صحیح ہے، لیکن آپ کو جس رسول اور کتاب کا پابند بنایا گیا اور نجات کو اس میں منحصر کر دیا گیا ہے وہ تو رسول بھی عربی ہے اور کتاب بھی عربی ہے: ﴿إنا أنزلناه قرآنا عربيا﴾(۲) ﴿قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعا﴾(۳)۔ تفہیم کے لئے تراجم و تفاسیر بے شمار ہیں، اس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن قرآن پاک کی عربیت کو ختم کر کے صرف دوسری زبان میں خواہ وہ اردو ہے یا کوئی بھی ہو، نہ اس کو لکھنا اور پڑھنا ہرگز جائز نہیں، نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے۔ فتح القدیر: ۱/۲۰۱، میں ہے: "إن اعتاد القراءة بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع" (۴)، وكذا في الشامي: ۱/۳۲۷(۵)۔ اتقان میں لکھا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے، ائمہ اربعہ: ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے(۶)۔

اب بتایا جائے کہ وہ کونسی برہان ہے جس کی بناء پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تمام امت مسلمہ کے پورے چودہ سو سال کے عمل متوارث و متواتر کو ترک کر کے خطبہ جمعہ سے عربیت کو ختم کر دیا جائے(۷) اور خطیب صاحب منبر پر چڑھ کر اردو



(۱) (الدر المختار، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

(۲) (سورة يوسف: ۲/۱۲)

(۳) (سورة الأعراف: ۱۵۸/۹)

(۴) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۵) (رد المحتار نقله عن الفتح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۴۸۶، سعيد)

(۶) "وقال أشهب: سئل مالك: هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى، رواه الداني في المقنع. ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة" (الإتقان في علوم القرآن للإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالى، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط وآداب كتابته، فصل: ۱/۳۲۸، ۳۲۹، ذوي القربى)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (جواہر الفقہ، تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ: کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جا سکتا ہے: ۱/۹۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۷) (راجع ص: ۲۲۱، رقم الحاشية: ۲)

میں فرمایا کریں کہ "خدا پاک ہے" یا ہندی میں کہہ دیا کریں "پرمیشور نردھار ہے" (۱) اس سے کونسی جہالت ختم ہو جائے گی اور سامعین کس قدر دین سیکھ لیں گے، سامعین کا عربی خطبہ کے مطالب سے محروم رہنا یا خود خطیب صاحب کا اور اہل زبان خود ان کی کوتاہی کا نتیجہ ہے، اسلام پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد وعظ کہہ دیا جایا کرے۔ جس میں دین کے ضروری عقائد و احکام بیان کر دیا جایا کریں اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا اور سنایا جاتا ہے اس کا مطلب بھی بتا دیا جایا کرے اس کی کہیں ممانعت نہیں (خطبوں کا ترجمہ بھی اردو میں کر دیا گیا ہے) (۳)۔

---

(۱) "پرمیشور: خدائے تعالیٰ"۔ (فیروز اللغات ص: ۲۹۱، نور اللغات: ۲/۸۲۹)

"نرد: ہندی ۔ بے زری چوسر کی گوٹ ۔ ۲۔ شطرنج کا مہرہ"۔ (فیروز اللغات ص: ۱۳۵۶)(نور اللغات: ۴/۱۵۰۰)

"ادھار: مرکبات میں بطور لاحقہ مستعمل ہے بمعنی والا، صاحب، مالک ہونے والا"۔ (فیروز اللغات ص: ۱۳۲۸)

(۲) "ولذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربية فالإلزام عدم فهمهم عائد إليهم لا إلى الخطباء، ولا يلزم للخطباء أن يغيروا اللسان العربي ويخطبوا بلسان يفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: ۴/۲۲، إدارة القرآن، كراچي)

(۳) "وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالى عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ: ص-۲۰، نور محمد أصح المطابع)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله تعالى هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس بموضوع، بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. انظر الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد أصح المطابع) (شاهجهاني)

(وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب: بيان أن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

زبان عربی کو ہر زبان پر فوقیت وشرف حاصل ہے، اس کا مدار حکومت پر نہیں بلکہ جس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت ہوگی اس کو اس زبان سے بھی محبت ہوگی، فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق روایات جمع کی ہیں (۱)۔ جن لوگوں کو ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قوی تعلق ہے اور اتباع سنت کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت تصور کرتے ہیں وہ بغیر حکومت کے بھی اس زبان کو ترجیح دیتے ہیں، اگر حکومت حاصل نہ ہو تو کیا ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی اتباع اور آپ کی زبان مبارک کی تعلیم وتعلم کو بھی ختم کردیا جائے، البتہ جن کے نزدیک حکومت کی حیثیت یہ ہو کہ حکومت کے بغیر کسی نظریہ وضابطہ کو پیش کرنا یا اس کا معتقد ہونا محض بے معنی ہے تو وہ اپنے معتقدات وضوابط کو بغیر حکومت کے بے معنی سمجھتے رہیں اور جب تک حکومت کی دولت کو ختم نہ کردیں، نہ کوئی ضابطہ پیش کریں نہ کوئی عقیدہ دل میں جمائیں۔

قرآن پاک کی کوئی آیت آپ نے ایسی پیش نہیں کی جس سے خطبہ کا اردو میں ہونا ثابت ہو، نہ ایسی حدیث پیش کی، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل پیش کیا، فقہائے کرام کی جو تصریحات پیش کی ہیں ان کا حل میں تفصیل سے عرض کرچکا، ان سے آپ کا مقصد ہرگز ہرگز پورا نہیں ہوتا۔

"کلموا الناس علی قدر عقولہم" (۲) یہ کیا چیز ہے، یہ قرآن پاک کی آیت تو یقیناً نہیں، اس کو حدیث کہیں گے یا فقہاء کا کلام، جب آپ اس کی تشخیص فرمائیں گے تو اس کے متعلق بھی عرض کردیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

---

(۱) قال الفقیه السمرقندی رحمه الله تعالی: "إن لسان العربیة لها فضل علی سائر الألسنة، فمن تعلمها أو علم غیره فهو مأجور، لأن الله تعالی أنزل القرآن بلغة العرب فمن تعلمها، فإنه یفهم بها معانی القرآن و معانی الأخبار، و قد روی ابن أبی بردة عن أبی بردة عن عمر رضی الله تعالی عنه أنه قال: کلام أهل الجنة بالعربیة. و روی عن عمر رضی الله تعالی عنه قال: من تعلم الفارسیة فقد خب، ومن خب فقد ذهب مروته. یعنی لو اقتصر علی لسان الفارسیة و لم یتعلم العربیة، فإنه عجمی. وقال الزهری: کلام أهل الجنة العربیة. و روی عن عمر رضی الله تعالی عنه أنه قال: علیکم بالتفقه بالعربیة الخ" (بستان العارفین للفقیه أبی اللیث السمرقندی، باب تفضیل لسان العربیة علی غیرها، ص: ۹۸، مطبع فاروقی دهلی)

(۲) (لم أجده)

## جواب پر چند اعتراضات

حضرت اقدس مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا جواب کے بعد سائل کا مندرجہ ذیل چند اعتراضات پر مشتمل خط آیا، سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیں۔

نحمده ونستعين بالله

محترم مولانا مدظلہ! سلام مسنون

سوال[۲۷۸۶]: ... اتفاق تقدیر رسالہ "نظام" پر آپ کے اس مضمون پر حقیر العباد کی نظر پڑی جس کو جناب والا نے بجواب خط تحریر فرمایا تھا، میں نے پڑھا معلوم ہوا کہ رجوع کے مسئلہ میں جو مفصل بحث شامی اور علماء کے اندر کی گئی ہے اس پر آپ کی نگاہ نہیں پڑی، ورنہ آپ یہ تحریر فرماتے کہ مسئلہ ہذا میں امام صاحب نے رجوع فرمایا ہے، درمختار میں یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"اعلم أيها الواقف على هذا الكلام أن رجوع الإمام إنما ثبت في القراءة بالفارسية فقط، ولم يثبت رجوعه في تكبيرة الافتتاح مع أن كلاً منهما من أذكار الصلاة على الخلاف، كما حرره شارح المجمع وكتب الأصول ورواية الكتب المعتبرة الخ"(۱)۔

اس سے پہلے درمختار کی یہ عبارت بھی دیکھئے:

"وشرط عجزه، وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة، وأما ما ذكره بقوله: (أو أمّن أو لبّى أو سلّم أو سمّى عند ذبح) أو شهد عند حاكم أو رد سلاماً، ولم أر لو شمّت عاطساً (أو قرأ بها عاجزاً) فجائز إجماعاً، قيد القراءة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، وجعل العيني الشروع كالقراءة لا سلف له فيه ولا سند له يقويه" (۲)۔

---

(۱) لقد تتبعت خمس نسخ: إحداها النسخة القديمة مطبوعة لدار إحياء التراث العربي، والثانية أيضاً لدار الإحياء، والثالثة لدار المعرفة، والرابعة لدار الثقافة بالرياض، والخامسة لمحمد سعيد پاکستان التي هي بين أيدينا، فلم أجد هذه العبارة في الدر ولا في الرد في أحد من النسخ المذكورة، بل العبارة المرقومة هي مأخوذة من تعليقات علاء الدين التي هي بحواشي تلك النسخ كلها تحت قول رد المحتار: "أولى أن الإمام". (التعليق على الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۲، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۲، سعيد)

... شامی کی یہ بحث اس سے پیشتر بھی متعدد مرتبہ دیکھ چکا تھا اور دیکھنے کی نوبت آتی رہتی ہے، اب آپ کی دعوت پر پھر دیکھی جو کچھ احقر نے تحریر کیا خود شامی کو بھی فی الجملہ اس کا اعتراف ہے، حافظ بدر شارح بخاری شریف، شارح ہدایہ، شارح کنز نے اس کو بسط سے لکھا ہے(۱)۔ ابو الاخلاص حسن شرنبلالی بھی حافظ بدر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوش بدوش ہیں(۲)۔ خود صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح ملتقی و درّ خزائن الاسرار شرح تنویر میں وہی لکھا ہے جو کہ حافظ بدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے(۳)۔ لیکن ان کو یہاں حافظ عینی کے ساتھ اتفاق نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"وجعل العيني الشروع كالقراءة، لا سلف له فيه، ولا سند له يقويه، بل جعله في التاتارخانية كالتلبية يجوز اتفاقاً، فظاهره كما ترى رجوعهما إليه لا هو إليهما، فاحفظه فقد اشتبه على كثير من القاصرين حتى الشرنبلالي في كل كتبه، فتنبه".

اس پر شامی لکھتے ہیں: "(قوله: رجوعهما إليه صح) أي أنهما رجعا إلى قوله بصحة

(۱) "وأما الشروع بالفارسية أو القراءة بها فهو جائز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى مطلقاً، وقالا: لا يجوز إلا عند العجز، وبه قالت الثلاثة، وعليه الفتوى. وصح رجوع أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلى قولهما". (رمز الحقائق شرح العيني على الكنز، كتاب الصلاة، فصل في صفة الصلاة: ۱/۳۰، إدارة القرآن كراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (البناية في شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۱۷۰، ۱۷۶، رشیدیہ)

(۲) "ويصح الشروع أيضاً بالفارسية وغيرها من الألسنة إن عجز عن العربية، وإن قدر لا يصح شروعه بالفارسية ونحوها (ولا قراءته بها في الأصح) من قول الإمام الأعظم موافقة لهما؛ لأن القرآن اسم للنظم والمعنى جميعاً الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۰، قديمي)

(۳) "(أو كبّر بالفارسية صح) في الكل ..... (وكذا لو قرأ بها)، وهذا إذا كبّر أو قرأ بالفارسية عاجزاً عن العربية، فإن كان لا يحسن العربية بشرط أن لا يخل بالمعنى، وهذا قولهما، وبه قالت الثلاثة، وإليه صح رجوع الإمام، وعليه الفتوى، قاله العيني وغيره". (الدر المنتقى في شرح الملتقى للحصكفي، كتاب الصلاة، فصل في صفة الشروع: ۱/۱۴۰، غفاریہ کوئٹہ)

الشروع بالفارسية بلا عجز كما رجع هو إلى قولهما بعدم الصحة في القراءة لعدم الإعجاز لا في الشروع أيضاً كما توهم الزيلعي اهـ"۔

یہاں تک تو شارح کے مطلب کی توضیح تھی مگر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خود شارح سے اتفاق نہیں اس لئے لکھتے ہیں: "لكن قولهما: رجعا إلى قوله في الشروع، لم يقله أحد، وتبع المتقول حكاية الخلاف، وأما عبارة المتن فهي مبنية على قول الإمام، فالحاصل أن ما أورده على العيني في دعوى رجوعه إلى قولهما يرد عليه في دعواه رجوعهما إلى قوله"۔

پھر آگے چل کر "(قوله على الشرنبلالية)" کے تحت لکھا ہے: "علم أن الشارح نفسه خفي عليه ذلك، فتبع العيني في شرحه على الملتقى وفي الخزائن، بل خفي أيضاً على البرهان الطرابلسي في متنه مواهب الرحمن حيث قال: والأصح رجوعه إليهما في عدم جواز الشروع والقراءة بالفارسية لغير العاجز عن العربية"(۱)۔

اب غور کیجئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک کیا ہے؟ جن کتب کا احقر نے حوالہ دیا، غالباً وہ بھی جناب نے ملاحظہ نہیں کیں ورنہ شاید عدمِ رجوعِ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پر اتنا اصرار نہ ہوتا۔ احقر چونکہ یہ بحث باب الأذان، تألیف الصلوۃ، جمعہ وغیرہ میں مفصل دیکھ چکا تھا، وہاں کے سب گوشے سامنے تھے اور جانتا تھا کہ بعض اذہان اس رجوع کو تسلیم نہیں کریں گے، اس لئے اصل سوال کے جواب کو رجوع کی جہت پر منحصر نہیں کیا بلکہ لکھ دیا تھا کہ اگر کسی کو رجوع سے انکار ہو اور اسی قول سے استدلال پر اصرار ہو تو پھر امام اعظم کے اس قول کی تشریح بھی دیکھ لی جائے۔ لہٰذا اس کے بعد عدمِ رجوع کے مسئلہ پر بحث کرنا بھی چنداں سودمند نہیں۔

۲..... آیت: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾(۲) آپ نے قوم کی تفسیر "امت" سے کر کے رسول اور امت کے ہم زبان ہونے کا قاعدہ کلیہ استنباط فرمایا ہے، یہی قاعدہ کلیہ عیسائیوں اور یہودیوں نے سمجھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کو اہلِ عرب کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ جن کی زبان عربی تھی، حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اس کے ذمہ ضروری نہیں، علمائے اسلام نے اس

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۸۴، ۴۸۵، سعید)

(۲) (سورۃ إبراهيم: ۴)

قاعدہ کلیہ کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ "امت" اور چیز ہے اور "قوم" اور چیز ہے(۱)، پہلے پیغمبر اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے، جیسا کہ ﴿إنا أرسلنا نوحاً إلى قومه﴾ الآیۃ(۲) وغیرہ میں مذکور ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے، آپ کی امت انسان بھی ہیں، جنات بھی ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جنات آپ کی قوم نہیں۔ آپ کی بعثت اسود و احمر سب کی طرف ہے(۳) امریکہ، لندن، جرمن، ہندوستان،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ الآية. (سورة الأعراف: ۹/ ۱۵۸)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى تحت هذه الآية: "لما حكى ما في الكتابين من نعوته صلى الله تعالى عليه وسلم وشرف من يتبعه على ما عرفت، أمر عليه السلام بأن يصدع بما فيه تبكيت لليهود الذين حرموا اتباعه، وتنبيه لسائر الناس على افتراء من زعم منهم أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مرسل إلى العرب خاصة. وقيل: إنه أمر له صلى الله تعالى عليه وسلم ببيان أن سعادة الدارين المشار إليهما فيما تقدم غير مختصة بمن اتبعه من أهل الكتابين، بل شاملة لكل من يتبعه كائناً من كان، وذلك ببيان عموم رسالته صلى الله تعالى عليه وسلم، وهي عامة للثقلين كما نطقت به النصوص حتى صرحوا بكفر منكره، وما هنا لا يأبى ذلك، والمفهوم فيه غير معتبر عند القائل به لفقد شرطه وهو ظاهر" (روح المعاني: ۹/ ۱۲۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (سورة نوح: ۲۹/ ۱)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحد من الأنبياء قبلي .. وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة، وبعثت إلى الناس كافة، وأعطيت الشفاعة" (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً": ۱/ ۶۲، قديمي كراچي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيراً ونذيراً ولكن أكثر الناس لا يعلمون﴾ (سورة السبا: ۲۲/ ۲۸)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: يعني إلى الناس عامة، وقال قتادة رحمه الله تعالى في هذه الآية: أرسل الله تعالى محمداً صلى الله تعالى عليه وسلم إلى العرب والعجم ... أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "بعثت إلى الأسود والأحمر". قال مجاهد رحمه الله تعالى: يعني الجن والإنس. وقال غيره: يعني العرب والعجم، والكل صحيح". (تفسير ابن كثير: ۳/ ۵۳۸، ۵۳۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

ترک سب آپ کی امت ہیں مگر آپ کی قوم نہیں۔ اگر رسول اور امت کا ہم زبان ہونا ضروری ہوتا تو وحی بھی ہر زبان میں آتی، پھر کسی ترجمان کی ضرورت نہیں تھی، جن بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے ہیں وہ صرف عربی زبان میں نہ بھیجے بلکہ خود ان کی زبان میں بھیجے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو اس قاعدہ کلیہ کی آڑ لے کر بہت کچھ تشدید و درازی کا موقعہ ملا اور بے شمار لوگوں کو یہی کہہ کر اسلام سے روکا کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہوتے اور وہ تمہارے رسول ہوتے اور تمہارے ذمہ ان کی اطاعت لازم ہوتی تو وہ تمہارے ہم زبان ہوتے اور تمہاری زبان میں ان پر وحی آتی، مگر جب کہ ایسا نہیں تو وہ تمہارے رسول نہیں بلکہ ان کی رسالت صرف عرب کے لئے ہے۔ آپ اپنے قاعدہ کلیہ کو نظر غائر سے دیکھیں کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے اور یہ کس قدر فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے، پھر اس پر مسئلہ خطبہ کا متفرع کرنا بالکل بدیہی البطلان ہے۔

۳..... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلاد عجم میں بھی عربی ہی میں خطبہ دیا ہے اس کو محدث ہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل میں پیش کیا ہے اور نہ صرف صحابہ کرام بلکہ اپنے زمانہ تک ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک کا عمل متوارث قرار دیا ہے (۱)۔ آپ کو حق ہے کہ اپنے علم وفہم کی روشنی میں خلفائے راشدین، اکابر

---

= "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحد قبلي: بعثت إلى الأحمر والأسود". الحديث. (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۲۰۸۰۴): ۶/۱۸۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "چون خطبه آن حضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم تنقیح آن وجود چند چیز است" و عربی بودن خطبه . . . وعربی بودن نیز بجهت عمل مستمرهٔ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند الخ". (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۳، رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

"الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في انتفاء فلا انتفاء في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها =

صحابہ، تابعین، محدثین، فقہائے مجتہدین، اولیاء اللہ، صالحین کے تعامل، توارث، وتواتر کو یہ کہہ کر اڑا دیں کہ یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی، ومزید برآں یہ کہ اس سنت متوارثہ کو آپ تشبیہ دے رہے ہیں آج کے حالات کے ساتھ کہ:

"آج ہندی پرست اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں کس طرح دیگر اقوام پر ہندی کو لازم کر رہے ہیں اسی طرح صحابہ کرام نے بھی کیا"۔

تو گویا آج ہندی پرست طبقہ کو آپ عربیت ختم کرنے اور ہندی لازم کرنے کا زبردست ہتھیار صحابہ کرام کی سنت متوارثہ سے استنباط کر کے عنایت فرما رہے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کے نفوس مقدسہ اس گھمنڈ سے بالاتر تھے، ان کے پیش نظر ہرگز ہرگز وہ عصبیت نہیں تھی جس کا آج دنیا میں پرچار ہے، انہوں نے اقوام مفتوحہ کی جس قدر حفاظت فرمائی، ان کو پروان چڑھایا، ان کو ذہنی، علمی، اخلاقی، معاشی، حقوق دیئے، بین الاقوامی، ہر نوع کی ترقی دی، ان کے کمالات کی تکمیل کی، ان کو انسانیت کے بلند مقام پر پہنچایا، آج دنیا میں کوئی قوم اس کا خواب بھی نہیں دیکھ رہی ہے، آپ کی اس تشبیہ سے ان پاکیزہ نفوس کی پوزیشن کس قدر مجروح ہو جاتی ہے؟

۴... ایمان باللہ سے اعراض کرنے کو کس نے کہا اور محض خطبہ کی زبان پر عربی کی ترویج کو کس نے منحصر کیا ہے؟ ایمان باللہ کی تکمیل کیلئے تدریس، تذکیر، تلقین، تبلیغ کی صورتیں اختیار کی جا چکی ہیں، آج بھی دنیا میں رائج ہے اور بے شمار مخلوق خدا فیضیاب بھی ہو رہی ہے، البتہ جن کو علم سے عناد ہے یا جہل مرکب میں گرفتار ہیں وہ پہلے بھی محروم رہے اور اب بھی محروم ہیں۔

۵... میں پہلے عرض کر چکا ہوں، آپ بتایئے کہ جو ساری جہالت دور کرنے کا ذریعہ صرف خطبۂ جمعہ کو قرار دے اور کہے کہ نہ کسی مدرسے میں جاؤں گا، نہ کوئی کتاب پڑھوں گا، نہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کروں گا، نہ وعظ سنوں گا، بلکہ خطبہ میں سارا دین سیکھوں گا تو وہ کس قدر جہالت میں گرفتار ہے، ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" عربی میں سن کر اس کا ترجمہ اردو میں سن کر وہ کتنا دین حاصل کرے گا، آپ نے وہیں پہنچ کر منزل کر دی کہ "پھر ایک کلمہ سن کر معرفت نیت کی شرط کے ساتھ تریاق کا کام انجام دے سکتا ہے"۔

---

= من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب لهم أحد منهم بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ۴/۳۲، إدارة القرآن، كراتشي)

سوکچھ مضائقہ نہیں، اس نظریہ کی رعایت بھی اصل جواب میں کرلی گئی تھی، شاید آپ نے طائرانہ نظر سے اس کو پڑھا تھا، نظر غائر نہیں ڈالی، اس میں یہ عبارت بھی درج ہے: "یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد وعظ کہہ دیا جایا کرے جس میں دین کے ضروری عقائد واحکام بیان کردیئے جایا کریں اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا اور سنایا جاتا ہے اس کا مطلب بھی بتادیا جایا کرے اس کی کہیں ممانعت نہیں (خطبوں کا ترجمہ بھی اردو میں کردیا گیا ہے)(۱)۔

۲...آپ فرماتے ہیں: "اس شعار ملی کو فداکارانہ منانے"۔ شعار اسلامی وہ ہے کہ جس کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور آپ کے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہائے محدثین اولیاء اللہ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا اور تقریباً پونے چودہ سو سال سے شرقاً وغرباً شمالاً وجنوباً تمام امت نے اختیار کیا یعنی عربی خطبہ پڑھنا(۲) جس کو آپ مٹارہے ہیں، لہٰذا اس شعار اسلامی کو فداکارانہ منایئے، وہ ہرگز ہرگز شعار اسلامی نہیں جس کو آپ تجویز کررہے ہیں یعنی اردو میں خطبہ پڑھنا۔

۷۔ آپ کے خط کا جواب دفتر "نظام" میں بھیج دینا اس کی اشاعت ارباب نظام کی صوابدید پر ہے۔ والسلام۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

## الخطبة بغير العربية

سوال[۳۸۶۲]: ما قولكم دام فضلكم في خطبة العربية المترجمة في لسان العجم هل تجوز عند الأحناف بغير كراهة أم لا؟ فإن جازت فهل جوازها بالكراهة التحريمية أو التنزيهية أو بدونها؟ بينوا طريق الحق يا أهل الحق۔

## الجواب حامداً ومصلياً:

السنة المتوارثة في خطبة الجمعة هي أن تكون بالعربية والخطبة بغير العربية سواء كانت مترجمة بالهندية أو بالفارسية أو بغيرهما لكونهما خلاف السنة بدعة مكروهة، قال

---

(۱) (راجع ص: ۲۳۵، رقم الحاشية :۳)

(۲) (راجع ص: ۲۳۴، رقم الحاشية :۱)

مولانا ولی اللہ المحدث الدهلوی فی المصفی شرح الموطأ:

"لما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وهلم جراً فتنقحنا وجود أشیاء منہا الحمد والشہادتین والصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والأمر بالتقوی وتلاوۃ آیة والدعاء للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیةً ...... وأما کونہا عربیةً فلاستمرار عمل المسلمین فی المشارق والمغارب أن فی ...... کثیر من الأقالیم کان المخاطبون أعجمیین اهـ"(۱)۔

قال فی آکام النفائس: "الخطبۃ بالفارسیۃ التی أحدثوها واعتقدوا حسنہا بین العامۃ ... الباعث إلیہا إلا عدم فہم العجم اللغۃ العربیۃ، وهذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیر البریۃ، وإن کانت فی قلۃ فلا اشتباہ فی عصر الصحابۃ والتابعین ومن تبعہم من الأئمۃ المجتہدین، حیث فتحت الأمصار الشاسعۃ والبلاد الواسعۃ وأسلم أکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الأعاجم، وحضروا مجالس الجمع والأعیاد وغیرها من شعائر الإسلام، وقد کان أکثرهم لا یعرفون اللغۃ العربیۃ، ومع ذلک لم یخطب أحد منہم بغیر العربیۃ، ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنۃ وفقدان المانع والتکاسل ونحوها معدوم والقواعد الشرعیۃ ثبت بلا ریب أن هذا التی هی أدنی درجات الضلالۃ"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۵/ ۵۹ھ۔

## ایضاً

سوال [۳۵۸۳]: ۱… خطبۂ جمعہ کا کچھ عربی زبان میں ہو اور اس کے ساتھ ترجمہ اور وعظ بھی ہو، اگر وعظ ہو تو کیسا ہے؟

---

(۱) "چوں خطب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و ہلم جرا ملاحظہ کردیم، تنقیح آں وجود چند چیز است ... و عربی بودن خطبہ ... و عربی بودن نیز بجہت عمل مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب با وجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند" (مصفی شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

(۲) (مجموعۃ رسائل اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، رسالۃ آکام النفائس: ۴/۳۷، إدارۃ القرآن، کراچی)

باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند"(۱)۔

۲..... طوالِ مفصل کی ایک سورت کے برابر یا اس سے کم ہو، اس سے زیادہ طویل کرنا مکروہ ہے: "وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل اهـ". در مختار: ۲/۱۴۷(۲)۔ سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں طوالِ مفصل کہلاتی ہیں۔

۳..... خطیب کی یہ عادت سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و عمل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و طریقِ سلف و تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہے، خطیب کو اس عادت کا ترک کرنا لازم ہے، اگر وعظ کہنا ہے تو خطبہ سے پہلے وعظ کہہ لیا جائے(۳) اور خطبہ کے بعد وقت سنتوں کے لئے وقفہ دے کر پھر خطبہ خاص عربی میں سنت کے موافق پڑھا جائے، تاکہ خطیب کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور خلاف سنت کا اشکال بھی باقی نہ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (مصفى شرح موطأ، باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر: ص ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهري مسجد دهلي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

"عن عمار بن ياسر رضي الله تعالى عنه قال: أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بإقصار الخطب". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب إقصار الخطب: ۱/۱۵۸، دار الحديث ملتان)

"وأما سنن الخطبة ... ومنها أن لا يطول الخطبة؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أمر بتقصير الخطب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما سنن الخطبة: ۱/۵۹۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(۳) "وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالى عن حميد بن عبد الرحمن أن تميما الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضي الله تعالى عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ: ص ۲۰، نور محمد أصح المطابع، كراتشي)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله تعالى هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستنده أنه على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. انظر (الموضوعات الكبرى، المقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ: ص ۲۰، نور محمد أصح المطابع)

=

## ایضاً

سوال[۳۷۸۰]: ہمارے شہر میں ایک رسم مستقل یہ پڑی ہوئی ہے کہ جمعہ کا خطبہ اردو میں بھی ہو، ورنہ فساد کا حق الیقین ہے، ایسی حالت میں زید جو کہ مسائل سے واقف ہے اردو میں بھی خطبہ ادا کر سکتا ہے، اگر نہیں کرتا تو عوام بلوی کا اندیشہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کو کون راستہ اختیار کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اردو میں خطبہ مکروہ تحریمی ہے(۱) "من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

= وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب إن الدين النصيحة: ١/٥٤، قديمي)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: "وأما نصيحة عامتهم وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم ... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب الإيمان، باب إن الدين النصيحة: ١/٥٤، قديمي)

(١) "الخطبة الفارسية التي أحدثوها واخترعوها حسبوا، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في الصحابة فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة، وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية، ولم تثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة، وفقدان المانع والتكاسل رتحوه معلوم بالقواعد الشرعية، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ٤/٣٤، إدارة القرآن، كراچي)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ٢): ١/٢٠٠، سعيد)

(٢) (الأشباه والنظائر، (رقم القاعدة: ٥): ١/٢٨٦، إدارة القرآن كراچي)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما خير رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بين =

## اردو میں خطبہ

سوال[۳۶۸۵]: کیا اردو میں خطبہ دیا جائز ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخاطب عربی داں تھے اور ہمارے مخاطب عربی داں نہیں، اس لئے خطبہ اردو میں دے رہے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبۂ جمعہ عربی ہی میں ہونا متوارث و متواتر رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جن بلاد عجم کو فتح کیا وہاں بھی خطبہ عربی ہی میں دیا ہے، تمام دنیا میں یہی طریقہ چلا آیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا امام مالک کی شرح میں ایسا ہی لکھا ہے (۱)۔ زیادہ تفصیل "آکام النفائس" میں ہے (۲)۔ ہندوستانی علماء کے متعدد رسائل تحقیق الخطبہ والجمعہ وغیرہ اس مسئلہ پر شائع ہو چکے ہیں، ماہنامہ "نظام" میں بھی اس پر دو مرتبہ مفصل بحث آچکی ہے، جن صاحب نے اردو میں خطبہ دینے کے مصالح و ضروریات پر بہت زور دیا تھا اور اس کے لئے عقلی و نقلی دلائل بھی تفصیل سے پیش کئے تھے اور عربی میں خطبہ دینے کو بیکار، غلط اور مضر بتایا تھا، ان سب کا جواب رسالہ نظام میں شائع کیا جا چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## مذہب شافعی میں خطبۂ جمعہ کا ترجمہ

سوال[۳۶۸۶]: مذهب الشافعي رحمه الله تعالى نرجو منكم جوابًا في كتب الفقه من

---

— الأمرين، لا اختار أيسرهما ما لم يكن فيه مأثم". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۵۲۲۹، ۶/۱۸۹، دار إحياء التراث)

(۱) "چوں خطب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و غیرہم را ملاحظہ کردیم، تنقیح آں وجود چند چیز است: حمد و شہادتین و صلوٰۃ ... و عربی بودن خطبہ ... و عربی بودن نیز بجہت عمل مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند" (مصفی شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

(۲) (آکام النفائس من مجموعۃ رسائل اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۴/۲۰، ادارۃ القرآن کراچی)

مذهب الشافعي رحمه الله تعالى على ترجمة توابع خطبة الجمعة الأولى بلا تطويل؟ وهل يسنون ترجمة توابع الخطبة على المنبر؟ وما حكم ترجمة الأركان في مذهب الشافعي رحمه الله تعالى وأقوال أصحابه؟ وجوابكم مع حوالة من كتب الفقه من مذهب الشافعي رحمه الله تعالى۔

**الجواب باسمه تبارك وتعالى حامداً ومصلياً:**

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى في المنهاج وشارحه ابن حجر المكي في تحفة المحتاج: "ويشترط كونها: أي الأركان دون ما عداها عربية للاتباع، نعم إن لم يكن فيهم من يحسنها ولم يمكن تعلمها قبل ضيق الوقت خطب منهم واحد بلسانهم، وإن أمكن تعلمها وجب على كل منهم، فإن مضت مدة إمكان تعلم واحد منهم ولم يتعلم عصوا كلهم ولا جمعة لهم بل يصلون الظهر اهـ" وقال محشيه: "(قوله: دون ما عداها) يفيد أن كون ما عدا الأركان من توابعها بغير العربية لا يكون مانعاً من الموالاة كالسكوت بين الأركان إذا طال (قوله بلسانهم): أي من عدا الأربعين فيأتي ما تقدم ولا يترجم عنهم" (٢/ ٤٥٠)(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible] ۹۵ھ۔

### ترجمۂ خطبۂ عربیہ

سؤال [۵۰۴۳]: ما قولكم في مسئلة ترجمة الخطبة العربية يوم الجمعة والعيدين بغير العربية، فهل يجوز أن يكون الأركان بغير عربية أم لا؟ وهل يجوز غير الأركان من توابع بغير العربية أم لا؟ وإن قلتم بالجواز فهل يكون ذلك خلاف الأولى أو مع الكراهة أو بلا كراهة أم لا؟ أجيبوا على مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان رحمة الله عليه وعلى مذهب الإمام الشافعي رحمة الله عليه تفصيلاً مع حوالة من كتب الحنفية والشافعية المعتمدة، وبينوا توجروا؟

---

(١) (منهاج الطالبين وعمدة المفتين للإمام النووي رحمه الله تعالى، كتاب الصلاة، الجماعة، باب صلاة الجمعة، ص: ١٩، مصطفى البابي الحلبي مصر)

قبل وعظ ختم کر کے سنتوں کا موقع دیا جائے، عربی میں خطبہ کا ہونا شعار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اس کو ختم نہ کیا جائے، نیز غیر شعار کو بھی اس کے ساتھ خلط نہ کیا جائے۔

قرآن کریم میں حکم ہے: ﴿أقيموا الصلوة﴾(۱) یہ بنیادی چیز ہے، دوسری آیت میں ہے: ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾(۲)۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے کیا ان کے لئے آپ کہہ دیں گے کہ اپنی مادری زبان میں نماز پڑھا کریں، غیر مفہوم زبان کو ذریعہ ادا نہ بنایا جائے۔

خطبات میں جہاں تک میں نے دیکھا حمد، صلوۃ، خطاب، تلاوت، دعاء بھی چیزیں ہوتی ہیں اور حدیث شریف کے بھی مضامین ہوتے ہیں، جملے کے جملے حدیث شریف کے ہوتے ہیں، قرآن پاک کی آیات ہوتی ہیں(۳)۔ آپ نے ان سب کو الف لیلہ کے ساتھ تشبیہ دی، غور کیجئے اس تشبیہ کی زد کہاں پڑتی ہے۔

اگر رسول وامت کا ہم زبان ہونا ضروری ہے اور آپ کا یہی عقیدہ ہے تو پھر آپ کے نزدیک رسول

---

* وروى الطبراني بسند جيد عن عمرو بن دينار: "أن تميماً الداري استأذن عمر في القصص، فأبى أن يأذن له ثم استأذنه". الحديث. (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد أصح المطابع)

(ومعناه في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

تنبيه: ذكر الملا على القاري رحمه الله تعالى هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إليها.

(۱) (سورة البقرة: ۴۳)

(۲) (سورة العنكبوت: ۴۵)

(۳) "ينبغي أن يخطب خطبة خفيفة يفتتح بحمد الله تعالى ويثني عليه ويتشهد ويصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ويعظ ويذكر ويقرأ سورة، ثم يجلس جلسة خفيفة، ثم يقوم فيخطب خطبة أخرى يحمد الله تعالى ويثني عليه ويتشهد ويصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ويدعو للمؤمنين والمؤمنات". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعيد)

(وكذا في مصفى شرح موطا، كتاب الصلوة، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۵۴، كتب خانه رحيميه دهلي)

اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عرب ہی کے لئے مخصوص ومنحصر ہوتی، جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور اسی بناء پر وہ لوگوں کو قبول اسلام سے انہوں نے روکا کہ اگر وہ تمہارے رسول ہوتے تو تمہاری زبان بولتے (۱)، حالانکہ آپ کی رسالت عرب، عجم، اسود، احمر، جن وانس سب کی طرف ہے (۲)، تو سب ہندی، سندھی، چینی، جاپانی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہمارے تو ہم زبان نہیں تھے، اس لئے ہمارے رسول نہیں تھے، ان پر کیوں ایمان لایا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ قوم وامت دونوں ایک چیز نہیں، ان کو ایک سمجھنا ہی غلط ہے، پہلے رسل مخصوص طور پر اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوتے تھے ﴿وإلى عاد أخاهم هودًا قال يا قوم اعبدوا الله﴾(۳) ﴿إنا أرسلنا نوحًا إلى قومه﴾(۴)۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقط اپنی قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ سب کی طرف مبعوث ہوئے ﴿قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعًا﴾(۵)، فقط و

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعًا﴾ (الأعراف: ۱۵۸)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: "لما حكى ما في الكتابين من نعوته صلى الله تعالى عليه وسلم وشرف من يتبعه على ما عرفت، أمر عليه السلام أن يصدع بما فيه تبكيت لليهود الذين حرموا اتباعه، وتنبيه لسائر الناس على افتراء من زعم منهم أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مرسل إلى العرب خاصة". (روح المعاني: ۹/۸۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وما أرسلناك إلا كافة للناس﴾ الآية (سورة سبا: ۲۸)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: يعني إلى الناس عامة، وقال قتادة رحمه الله تعالى في هذه الآية: "أرسل الله محمدًا صلى الله تعالى عليه وسلم إلى العرب والعجم". (تفسير ابن كثير: ۳/۸۰۳، سهيل اكيدمي لاهور)

"عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعطيت خمسًا لم يعطهن أحد قبلي: بعثت إلى الأحمر والأسود" الحديث. (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۰۸۰۲، ۵/۱۸۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (سورة هود: ۵۰)

(۴) (سورة نوح: ۱)

(۵) (الأعراف: ۱۵۸، وأيضًا راجع رقم الحاشية رقم: ۱)

## خطیب کا وقتی مسئلہ اردو میں بتانا

سوال [۳۷۸۹]: کیا خطیب خطبہ پڑھتے وقت درمیان میں کسی کو اردو میں نصیحت کر سکتا ہے؟ مثلاً کوئی مقتدی سو گیا اس سے کہا سو مت، یا وضو ٹوٹ گیا اور وہ بیٹھا رہا اس کو وضو کرنے کیلئے کہے وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقتی مختصر سا مسئلہ اردو میں بھی خطیب بتا سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جمعہ کی دو اذانوں کے درمیان وعظ

سوال [۳۷۹۰]: کسی قصبہ میں ایک عظیم مشہور خانقاہ دینی درسگاہ ہے جس کے اندر ایک جامع مسجد بھی ہے، جامع مسجد میں نماز جمعہ کا وقت مقرر ہے، مقررہ وقت پر نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے قصبہ کے ہر طبقے کے لوگ کافی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، اور پیش امام کے منبر تک پہونچ جانے کے لئے اذان ثانی تک کافی وقت حاصل ہوتا ہے۔ ایک ہی مولوی "الف" صاحب ہیں جو دین کی تبلیغ کے شوقین ہیں، چنانچہ دینی درسگاہ کی جامع مسجد میں

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لما استوى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الجمعة قال: "اجلسوا" فسمع ابن مسعود رضي الله تعالى عنه فجلس على باب المسجد فرآه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "تعال يا عبد الله بن مسعود". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الإمام يكلم الرجل في خطبته: ۱/۱۶۳، مكتبه امداديه ملتان)

"قال الطيبي: فيه دليل على جواز التكلم على المنبر، وعندنا كلام الخطيب في أثناء الخطبة مكروه إذا لم يكن أمراً بالمعروف". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الإمام يكلم الرجل في خطبته: ۱۸۰/۲، مكتبه امداديه ملتان)

"ويكره تكلمه فيها إلا لأمر بمعروف، لأنه منها". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة ..... إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف فلا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۲/۵۹۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۲، مكتبه رشيديه)

(جہاں روزانہ دین کی تبلیغ درس کی شکل میں ہوتی ہے) جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان سنت پڑھنے والے وقت میں انہوں نے دین کی تبلیغ کا وقت منتخب کیا ہے اور ہر جمعہ کو دونوں اذانوں کے درمیان اللہ ورسول کی باتیں سنانے کھڑے ہو جاتے ہیں، بلکہ اس کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس سے سنت پڑھنے میں بے حد خلل پڑتا ہے۔

بسا اوقات لوگ بغیر کوئی آیت پڑھے محض بیٹھ کر سنت کی تعداد پوری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کیونکہ لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کی تیز آواز میں کوئی آیت پڑھی نہیں جاتی۔ علاوہ ازیں اگر مولوی صاحب موصوف تقریر کو طویل کر دیتے ہیں تو فرض نماز جمعہ میں تاخیر ہو جاتی ہے جس سے کسی کی ٹرین چھوٹ جاتی ہے تو کسی کی بس، یا کوئی اپنے عزیز کی نماز جنازہ میں شرکت سے محروم ہو جاتا ہے جو کسی دوسری جامع مسجد میں پڑھی ہوتی ہے اور ملازم پیشہ اشخاص اپنی ڈیوٹی پر تاخیر سے پہونچ پاتے ہیں۔ اللہ اور رسول کی باتیں سننا کسی مسلمان کو بار نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کا وقت اس کے لئے منتخب کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ جو لوگوں کی بے چینی کا باعث ہے۔

فرض کی ادائیگی سے پہلے گویا لوگوں کو زبردستی تقریر سننے پر مجبور کیا جاتا ہے، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان سنت پڑھنے والے وقت میں مذکورہ بالا حالات میں وعظ فرمانا اور اس کا سلسلہ قائم کرنا شرعاً جائز ہے؟ اگر ہاں تو بتایا جائے کہ آغاز اسلام سے اب تک کسی دور میں ایسا سلسلہ رہا ہے؟ اور یہ کہ جس سے سنت کی نماز ناقص رہ جاتی ہے تو اس کا عذاب کس کے سر ہوگا، نمازی کے یا مخل ہونے والے عالم دین مولوی "ص" صاحب کے، درگاہ کے ارباب حل وعقد کو جو مولوی "ص" صاحب کو ایسی دخل اندازی کی اجازت دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر صورت یہ ہے کہ باہمی مشورہ سے اس طرح طے کر لیں کہ اذان اول ہوتے ہی دین کے ضروری مسائل واحکام کو بیان کرنا شروع کر دیا جائے اور سامعین آ آ کر بیٹھتے اور سنتے رہیں، اذان سے آٹھ دس منٹ پہلے بیان ختم کر دیا جائے اس وقت سب لوگ سنتیں اطمینان سے ادا کر لیا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ دین کی تبلیغ بھی ہو جایا کرے گی اور سنتوں میں بھی خلل نہیں ہوگا، ممکن ہے کہ کچھ اہل علم حضرات ایسے ہوں جن کو دینی احکام

عنہ ہفتہ میں ایک روز بیان فرمایا کرتے تھے (۱)۔ آپ حضرات بھی اپنی بستی میں اس کا انتظام کرلیں تو کیا اچھا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## اذانِ خطبہ سے پہلے وعظ

سوال [۳۷۰۹]: ہم نے ایک مسئلہ کے متعلق چند سوال ارسال کئے تھے جس کا جواب ملا مسئلہ خطبہ جمعہ کے متعلق تھا اور یہ سوال تھا کہ "جمعہ کی دوسری اذان سے پہلے اردو میں وعظ کرنا جائز ہے یا نہیں"؟ تو جناب نے یہ جواب ارسال فرمایا کہ "جماعت کے مشورہ سے پہلے اذان کے ساتھ ہی وعظ شروع کردیں اور خطبہ کی اذان سے دس بارہ منٹ پہلے قطعاً بند کردیا تاکہ سنت پڑھنے والوں کو سنت ادا کرنے کا پورا وقت مل جائے"۔

اس کے ساتھ میں نے یہ سوال بھی کیا تھا کہ "پہلی اذان کے بعد وعظ کرنا امام یا مقتدی میں سے کسے جائز ہے"؟ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے وعظ (صرف حدیثیں) بیان کرنے کے لئے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت طلب کی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو اجازت نہیں دی مگر کچھ عرصہ کے بعد اجازت دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ: "میرے آنے سے پہلے وعظ قطعاً بند ہوجانا چاہیے (۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد جو وعظ کی جاتی

---

(۱) "عن أبي وائل قال: كان عبد الله رضي الله عنه يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن! لوددت أنك ذكرتنا كل يوم، قال: أما إنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة: ۱۶/۱، قديمي)

(۲) "عن أبي وائل قال: كان عبد الله رضي الله عنه يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن! لوددت أنك ذكرتنا كل يوم، قال: أما إنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة: ۱۶/۱، قديمي)

"وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن –

تھی، وہ مقتدی کیا کرتے تھے نہ کہ امام"۔

اب آپ سے استدعا یہ ہے کہ پہلی اذان کے بعد کتاب دو ہاتھ میں لے کر وعظ کرنا، امام ومقتدی دونوں میں سے کسی کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی اذان کے بعد جب مقتدی کو وعظ کہنا حدیث سے شرعاً درست اور دورِ صحابہ سے ثابت ہے تو امام کے لئے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، اصل تو یہ ہے کہ امام ہی وعظ کہے لیکن اگر امام دیگر دینی امور میں زیادہ مشغول اور عدیم الفرصت ہو تو مقتدی یہ کام انجام دے دے، وعظ خواہ دینی معتبر کتاب دیکھ کر ہو خواہ بلا کتاب لئے ہو سب طرح درست ہے، مگر بات جو کہی جائے وہ صحیح ہونی چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء دین بابت مسئلہ ذیل:

زید کا یہ عمل ہے کہ وہ بروز جمعہ خطبہ سے قبل- جب کہ لوگ جن کا سلسلۂ آمد آغاز خطبہ تک رہتا ہے، سنت مؤکدہ ادا کرتے ہوتے ہیں— وعظ بیان کیا کرتے ہیں، اکثر وبیشتر لوگوں کو زید کے اس موقعہ پر وعظ بیان

---

= عمر رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: "ما تقول"؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، فقال عمر رضي الله عنه: "ذلك الذبح". ثم قال: "عظ قبل أن أخرج في الجمعة". فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة".

(الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كراتشي)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبير، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز.

(وبمعناه في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب: أن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۱) (راجع ص: ۲۵۲، رقم الحاشية: ۲)

کرنے کے متعلق اس وجہ سے اعتراض ہے کہ جو لوگ نماز میں مصروف ہوتے ہیں ان کی نمازوں میں خلل ہوتا ہے اور بھول چوک ہو جاتی ہے، لیکن زید کے نزدیک اس اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں جس کی وجہ سے اکثر لوگوں میں زید کے خلاف جذبات پیدا ہوگئے اور چند مرتبہ جھگڑا بھی ہوا۔

ان حالات کی بنا پر بعض صاحبان نے آئندہ کے جھگڑوں فساد کو روکنے کے لئے اس مسئلہ کے پیش نظر یہ، جب کہ لوگ نماز پڑھتے ہوں تو اس وقت زور زور سے بات چیت کرنا حتی کہ تلاوت کلام پاک بھی بالجہر منع ہے۔ یہ طے کیا کہ زید کو ایسے موقع پر وعظ نہ کہنا چاہئے اور جس کسی کو وعظ کہنا ہو وہ بعد نماز جمعہ بیان کیا کریں، لیکن زید کو یہ فیصلہ تسلیم نہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ امتناع نص قرآنی یا حدیث کی رو سے ہو تو وہ بتایا جائے، کہا جاتا ہے کہ زید فقہ، اجماع امت اور قیاس مجتہدین کا قائل نہیں۔

پس اگر بصورت مذکورہ صدر کسی قسم کا بھی بآواز بلند وعظ کہنا جس سے نماز میں خلل پیدا ہو درست وجائز نہیں تو اس کی تصدیق فرمائی جائے اور ساتھ ہی نص قرآنی وحدیث سے ایسے امتناع کے متعلق حوالہ دیا جائے تاکہ اس نزاع کا خاتمہ ہو سکے۔

حقیر عبدالغنی عفی عنہ سرونج مالوہ دفتر جمعیۃ العلماء، ۲۳/ دسمبر ۵۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالى عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه قال: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالى عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة"(۱)۔

---

(۱) (الموضوعات الكبرى، المقدمة، فصل: وإنما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه، كراچی)

"عن تميم الداري رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" ثلاثاً: قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دیدی تھی اور وہ وعظ فرمایا کرتے تھے اور فوراً خطیب کے منبر پر آنے سے پہلے وعظ ختم کر دیا کرتے تھے۔ اگر بعد نماز جمعہ بھی ٹھہر جایا کریں تو اس وقت وعظ کہہ دیا جائے اور نماز جمعہ سے قبل وعظ کہہ دیا جائے اور سامعین اگر شریک وعظ ہوتے رہیں اور خطبہ سے دس منٹ قبل وعظ ختم کر دیا جائے اور سب سنتیں پڑھ لیا کریں، اس صورت میں سنتوں میں بھی خلل نہیں آئے گا اور وعظ بھی ہو جایا کرے گا یا سنتیں مکان پر پڑھ کر آئیں تو زیادہ بہتر ہے (۱)۔ بہرحال جب مناسب کی صورت ہو سکتی ہے تو نزاع کیوں پیدا کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ربیع الاول/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ربیع الاول/۶۰ھ۔

---

= قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: "وأما نصيحة عامتهم وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره" (الصحيح لمسلم مع شرح النووي، كتاب الإيمان، باب: إن الدين النصيحة: [illegible]، قديمي)

(۱) عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم ولا تتخذوها قبوراً" (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب التطوع في البيت: ۱/۱۵۸، قديمي)

"عن زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه أنه قال: احتجر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في المسجد حجرة ... "عليكم بالصلوة في بيوتكم، فإن خير صلوة المرء في بيته إلا الصلوة المكتوبة" (سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب فضل التطوع في البيت: [illegible]، دار الحديث ملتان)

"والأفضل في السنن غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: [illegible]، سعيد)

"الأفضل في السنن والنوافل المنزل الخ" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: [illegible]، رشيدية)

## جمعہ سے پہلے وعظ

سوال [۳۹۵۳]: ہمارے یہاں جامع مسجد میں امام صاحب اذان کے بعد فوراً سنتوں سے پہلے وعظ و تعلیمی تقریر شروع کردیتے ہیں جس میں ضروری مسائل کی تعلیم ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب جب تعلیمی تقریر و دینی مسائل سمجھاتے ہیں تو اس وقت سب کو خاموش رہ کر سننا چاہئے، یہ طریقہ حدیث شریف سے ثابت ہے، حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا، ملا علی القاری نے اس کو نقل کیا ہے (۱)۔ اذانِ خطبہ سے دس منٹ پہلے تقریر ختم کرادی جائے تاکہ سب لوگ سنت سہولت سے ادا کرلیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۹۵ھ۔

## خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ

سوال [۳۹۵۴]: موجودہ زمانہ میں بعض لوگ عربی خطبہ غیر مفید اور اردو میں مفید ہونے کی وجہ سے عربی میں حمد و ثنا و شہادتین کے بعد اردو نظم اخیر میں خطبہ جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز مکروہ تحریمی ہے!

---

(۱) "أخرج ابن عساكر رحمه الله تعالى عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبي أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضي الله تعالى عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه كراچي)

تنبيه: ذكر الملا على القاري رحمه الله تعالى هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستند لأنه على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز.

(وبمعناه في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

تحریمی اور اردو خطبہ بدعت سیئہ میں داخل ہے یا حسنہ میں؟ مطابق مذہب احناف مسلک مفتی بہ سے جواب تحریر فرمادیں۔

۲ ہدایہ میں ہے کہ "وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ والتشہد" (۱) سے تو جواز نکلتا ہے یہ مع الکراہۃ ہے یا بلا کراہت اور کراہت بھی کونسی؟

۳ عربی خطبہ سنت مؤکدہ ہے یا سنن ہدیٰ میں داخل ہے یا سنن زوائد و مستحبات میں؟

۴ ایک شہر میں آج کل وقت زوال ۱۲:۳۶ کو ہوتا ہے اور وہاں کی جامع مسجد میں ہمیشہ جماعت جمعہ ایک بجے قائم کی جاتی ہے، عموماً لوگ ۱۲:۱۵ پر آنا شروع کردیتے ہیں۔ وہاں کا خطیب خالص عربی خطبہ کو سنت اور خلط با اردو کو مکروہ کہتا ہے مگر قوم خطبہ میں اردو کے وعظ پر مصر ہے، اس لئے اس نے عربی خطبہ سے سنت کی ادائیگی اور اس کے احیاء کے لئے قوم کی اصلاح و ضرورت و تفہیم کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ بارہ بجکر بیس منٹ پر اردو وعظ شروع کردیتا ہے وعظ ۱۲:۳۶ کو اذان اول ہوتی ہے تو وہ خاموش ہوجاتا ہے پھر بعد اذان دو، تین منٹ بیان کرکے ختم کرکے چار رکعت سنت ادا کرتا ہے، قوم بھی آآ کر شریک رہتی ہے اور وعظ سنتی رہتی ہے، بعد وعظ کے سنت ادا کرلی ہے پھر مؤذن اذان ثانی کہتا ہے اور خطیب خالص عربی خطبہ بطریق مسنون پڑھ کر ایک بجے پر ختم کرکے نماز جمعہ پڑھاتا ہے۔ آیا یہ طریقہ صحیح ہے تو مسئلہ بدعت و سنت کے لحاظ سے بہتر ہے یا قبیح؟ اگر قبیح ہے تو اس سے بہتر طریقہ ارشاد فرمادیں جس میں امور ذیل کا لحاظ ہو:

۱- خطبہ مطابق سنت بلا کراہت تحریمی و تنزیہی ادا ہو۔

۲- اردو میں نصیحت بھی کی جاسکے۔

۳- قوم اطمینان سے سن سکے، واضح رہے کہ بعد نماز جمعہ کسی طرح بھی لوگ نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ تاجر پیشہ ہیں اور بعد نماز کھانا کھانے کے عادی ہیں۔

۵ بعض لوگ خطبہ سے قبل جیسے کہ سوال نمبر ۴ میں مذکور ہوا یا بعد نماز وعظ کو بدعت کہتے ہیں اور غلو و تعصب کو بہتر اس دلیل سے کہ خطبہ کے اول وعظ سلف سے منقول نہیں خود خطبہ ہی سلف کا وعظ تھا اور اس لئے کہ بعد نماز انتشار فی الارض کا ﴿فانتشروا فی الارض﴾ (۲) میں حکم ہے، وعظ بعد نماز جمعہ اجتماع خلاف حکم

(۱) (الہدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۱۰۲/۱، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) (سورۃ الجمعۃ: ۱۰/۲۸)

غذ ہے۔ اور خطیب کہتا ہے کہ اس میں "امر" وجوب کے لئے نہیں اور قبل خطبہ وعظ علاوہ مباح ہونے کے زمانہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت بھی ہے جیسا کہ مقدمہ موضوعات ملا علی، ص: ۱۳، مجتبائی میں ہے:

"وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالى عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالى عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة" (۱)۔

۲..... جس جامع مسجد میں سوال نمبر: ۳ کے طریقہ پر عمل ہو رہا ہے اس میں ایک قباحت بتائی جاتی ہے کہ قوم کو عموماً اپنی غفلت از دین اور انہماک در دنیا کی وجہ سے دیگر ایام میں تلاوت قرآن وغیرہ کا موقع نہیں ملتا، ایک جمعہ کے روز سوا بارہ بجے سے آکر تلاوت قرآن ونوافل وغیرہ پڑھنے کا موقع خطبہ تک پالیتے تھے، لیکن جب سے خطیب نے ۱۲:۳۰ سے وعظ کہنا شروع کر دیا ہے تب سے سوائے چار رکعت سنت کے مزید نوافل وغیرہ کا موقع نہیں ملتا اور وہ اس خیر کثیر سے محروم رہتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ اس قوم کی اکثریت میں رسوم جاہلیت کی پابندی، فسق وفجور، فرائض سے غفلت، حلال حرام سے بے پرواہی اس قدر رائج ہو گئی ہے کہ جس کا رد کرنا سخت دشوار ہے، مگر رحمت خداوندی سے امید ہے کہ مواعظ کے ذریعہ خاطر خواہ اصلاح کی کوشش کی جاری ہے اور بہت دھیمی رفتار سے اصلاح بھی ہو رہی ہے جس کا ثبوت گاہے گاہے ملتا رہتا ہے۔

پس ایسی حالت میں یہاں آنے والی قوم کو بے سمجھے تلاوت قرآن کہ ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہوں والی نفل زیادہ بہتر ہیں جس کی وجہ سے خطیب کا وعظ بند کرا دیا جائے، یا ملحوظ خطبہ پر مجبور کیا جاوے اور یا اس قوم کو تلاوت قرآن بند کر کے وعظ سنتے رہنا زیادہ مفید ہو گا جس سے ان کی صلاح ہو کر ان کے معاصی مذکورہ بالا کی

---

(۱) (أخرجه الملا علي القاري في الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها.

آجائے اعتقاد کرے عمل درست ہو جاوے جیسا کہ امید ہے، ان دونوں امر میں کونسا شرعاً بہتر ہے؟ چونکہ اردو عربی مخلوط خطبہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور دونوں فریق اپنے دلائل پیش کر رہے ہیں لہذا مشتبہ ہو گیا ہے، آپ ان دونوں کی تفصیل مدلل و مفصل تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...تمام خطبہ خالص عربی میں ہونا چاہئے، اردو میں پڑھنا یا اردو عربی میں پڑھنا بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی ہے، یہی متفق علیہ ہے اور قابلِ عمل ہے، اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے جو گناہ سے خالی نہیں (۱)، البتہ اگر وقتی ضرورت کی رعایت سے کوئی خاص مسئلہ اثنائے خطبہ میں اردو میں بیان کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں (۲) جو وجہ خطبہ عربیہ کے غیر مفید ہونے کی آج بتائی جاتی ہے ذات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی

(۱) "لا شک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم والصحابة رضی الله تعالیٰ عنه، فیکون مکروهاً تحریماً". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشیة:۲): ۱/۲۰۰، سعید)

"الخطبة الفارسیة التی أحدثوها واعتقدوا حسنها لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، وهذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیر البریة .... مع ذلک لم یخطب أحد منهم بغیر العربیة ولم یثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة وفقدان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم یبق إلا الکراهة التی هی أدنی درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه الله تعالیٰ، رسالة آکام النفائس، ۴/۳۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما استوی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم الجمعة قال: "اجلسوا" فسمع ذلک ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، فجلس علی باب المسجد، فرآه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: "تعال یا عبد الله بن مسعود"". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۱/۱۵۶، دار الحدیث ملتان)

"قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: فیه دلیل علی جواز التکلم علی المنبر، وعندنا کلام الخطیب فی أثناء الخطبة مکروه إذا لم یکن أمراً بالمعروف". (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۲/۱۸۱، امدادیه ملتان)

"ویکره تکلمه فیها (أی فی الخطبة) إلا لأمر بمعروف؛ لأنه منها". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۲، سعید)

تعالى. ويشترط كونها يعني خطبة الجمعة وغيرها بالعربية. اهـ". مجموعة فتاوى: ٢/٢٥٧(١).

"ثم فيه: إن الرطانة التي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجودا في عصر خير البرية، وإن كانت في غيبوبة، فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة ووصلت إلى الأقوام الشتى أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجمع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية. وإذا ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المعروفة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة". مجموعة فتاوى: ٢/٢٧٣(٢).

"ولا يتوهم أنه لم يكن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات لغير العربية، ولو كان علمها لخطب بها. لأنا نقول بعد تسليم ذلك: إن بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان يعلم اللسان العجمي والرومي والحبشي وغيرها من الألسنة كما صرح به في الأعلام بسيرة النبي عليه السلام وغيره من كتب الأعلام، فلم يأمره النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بأن يخطبهم ويعظهم بألسنتهم. وبالجملة فالاحتياج إلى الخطبة بغير العربية لتفهيم أصحاب العجمية كان موجودا في القرون الثلاثة، ومع ذلك لم يرو ذلك من أحد في تلك الأزمنة، وهذا أدل دليل على الكراهة، اهـ". مجموعة فتاوى: ٢/٢٧٤(٣).

---

(١) "العبارة بعينها ليست في مجموعة الفتاوى للكنوي بل هناك عبارة فيها معنى هذه العبارة" (كتاب الصلوة: ٢/٢٤٦-٢٤٩، سعيد)

(وكذا في آكام النفائس للكنوي، فصل في الخطبة: ٣/٣٣-٣٩، إدارة القرآن، كراچي)

(٢) (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ٣/٤٠، إدارة القرآن، كراچي)

(٣) (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ٣/٤٢، إدارة القرآن، كراچي)

چوں خطب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرًّا ملاحظہ کردیم، تنقیح آں وجودِ چند چیز است: حمد و شہادتین، و صلوٰۃ بر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وامر بتقوی، و تلاوت قرآن پاک، و دعائے مسلمین و مسلمات ..... وعربی بودن خطبہ ........ و عربی بودن نیز بجہت عمل مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند اھ". مصفی شرح مؤطا: ۱/۱۵۳(۱)۔

۲..۔مع الکراہیۃ ہے بغیر کراہت نہیں کما مر، اور خاص کر جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس مسئلہ میں رجوع بھی ثابت ہے: "قال: الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، اھ". درمختار: ۱/۴۸۴(۲)۔

"وروی أنه رجع إلى قولهما، وهو الصحيح، وعليه الاعتماد". مجمع الأنهر: ۱/۹۳(۳)۔

"كبر بالفارسية صح في الكل مع كراهة التحريم على الراجح، كما حرر في البحر. وكذا لو قرأ بها عاجزاً عن العربية بشرط لا يخل بالمعنى، وهذا قولهما، وبه قالت الثلاثة، وإليه صح رجوع الإمام، وعليه الفتوى، قاله العيني وغيره، اھ" در منتقی: ۱/۹۳(۴)۔ "روى أبو بكر الرازي أن أبا حنيفة رحمه الله تعالى رجع إلى قولهما، وعليه الاعتماد، ومنزلته منزلة الإجماع". عناية: ۱/۲۰۱(۵)۔

۳.....عربی خطبہ سننا تو کہ وعظ میں داخل ہے، لما مضی(۶)۔

---

(۱) (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۳، كتب خانه رحيميه سنهری مسجد دهلی)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۱۴۰، غفاريه كوئٹه)

(۴) (الدر المنتقى في شرح الملتقى (المعروف بمسكب الأنهر) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۱۴۰، غفاريه كوئٹه)

(۵) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۶) "الكراهة إنما هي لمخالفة السنة، لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً —

۴۔ طریقۂ مذکورہ میں خلافِ شرع کوئی چیز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک انجمن تبلیغ قائم کی جائے اور اس میں ہر شخص حسبِ حیثیت اپنا کچھ وقت دے اور یہ جماعت محلہ در محلہ گشت کرے اور ہر مسجد میں اہلِ محلہ کو جمع کر کے احکامِ شرعیہ کی تلقین کرے سب کی نمازیں سنے اور قرآن شریف کی تصحیح کرائے (۱)۔

۵۔ مخلوط خطبہ پڑھنا ہرگز بہتر نہیں بلکہ مکروہ ہے (۲)، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر تاکید موجود ہے، اسی طرح احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا بہت ہی شدید حکم فرمایا ہے اور اس کے ترک پر عذابِ عامہ کی وعید ہے، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم

---

= بالعربية". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۳، إدارة القرآن، كراچي)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالى عنهم فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۴) ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "عن تميم الداري رضي الله تعالى عنه: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"، قلنا لمن؟ قال: "لله و لكتابه و لرسوله و لأئمة المسلمين و عامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: "وأما نصيحة عامتهم وهم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم، و كف الأذى عنهم فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم و دنياهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح انه يقبل نصحه و يطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب الإيمان، باب: إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

"عن أبي وائل قال: كان عبد الله رضي الله تعالى عنه يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن، لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما أنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم وإني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۲۶۲، رقم الحاشية: ۹)

جلد دوم پانچ صفحات میں وہ آیات (۱) واحادیث (۲) جمع فرمائی ہیں، پھر اقامۂ احتساب کے درجات وطرق

---

(۱) "و یدل علی ذلک بعد إجماع الأمة علیه وإشارات العقول السلیمة إلیه الآیات والأخبار والآثار:

أما الآیات: فقوله تعالیٰ: ﴿ولتکن منکم أمة یدعون إلی الخیر ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر، وأولئک هم المفلحون﴾. [سورة آل عمران ۳/۱۰۴]

"ففی الآیة بیان الإیجاب، فإن قوله تعالیٰ: ﴿ولتکن﴾ أمر، وظاهر الأمر الإیجاب.

﴿لیسوا سواء من أهل الکتاب أمة قائمة یتلون آیات الله آناء اللیل وهم یسجدون. یؤمنون بالله والیوم الآخر، ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر﴾ الآیة". [سورة آل عمران: ۳/۱۱۳، ۱۱۴]

"فلم یشهد لهم بالصلاح بمجرد الإیمان بالله والیوم الآخر حتی أضاف إلیه الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر ..... ﴿لعن الذین کفروا من بنی إسرائیل علی لسان داؤد وعیسی بن مریم، ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون، کانوا لا یتناهون عن منکر فعلوه، لبئس ما کانوا یفعلون﴾. [سورة المائدة: ۷۸، ۷۹]

وهذا غایة التشدید إذ علق استحقاقهم للعنة بترکهم النهی عن المنکر، وقال عزوجل: ﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر﴾. الآیة". [سورة آل عمران آیت: ۱۱۰]

وهذا یدل علی فضیلة الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، إذ بین أنهم کانوا به خیر أمة أخرجت للناس". (إحیاء علوم الدین للإمام الغزالی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، الباب الأول فی وجوب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر: ۲/۳۰۸، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) "وأما الأخبار: فمنها ما روی عن أبی بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال فی خطبة خطبها: أیها الناس! إنکم تقرؤن هذه الآیة وتؤولونها علی خلاف تأویلها: ﴿یاأیها الذین آمنوا علیکم أنفسکم لا یضرکم من ضل إذا اهتدیتم﴾ [سورة المائدة: ۵/۱۰۵] وإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "ما من قوم عملوا بالمعاصی وفیهم من یقدر أن ینکر علیهم فلم یفعل، إلا یوشک أن یعمهم الله بعذاب من عنده". وقال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح. [جامع الترمذی، أبواب التفسیر، سورة المائدة: ۲/۱۳۹، سعید]

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "مروا بالمعروف وانهوا عن المنکر ... قبل أن تدعوا فلا یستجاب لکم". [ابن ماجة، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف، ص: ۲۹۰، قدیمی]

وقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یری المنکر بین =

و آداب کو نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان میں مستقل ایک باب وعظ و تذکیر کے احکام میں لکھا ہے(۱)۔ تعجب ہے کہ جس شئی کا امر خداوند تعالیٰ کی جانب سے صراحۃً متعدد مقامات پر موجود ہو اور اس کے ترک پر وعید بیان کی گئی ہو اس کو کیسے بدعت کہا جا سکتا ہے۔

رہا خصوصیت کے ساتھ نماز جمعہ اور خطبہ سے قبل یا بعد نماز جمعہ ہو اس کے متعلق انکار کسی جگہ وارد نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ جس وقت بہت سے آدمی جمع ہوجائیں یا جس وقت ضرورت پیش آئے اس وقت اس فریضہ تبلیغ کو ادا کرنا چاہئے۔ جمعہ کا دن اجتماع مسلمین کا دن ہوتا ہے اسی لئے اس دن کو اختیار کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے زاد المعاد ۱/۱۱۹ میں تحریر کیا ہے کہ یوم جمعہ تذکیر اور وعظ کا دن ہے(۲)۔ اگر جمعہ کے روز مخصوص طور پر قبل خطبہ یا بعد نماز جمعہ نفل شرعی وعظ کو واجب نہیں کہا جاتا تو بدعت کہنے

---

"أظهرهم وهم قادرون على أن ينكروا فلا ينكروا". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۷۲۶۴)

۳/۵ ۲۰۲، دار إحياء التراث العربي) (إحياء علوم الدين للإمام الغزالي رحمه الله تعالى، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأول في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: ۲/۳۰۲-۳۰۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالى: "كره بعض الناس الجلوس للعظة، وقال بعضهم: لا بأس به إذا أراد به وجه الله تبارك وتعالى ... والحجة من قال إنه لا بأس قول الله تعالى: ﴿وذكر فإن الذكرى تنفع المؤمنين﴾ وقال الله تعالى في آية أخرى: ﴿ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون﴾ ... وروي عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه أنه كان يذكر الناس كل عشية الخميس وهو قائم على رجليه يدعو بدعوات. وروي عن عطاء عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه قال: "من كتم علماً يعلمه، ألجم بلجام من النار يوم القيامة" ... وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه قال: لولا آية من كتاب الله ما جلست للناس، وهو قوله تعالى: ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى﴾ ... وروي عن عمر رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "بلغوا عني ولو آية، وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج، ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" وقال الحسن: لولا العلماء، لصار الناس مثل البهائم". (بستان فقيه أبي الليث، باب إباحة المجلس للعظة، ص: ۲۲-۲۳، مطبع فاروقي دهلي)

(۲) "قال ابن القيم رحمه الله تعالى في خصائص الجمعة: "الثالثة والثلاثون: أنه يوم اجتماع الناس -

کی بھی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ بدعت کے معنی سے ہی واقف نہیں۔

۶... فسق و فجور کو چھوڑ دو فرائض مذہبی سے واقفیت حاصل کرنا فرض ہے(۱) اور نوافل پڑھنا مستحب ہے(۲) مگر یہ کہ تلاوت اور نوافل کا تنہائی میں موقع مل سکتا ہے اور ہر روز ممکن ہے مگر اجتماع ہر روز دشوار ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۳/۶۱ھ۔

جوابات درست ہیں۔ جواب نمبر ۳ میں اتنی بات اور قابل اضافہ ہے کہ وعظ ایسے طریق سے کہا جائے کہ سنت پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/صفر/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ربیع الاول/۶۴ھ۔

---

= وتذكيرهم بالمبدأ والمعاد، وقد شرع الله سبحانه تعالى لكل أمة في الأسبوع يوماً يتفرغون فيه للعبادة، ويجتمعون فيه لتذكر المبدأ والمعاد والثواب والعقاب، ويتذكرون به اجتماعهم يوم الجمع الأكبر قياماً بين يدي رب العالمين، وكان أحق الأيام بهذا الغرض المطلوب اليوم الذي يجمع الله فيه الخلائق وذلك يوم الجمعة". (زاد المعاد لابن القيم رحمه الله تعالى، فصل: هديه صلى الله تعالى عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۰۶، دار الفكر، بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

"قال العلامة الآلوسي في تفسير الآية: "ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر. ... وعبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (روح المعاني: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على صحيح المسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها". (الصحيح لمسلم: ۲/۳۵۴، كتاب التوبة، قديمي)

(۲) "والنفل في اللغة: الزيادة، وفي الشريعة: زيادة عبادة شرعت لنا لا علينا". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۳، سعيد)

## جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا

سوال [۲۷۹۵]: ایک شخص جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پڑھ لیتا ہے اور اتفاقاً دوسری ایک مسجد میں کوئی خطیب موجود نہیں ہے تو وہ شخص جو کہ پہلی مسجد میں نماز جمعہ ادا کر چکا ہے اگر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھ دے تو دوسرا شخص نماز پڑھا دے، یا کسی مسجد میں جمعہ کی نماز میں ایک آدمی خطبہ اور دوسرا آدمی نماز پڑھا دے تو یہ صورتیں مذموم ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ولی اللہ ارکانی، متعلم مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء کی ایک بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ خطیب میں امامت کی اہلیت ہونا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص پہلے کسی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ چکا ہو اس کو دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا اس جماعت کے نزدیک درست نہ ہوگا اور ایسے ہی امام کا غیر خطیب ہونا غیر مناسب ہے۔

"لا ینبغي أن یصلي غیر الخطیب؛ لأنهما کشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلی، فإنه جائز، هو المختار اهـ". در مختار. "(قوله: هو المختار) وفي الحجة: أنه لا یجوز. وفي فتاوی العصر: فإن الخطیب یشترط فیه أن یصلح للإمامة. وفي الظهیریة: لو خطب صبي اختلف المشایخ فیه، والخلاف في صبي یعقل اهـ، والأکثر علی الجواز".

شامي: ۱/۸٦۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۸/۶۰ھ۔

---

— "والنفل لغة: الزیادة، وفي الشرع: فعل ما لیس بفرض ولا واجب ولا مسنون من العبادة".

(حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاة، باب النوافل، ص: ۳۸۷، قدیمي)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹۹، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۹۲، سعید)

"ولا ینبغي أن یصلي غیر الخطیب، کذا في الکافي". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب ع

## جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا

سوال [۲۶۹۴]: محمود نے نماز جمعہ خطبہ ادا کیا، بعدہ دوسری مسجد میں امام نہ ہونے کی وجہ سے صرف خطبہ پڑھا، نماز نہیں پڑھائی، تو خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے لئے درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صراحۃً یہ جزئیہ کہیں نہیں دیکھا، اتنا ضرور لکھتے ہیں کہ خطیب وامام کا ایک ہی شخص ہونا ضروری نہیں، البتہ اولیٰ یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے وہی جمعہ پڑھائے، ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اگر نابالغ لڑکے نے خطبہ پڑھا اور بالغ نے جمعہ پڑھایا تب بھی جمعہ ادا ہو جائے گا اور یہ بھی ہے کہ نابالغ جو جمعہ پڑھے گا وہ نماز نفل ہوگی، اس مجموعے سے سمجھ میں آتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں بھی جمعہ ادا ہو جائے گا:

"اتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار، فلو خطب صبي عاقل وصلى بالغ، جاز، لكن الأولى الاتحاد". طحطاوي مصري، ص: ۲۷۹ (۱)۔ "في البدائع: ليس لا جمعة عليه: فقال: إن كان صبياً وصلاتها فهي تطوع له". البحر: ۲/۱۶۲ (۲)۔

کیونکہ جو شخص جمعہ ادا کر چکا ہے اب اس کے ذمہ جمعہ نہیں رہا، وہ اگر کسی دوسری مسجد میں جمعہ میں شریک ہو جائے گا تو اس کے حق میں یہ نماز نفل ہوگی جیسے کہ نابالغ کے حق میں، اور نابالغ کا خطبہ پڑھنا بھی جوازِ جمعہ کے لئے کافی ہے تو اس طرح سے بظاہر اس کا جمعہ پڑھنا بھی کافی ہو جائے گا، فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۸ھ۔



---

= السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

"صبي خطب بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ، جاز". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة: ۱/۲۰۵، رشيديه)

"لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب، لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۳، غفاريه كوئته)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۸، قديمي)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۹، رشيديه)

## ایک شخص کا دو جگہ خطبہ پڑھنا

سوال [٣٤١٧]: جس امام نے خطبہ اور جمعہ کی نماز پڑھادی ہو وہ تھوڑی دیر سے کسی دوسری مسجد میں خطبہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ نماز کوئی اور پڑھا دے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ خطبہ دے سکتا ہے(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفراللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٣٠/٨/٩٠ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## خطبۂ جمعہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینا

سوال [٣٤١٨]: ١...... یہ صحیح ہے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا بدعت سیئہ ہے یا یہ بدعت حسنہ ہے یا نہیں؟

٢...... بہت سی مساجد میں عصا ہاتھ میں لینے کا معمول ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

٣...... اگر بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب یا سنت ہے تو اس کو بدعت قرار دینے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

---

= "ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب، لأنهما كشيء واحد، (فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ، جاز) هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٤٢/٢، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢٥٢/١، غفاريه كوئته)

(١) "ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١٤٧/١، رشيديه)

"ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب، لأنهما كشيء واحد، (فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ، جاز) هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٤٢/٢، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢٥٢/١، غفاريه كوئته)

یعنی نہ ایسا کرنا تو اولیٰ ہے، بالفرض اگر خطیب دے بھی دے تو نماز ایسی جمعہ درست ہے جیسا کہ عنوان: "جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا" کے تحت تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... خطبۂ جمعہ کے وقت عصا کا ہاتھ میں لینا بدعتِ سیئہ نہیں بلکہ مستحب ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جیسا کہ طحطاوی مصری باب الجمعہ ص:۳۳۱، میں ہے(۱)۔

۲..... وہاں کا یہ معمول درست ہے، بدعت نہیں۔

۳..... ایسا کہنا ناواقفیت کی وجہ سے ہے، ان کو کسی عالم کے ذریعے سے تفہیم کرادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۸۹ھ۔

## خطبہ کے وقت لاٹھی ہاتھ میں لینا

سوال[۲۷۱۱]: جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے وقت لاٹھی لینا سنت ہے یا واجب ہے؟

العبد محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۲۷، ۱۵/رجب/۵۶ھ۔

---

(۱) "(و) إذا قام يكون (السيف بيساره) متكئاً عليه في كل بلدة فتحت عنوةً الخ". (مراقي الفلاح).

وقال الطحطاوي: "الحكمة فيه الإشارة إلى أن هذا الدين قد قام بالسيف، وفيه إشارة إلى إنه يكره الاتكاء على غيره كعصا وقوس، خلاصة، لأنه خلاف السنة، محيط. و ناقش فيه ابن أمير حاج بأنه ثبت أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئاً على عصا أو قوس، كما في أبي داؤد، وكذا رواه البراء بن عازب عنه -صلى الله تعالى عليه وسلم- و صححه ابن السكن". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"حدثنا شعيب بن زريق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقال له: الحكم بن حزن الكلفي، فأنشأ ..... فأقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقام متوكئاً على عصا أو قوس، فحمد الله وأثنى عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۱/۱۵۶، مكتبه دار الحديث ملتان)

"وفي الخلاصة: ويكره أن يتكئ على قوس أو عصا". (الدر المختار) "(قوله: وفي الخلاصة) ..... ونقل القهستاني عن عبد المحيط: أن أخذ العصا سنة كالقيام". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجب نہیں سنت (غیر مؤکدہ) ہے: "ویکرہ أن یتکأ علی قوس أو عصا، اھ". درمختار۔

قال الشامی: "متوکئاً علی عصا أو قوس اھ، ونقل القهستانی عن عبد المحیط: أن أخذ العصا سنة، اھ" رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/رجب/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/رجب/۵۶ھ۔

## عصا اور کمان لے کر خطبۂ جمعہ پڑھنا

سوال [۴۸۰۰]: فتاوی عالمگیری جلد اول ص: ۱۴۷، باب جمعہ شرائط خطبہ میں یہ عبارت ہے:

"ویکرہ أن یخطب متکئاً علی قوس أو عصا، کذا فی الخلاصة، وهكذا فی المحیط" (۲)۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ تحریر فرمائیں اور ساتھ ہی اس کا حکم بھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاوی عالمگیری میں باب الجمعہ میں شرائط خطبہ کا کوئی عنوان نہیں، ہاں شرائط جمعہ کے ذیل میں خطبہ کو بھی ذکر کیا ہے، پھر خطبہ کی سنتیں شمار کی ہیں، اسی ذیل میں خطبے کے بعض مستحبات، مباحات، مکروہات کو بھی لکھا ہے، اسی میں عبارت منقولہ فی السوال بھی ہے "ویکرہ" پر ایک چھوٹا سا نون بھی بنا ہوا ہے جو نسخہ کی علامت ہے، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس عبارت کو نقل کرکے لکھا ہے:

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعید)

"حدثنا شعیب بن زریق الطائفی قال: جلست إلی رجل له صحبة من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقال له: الحكم بن حزن الكلفي، فأنشأ ... فأقمنا بها أیاماً شهدنا فیها الجمعة مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقام متوكئاً علی عصا أو قوس، فحمد الله وأثنی علیه كلمات خفيفات طيبات مباركات" الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس ۱/۱۵۶، مكتبه دار الحديث ملتان)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام الجمعة، ص: ۵۱۴، قديمي)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

سفر السعادۃ ص:۲۰۴ میں ہے کہ "منبر بننے سے پہلے عصا یا قوس پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے، منبر بننے کے بعد یا عصا یا قوس کے سہارے خطبہ پڑھا کرتے تھے"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۹۶ھ۔

## خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رخ ہو یا قبلہ کی طرف؟

سوال [۴۸۰۱]: (الف) خطبۂ جمعہ سننے کی غرض سے سامعین اگر خطیب کی طرف منہ کرکے قبلہ رو متوجہ ہو کر خطبہ سنا کریں تو کیا حرج ہے؟ کیا ایسا عمل زیادتیٔ ثواب سے محرومی کا باعث ہوگا؟

(ب) کوئی شخص کہتا ہے کہ خطبۂ جمعہ رو بقبلہ ہو کر سننا ہی احسن ہے جیسا کہ فتاویٰ برہنہ دفتر اول میں رقمطراز ہے، عبارت یہ ہے:

"و بقول امام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: مستقبل بقبلہ باشند، و سر گردہ نظر ود بترک آن، وھو الاحسن، بنشستند بہر کیف کہ خواہند و بشنوند وجواب نکنند"(۲)۔

عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ(۳)، بہشتی زیور حصہ یازدہم(۴) میں یوں ہے، مگر اس ملک کے ایک مفتی فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت قبلہ سے منہ پھیر کر امام کی طرف رخ کرکے خطبہ سننا ہی مستحب ہے، جو ہے تو وہی معروف عمل وقت ہونا ہے۔ عالمگیری ص:۵۳(۵)، اشعۃ اللمعات:۱/۶۵۳(۶) اور

---

(۱) (لم أظفر عليه)

(۲) (فتاوی برهنه للشيخ مصر الدين صهالی، باب سوم در نماز، فصل بست و چهارم در بیان نماز جمعه، ص:۴۴۳، مطبع منشی نول کشوری)

(۳) "السنة أن المستقبل السامعون الخطيب بوجوههم سواء كانوا أمامه أو يمينه أو يساره الخ". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۲۰۲، سعيد)

(۴) (بهشتی زیور، حصه یازدهم، اصلی بهشتی زیور، جمعه کے خطبے کے مسائل، ص:۷۹۰، دار الاشاعت)

(۵) "ويستحب للرجل أن يستقبل الخطيب بوجهه، هذا إذا كان أمام الإمام الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۶) "آنحضرت صلی الله علیه وسلم که چون می نشست بر منبر پیش می آمدیم ما او را بروی حاضر حق، یعنی سنت آنست که مردم متوجه بجانب امام بنشینند و خطبه را استماع نمایند". (اشعة اللمعات

مظاہرِ حق (۱) مذکورہ بالا اختلافات میں سے کس کا قول صحیح اور مفتی بہ ہے؟ از راہِ مہربانی ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) کچھ حرج نہیں، بلکہ یہ فعل احسن ہے۔

"قال شمس الأئمة: من كان أمام الإمام استقبله بوجهه، ومن كان عن يمين الإمام أو يساره انحرف إلى الإمام. وقال السرخسي: الرسم في زماننا استقبال القبلة وترك استقبال الخطيب لما يلحقهم من الحرج بتسوية الصفوف بعد فراغ الخطيب من خطبته لكثرة الزحام، قال: وهذا أحسن" اهـ. طحطاوي، ص: ۲۸۲ (۲)۔

(ب) احسن قول وہ ہے جو طحطاوی سے منقول ہوا، و کشمیری وغیرہ میں جو مذکور ہے اس کے ساتھ تقویت کا کوئی لفظ مذکور نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

---

= كتاب الصلوة، باب الخطبة، الفصل الثاني: ۱/ [illegible]، نور محمد رضویہ سکھر)

(۱) (مظاہر حق، کتاب الصلوة، باب الخطبة، الفصل الثاني: ۱/ ۸۸۹، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا". (جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب في استقبال الإمام إذا خطب: ۱/ ۱۱۴، سعيد)

قال الشيخ أنور شاه الكشميري رحمه الله تعالى: "السنة في الخطبة التحليق بأن يستقبلوا الإمام بوجوههم، ولكن الزمان زمان الفساد، ولو حلقوا لا يمكن استقامة الصفوف عند الجماعة، فالأولى ترك التحليق". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب في استقبال الإمام إذا خطب: ۱/ [illegible]، سعيد)

"أن السنة في المستمع استقبال الإمام مخاطب لما عليه عمل الناس من استقبال المستمع القبلة، ولهذا قال في التجنيس: والرسم في زماننا أن القوم يستقبلون القبلة، قال: لأنهم لو استقبلوا الإمام لخرجوا من تسوية الصفوف عند فراغه لكثرة الزحام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ [illegible]، رشيدية)

## دورانِ خطبہ اِدھر اُدھر دیکھنا

سوال[۳۸۰۲]: جمعہ میں دورانِ خطبہ بعض لوگ اِدھر اُدھر تاک جھانک رکھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں اور اسی قسم کی حرکات کرتے ہیں، اگر یہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے تو شرعاً ایسے افعال جو منافیٔ نماز ہیں ان کا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ خطبہ عربی کے بجائے بعد حمد وثنا اردو میں خطبہ اگر دیا جائے تو اس کا احترام اسی طریقہ پر لازم ہے یا کچھ فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یکره الكلام حال الخطبة، وكذا كل عمل يشغله عن سماعها من قراءة قرآن أو صلوة أو تسبيح أو كتابة ونحوها، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. وفي شرح قره داغي: يكره لمستمع الخطبة ما يكره في الصلوة من أكل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلك. وفي الخلاصة: كل ما حرم في الصلوة حرم حال الخطبة ولو أمراً بمعروف، اهـ". طحطاوی، ص:۲۸۲(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز نماز میں منع ہے خطبہ میں بھی منع ہے۔ خطبۂ جمعہ تمام عربی میں ہونا لازم ہے، اس میں اردو مخلوط کرنا مکروہ تحریمی ہے(۲) اس لئے ایسے خطبہ کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۷ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، قديمي)

"أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت" (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/۱۲۷، قديمي)

"(وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً، أو رد سلام أو أمر بالمعروف، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۱/۵۹۲، ۵۹۳، رشيديه)

(۲) "الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم للغة۔

## حالتِ خطبہ میں پنکھے سے ہوا کرنا

سوال[۳۸۰۲]: خطبہ کی حالت میں پنکھے سے خود ہوا لینا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز نماز کی حالت میں حرام ہے وہ خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہے، جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے اس لئے ایسے وقت میں بھی پنکھے سے ہوا کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## دورانِ سنت جمعہ کا خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۸۰۳]: خطبہ جمعہ کے شروع ہونے سے پہلے کسی نے سنت شروع کردی تو اب وہ کیا

---

= للعربية و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في أشياء فلا أشد في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الوسيعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام و حضروا مجالس الجمع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية. ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع وتركهم و محوه مضرع بالقواعد الصرفية، ثم بين إلا الكراهة التي هي أولى درجات الضلالة" (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس : ۳/۳۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالى عنه، فيكون مكروهاً تحريماً" (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية : ۲) : ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "(و) كره (العبث والالتفات)، لما يجتنب مايجتنبه في الصلوة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمي)

"(وكل ما حرم في الصلاة، حرم فيها): أي في الخطبة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب في الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۲/۲۵۹، رشيدية)

کرے جبکہ خطبہ شروع ہو گیا؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

سنت شروع کرنے کے بعد اگر خطبہ شروع ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ ہلکی پھلکی رکعتیں پوری کر کے سلام پھیرے، ایسے ہی نماز نہ توڑے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

## خطبہ کے وقت نمازِ نفل پڑھنا

سوال [۳۸۰۵]: زید کہتا ہے کہ جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو اس وقت دو رکعت تحیۃ الجمعہ پڑھنا چاہیے کہ جس طرح تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں۔ کیا شرع شریف میں اس کی کوئی اصل ہے اور یا احادیث سے ثابت ہے یا زید کا کہنا محض لغو ہے، جواب مرحمت فرمایا جائے۔ والسلام۔

المستفتی: محمد حسن۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

"إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام اھ". شرح منتقی (۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے

---

(۱) "ولو خرج وهو في السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل يتم في الأصح، و يخفف القراءة".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

"إذا شرع في الأربع قبل الجمعة ثم افتتح الخطبة، أو الأربع قبل الظهر، ثم أقيمت، هل يقطع على رأس الركعتين؟ تكلموا، والصحيح أنه يتم و لا يقطع؛ لأنها بمنزلة صلاة واحدة واجبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، قديمي)

(۲) والعبارة بتمامها: "(وإذا خرج الإمام) ... (فلا صلوة) أصلاً خلا فائتة لم يسقط الترتيب بينها و بين الوقتية لضرورة صحة الجمعة ... (ولا كلام حتى يفرغ الإمام من خطبته) الخ". (الدر المنتقى في شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۳، غفاريه كوئٹه)

"عن ابن عباس وابن عمر رضي الله تعالى عنهم كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام".

(مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، رقم الحديث: ۵۲۷۵) =

وقت کوئی نماز جائز نہیں ہے، البتہ صاحب ترتیب کے لئے فوت شدہ نماز اس سے مستثنیٰ ہے، لہذا تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد وغیرہ بھی اس وقت پڑھنا منع ہے(۱)۔ اور تحیۃ الجمعہ کا ذکر کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا، زید سے ہی دریافت کیا جائے کہ تحیۃ الجمعہ کی اصل کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۵۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

## خطیب کا عین خطبہ کے وقت مصلے پر آنا

سوال [۲۸۰۶]: یہاں کے خطیب صاحب وقت مقررہ پر ہی خطبہ دینے کیلئے مسجد میں آتے ہیں، اپنے کمرے میں سنتوں سے فارغ ہو کر مسجد میں صفوں کے درمیان سے ہو کر منبر تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ منبر تک پہنچنے کیلئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، خطیب صاحب کا یہ عمل تیرہ سال سے ہے، تیرہ سال کے بعد صرف دو چار اشخاص نے اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ پہلے زمانے میں فقہاء اور امام کا عمل اس کے بارے میں کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطیب صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع نہیں، اس پر اعتراض غلط ہے جب وہ آئیں ان کو راستہ دیدیا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

---

= ۱/۲۳۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"(وإذا خرج الإمام) ... (فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها) ... (بلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية)". (الدر المختار). "قوله: (فلا صلاة) شمل السنة وتحية المسجد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

(۱) (راجع ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "عن الزهري قال: أخبرني ثعلبة بن أبي مالك القرظي قال: قد كان عمر يجيء، فيجلس على المنبر والمؤذن يؤذن ونحن نتحدث، فإذا قضى المؤذن أذانه، قطع حديثنا". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب جلوس الناس حين يخرج الإمام: ۳/۲۰۹، المكتب الإسلامي)

=

## خطبۂ جمعہ سے پہلے نعت ونظم

سوال[۳۸۰۷]: جمعہ کے خطبہ سے پہلے نعت شریف یا کوئی نظم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

## خطبۂ جمعہ میں اشعار

سوال[۳۸۰۸]: جمعہ کے خطبہ کے درمیان اردو، فارسی کے اشعار پڑھنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "(إذا خرج الإمام) من الحجرة ... (فلا صلاة ولا كلام) الخ". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۵، ۲۷۶، رشيدية)

( ) چونکہ یہ اصول شرعیہ قرآن وحدیث، اجماع وقیاس میں سے کسی سے ثابت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر بالالتزام کرنا بدعت ہے: "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

وفي رد المحتار: "وأما (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "ومن الأمور المحدثة ما شاع في أكثر بلاد الهند والدكن وغيرها من قراءة الخطباء في خطبة آخر جمعات رمضان أشعاراً فارسية وهندية مشتملة ... وهذا أمر يجب على العلماء الزجر عنه، فإن =

## خطبہ کے وقت سامعین کا ہاتھ باندھنا کھولنا

سوال[۳۸۰۹]: جمعہ کے دن مقتدیوں کا خطبہ کے وقت بیٹھے ہوئے تشہد کی ہیئت بنانا اور ہاتھ باندھے رہنا، دوسرے خطبہ کے وقت ہاتھوں کو کھول کر گھٹنوں پر رکھنا ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ثابت نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۳۹۶ھ۔

## اذان اور خطبہ کے درمیان "إن الله وملائكته الخ" پڑھنا

سوال[۳۸۱۰]: قدیم زمانے کے رواج کے مطابق جمعہ کے روز خطبے سے پہلے "إن الله وملائكته

---

= خطبة الخطبة بغير العربية وكذا قراءة كلها بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من عصر حضرة الرسالة والصحابة ومن بعدهم من أرباب الخلافة". (مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲/۲۳، إدارة القرآن كراچي)

"إن قراءة الأشعار فيها إن كان بالغناء الممنوع عنه في الشريعة، فلا ريب في كراهتها .... وإن لم يكن بالغناء فالكراهة لكونه مخالفاً للسنة داخلاً في أصناف البدعة، وكذا قراءة بعض الخطبة بالعربية وبعضها بالفارسية لا تخلو عن الكراهة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، رسالة آكام النفائس: ۴/۲۸، إدارة القرآن كراچي)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً، وكذا قراءة الأشعار بالفارسية والهندية فيها". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية ۳): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبياً أو متربعاً أو كما تيسر، لأنه ليس بصلاة عملاً وحقيقةً، كما في المضمرات. ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۴/۱۳۳، سعيد)

"الخ" پڑھا جاتا ہے جس کو آج کل کے علمائے دین اس طرح خطبے سے پہلے پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں، اس لئے حدیث کی روشنی میں فتوی دیجئے کہ خطبے سے پہلے "إن الله و ملائكته الخ" پڑھنا امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ تاکہ اس بدعت سے بچ سکیں اور صحیح دین کے راستہ پر چل سکیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اذان ثانی کے بعد "إن الله و ملائكته" الخ پڑھنے کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے نہ حدیث شریف میں ہے نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، اس لئے یہ نئی چیز ہے(۱)۔ دین میں پسندیدہ طریقہ وہ ہے جو حضرت نبی اکرم

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

قال الملا علي القاري: "من أحدث" أي جدد وابتدع أو أظهر واخترع "في أمرنا هذا" أي في دين الإسلام ... "فهو" أي الذي أحدثه "رد" أي مردود عليه .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيدية)

"فالترقية المتعارفة في زماننا تكره عنده لا عندهما". (الدر المختار)

"وفي رد المحتار: (قوله: فالترقية المتعارفة الخ) أي من قراءة آية "إن الله وملائكته" والحديث المتفق عليه: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والإمام يخطب فقد لغوت".

القول: وذكر العلامة ابن حجر في التحفة أن ذلك بدعة لأنه حدث بعد الصدر الأول ....

أقول: كون ذلك متعارفاً لا يقتضي جوازه عند الإمام القائل بحرمة الكلام ولو أمراً بمعروف أو رد سلام استدلالاً بما مر، ولا عبرة بالعرف الحادث إذا خالف النص؛ لأن التعارف إنما يصلح دليلاً على الحل إذا كان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدين كما صرحوا به". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب: ۲/۱۶۰، سعيد)

"بأنها (البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ متبوعین سے منقول و ماخوذ ہے، جو چیز ایسی نہ ہو وہ اگر چہ دیکھنے میں کتنی ہی اچھی معلوم ہوتی ہو مگر شرعاً پسندیدہ اور قابلِ اتباع نہیں بلکہ قابلِ ترک ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح بخاری شریف میں امام زہری کی روایت نقل کی ہے کہ ”جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو صلوٰۃ وکلام سب موقوف کردیں“(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

## سامعین کا حالتِ خطبہ میں درود شریف پڑھنا

سوال[۳۸۱۰]: جمعہ کے خطبہ میں اگر رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک آجاوے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دل دل میں پڑھ لے جیسے آیت ﴿إن اللہ وملائكته يصلون على النبي﴾ الخ پڑھی جائے۔ بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمادیں کہ درود شریف پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں درود شریف دل میں پڑھ لے:

”والصواب أن يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه (قوله: في نفسه) بأن يسمع نفسه أو يصحح الحروف، فإنهم فسروه به، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: قلباً، اختياراً لأمري الإنصات والصلوة عليه صلى الله تعالى عليه وسلم، كمافي الكرماني، اهـ“. شامی(۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: إذا خرج الإمام فلا صلاة و لا كلام“. (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلاً جاء و هو يخطب، أمره أن يصلي ركعتين: ۵۲۰/۲، قديمي)

”عن ابن عباس وابن عمر رضي الله تعالى عنهم كانا يكرهان الصلاة و الكلام بعد خروج الإمام“. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، (رقم الحديث: ۵۴۱۵): ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

## خطبۂ اولیٰ کے اخیر کی دعاء

سوال [۲۸۱۲]: ایک صاحب خطبۂ اولیٰ کے اخیر میں دعائیہ الفاظ یوں ادا کرتے ہیں: "استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المؤمنین الخ" زید کہتا ہے کہ یہاں "لسائر المؤمنین" کی جگہ "لسائر المسلمین" بہتر ہوگا، لفظ "مسلم" عام ہے اور "مومن" خاص ہے، مسنون دعاؤں میں عمومی الفاظ کا بکثرت استعمال اس بات کا شاہد عدل ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اگر زید کی بات مان کر خطبہ میں "استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمؤمنین" کی جگہ پڑھا کریں تو زید کا دل بھی خوش ہو جائے گا اور وہ معنی عموم بھی ہو جائے گا(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

= "وكلما استغفر الى الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند سماع اسمه، والصواب انه يصلي في نفسه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۴/۲، رشيدية)

وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۵۹۳/۱، رشيدية)

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ "سائر المؤمنین" کے بجائے "لسائر المسلمین" محض زید کی خوشنودی کے لئے فرمایا ہے ورنہ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں بھی "مؤمنین" اور "مومنات" کے الفاظ ہیں، لیکن جائز بہرحال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿ربنا اغفر لي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾. (سورة ابراهيم: ۴۱/۱۳) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾. (محمد: ۱۹/۲۶)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿رب اغفر لي ولوالدي ولمن دخل بيتي مؤمناً وللمؤمنين والمؤمنات﴾.

(سورة نوح: ۲۸/۲۹)

"ان الإمام المستغفري روى في دعواته عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: "ما من دعاء احب الى الله من قول العبد: اللهم اغفر لأمة محمد رحمة عامة". (الفتاوى الحديثية، مطلب هل يجوز الدعاء للمؤمنين والمؤمنات بمغفرة جميع الذنوب، ص: ۶۴، قديمي)

"ويدعو بالعربية — وحرم بغيرها — لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين" (الدر المختار). "قوله: =

## درمیانِ خطبہ میں سامعین کا زور سے درود شریف پڑھنا

سوال[۳۸۱۳]: قبل اذانِ ثانی جمعہ پر تعوذ پڑھ کر "لقد جاء کم" الخ (۱) اور جس وقت امام خطبہ پڑھتا ہے اور جس وقت "إن اللہ وملائکتہ" الخ (۲) پڑھتا ہے تو مقتدی بڑے زور زور سے درود شریف پڑھتے ہیں، بظاہر "وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام" (۳) کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت فرمائیں، نیز جواز میں درود شریف بآواز بلند پڑھتے ہیں، پیش کرتے ہیں کہ در مختار یا رد المحتار میں استحباب کا قول نقل کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی اذان ثانی سے قبل تعوذ اور آیت "لقد جاء کم" الخ پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ خطبہ میں خطیب کے "إن اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی" الخ (۴) پڑھنے پر حاضرین کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ ایسے وقت دل ہی میں درود شریف پڑھنا چاہیے جیسا کہ درمختار، ردالمحتار میں

---

= لنفسه ولأبويه ولأستاذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً، فإنه لا يجوز الدعاء لهم بالمغفرة .... وكان ينبغي أن يزيد: ولجميع المؤمنين والمؤمنات كما فعل في المنية؛ لأن السنة التعميم الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۲، سعيد)

"وقال الحافظ ابن رجب: إذا أفرد كل من الإيمان والإسلام بالذكر، فلا فرق بينهما حينئذ، وإن قرن بين الاسمين كان بينهما فرق .... فالإيمان والإسلام كاسم الفقير والمسكين إذا اجتمعا افترقا، وإذا افترقا اجتمعا، فإذا أفرد أحدهما دخل فيه الآخر الخ". (فتح الملهم، كتاب الإيمان، البحث الثاني عن إطلاق الشرع: ۱/۳۴۸، ۳۴۹، مكتبة الحجاز حيدري كراچي)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (کشف الباری لشیخنا سلیم اللہ خان دامت فیوضہم، کتاب الإیمان: ۱/۱۰۶، ۱۰۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

(۱) (سورة التوبة، پ: ۱۱، آية: ۱۲۸)

(۲) (سورة الأحزاب، پ: ۲۲، آية: ۵۶)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

(۴) (سورة الأحزاب: ۵۶)

مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## خطبہ سے قبل "السلام علیکم" کہنا

سوال [۳۸۱۴]: خطبات ماثورہ میں لکھا ہے کہ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے مگر اب تک اس کا رواج نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ کیا اب معمول بنایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے مجموعہ خطب نہیں دیکھا، کتب فقہ میں تو یہ ہے کہ منبر پر آکر سلام نہ کرے، شوافع کے نزدیک سلام کرنا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

## وعظ بین الخطبتین

سوال [۳۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: مفتاح الصلوۃ میں ہے کہ روز جمعہ وقت

---

(۱) "والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه". (الدر المختار)

"(قوله: في نفسه) أي بأن يسمع نفسه أو يصحح الحروف، فإنهم فسروه به". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"وكان الطحاوي يقول: على القوم أن يستمعوا إلى أن يبلغ الخطيب إلى قوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما﴾ فحينئذ يجب عليهم أن يصلوا على النبي عليه السلام ويسلموا. وفي الجامع الحسامي: ويصلي السامع في نفسه ويخفي". (التاتارخانية، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۲/۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، فصل في بيان السنة: ۱/۲۶۳، رشيدية)

(۲) "وترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة، وترك الكلام. وقال الشافعي رحمه الله تعالى: إذا استوى على المنبر سلم على القوم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۴، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

جلسہ بین الخطبتین دعاء مانگنے کو جو لکھا ہے، کن بڑے اقوال معتبر واختلاف واحادیث خطبتین کے درمیان دعاء مانگنا ہاتھ اٹھا کر یا بلا ہاتھ اٹھائے جائز ہے یا مکروہ ہے اور بغیر زبان ہلائے دل میں دعاء مانگ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحۃ وتوجروا یوم القیامۃ۔

المستفتی: انیس احمد۔

## الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت دل سے دعاء مانگے زبان سے نہ، نہ ہاتھ بھی نہ اٹھائے "وسئل علیہ السلام عن ساعۃ الإجابۃ فقال: "ما بین جلوس الإمام إلی أن یتم الصلوۃ". وهو الصحيح". الدر المختار: ۱/۵۵۴(۱)۔

قال ابن عابدین: "قال في المعراج: فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه لأنه مأمور

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۶۳، سعید)

"عن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه قال: قال لي عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما: أسمعت أباك يحدث عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في شأن الجمعة يعني الساعة قال: قلت: نعم، سمعته يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "هي ما بين أن يجلس الإمام إلى أن تقضى الصلاة". قال أبو داؤد: يعني على المنبر". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإجابة أية ساعة هي في يوم الجمعة: ۱/۱۵۷، امدادیہ ملتان)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذكر يوم الجمعة فقال: "فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلي يسأل الله شيئاً إلا أعطاه إياه". وأشار بيده يقللها". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة: ۱/۱۲۸، قديمي)

"وقد اختلف أهل العلم من الصحابة والتابعين ومن بعدهم في هذه الساعة الثلاثون: عند الجلوس بين الخطبتين، حكاه الطيبي عن بعض شراح المصابيح". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة: ۲/۵۲۸، ۵۳۲، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الإجابة أية ساعة هي في يوم الجمعة: ۲/۱۸۰، امدادیہ ملتان)

ــکی حالت ہو (الدر المختار: ۲/۱۵۹، سعید)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ شعبان/ ۵۷ھ۔

## خطبہ کے درمیان چندہ

سوال[۳۱۰۱]: عید کے روز خطبہ کے درمیان امام کے واسطے یا مسجد یا کسی کام کے لئے جب کہ خطبہ ہو رہا ہو چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ممنوع ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۱۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"عن ابن عباس وابن عمر رضي الله تعالى عنهم: كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصلّ، (رقم الحديث: ۵۲۱۴) ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا خرج الإمام ... فلا صلوة ... ولا كلام". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۳، غفارية كوئته)

(۲) "إن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/۱۲۷، قديمي)

"(وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها) أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً أو رد سلام أو أمر بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"وإذا خرج الإمام، فلا صلوة ولا كلام، وقالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۹۵، رشيدية)

ایضاً

سوال[۳۸۱۰]: ہماری مسجد یوسفیہ بزارمیں جمعہ کے دن "خطباتِ موعظہ" مصنفہ مولانا ذوالفقار حسین مجتبیٰ صاحب کے پڑھے جاتے ہیں، اس میں عربی کے ساتھ ترجمہ تفصیل سے بطورِ وعظ لکھا گیا ہے اور خود مصنف نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اردو ترجمہ عربی سے پہلے منبر کے پاس قیام کرنا بہتر ہے، چنانچہ امام صاحب ترجمہ پڑھتے ہیں، پھر سنت ادا کی جاتی ہے، پھر عربی خطبہ پڑھ کر فرض پڑھتے ہیں۔ اردو ترجمہ کے درمیان مصلیوں کے درمیان ایک ڈبہ گشت کرایا جاتا ہے جس میں لوگ چندہ ڈالتے ہیں، اس ڈبہ پر "چندہ برائے طعامِ مسافرین و حاجتمندانِ مسجد یوسفیہ" لکھا ہے، وہ ڈبہ گشت کرانے سے اور کھٹ کھٹ کی آواز سے توجہ ہٹتی ہے۔

میں نے اعتراض کیا کہ اردو جو کہ پڑھا جاتا ہے وہ اس دن کے خطبہ کا ترجمہ ہے جو بہ ادب احترام سے سننا چاہئے، اور ڈبہ اس وقت نہ پھرانا چاہئے، جس پر امام نے جواب دیا کہ مساجد میں مسلمان مسافروں یا مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے چندہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور چندہ کرنے والے دوسروں کی گردنیں پھلانگ کر ادھر ادھر نہ جائیں۔ "ویکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخط رقاب الناس". شامی(۱)۔ تو کیا مسجد میں اس عنوان سے گشت جائز ہے؟ اور کیا اردو ترجمہ خطبہ کے ادب و احترام سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے؟ اور جو ردالمحتار کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور عربی خطبہ سے قبل اردو ترجمہ کرنا یا وعظ کہنا باعثِ ثواب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبۂ جمعہ تو فرض اور جمعہ کے لئے شرط ہے(۲) اس کو سننا ضروری ہے، کوئی ایسا کام کرنا منع ہے جو

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها: ۶۵۹/۱، سعید)

(۲) "أما الأول فالدلیل علی کونها شرطاً قوله تعالی: ﴿فاسعوا إلی ذکر الله﴾ [illegible] والمراد من الذکر الخطبة، وقد أمر بالسعي إلی الخطبة، فیدل علی وجوبها وکونها شرطاً لانعقاد الجمعة الخ". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، خطبة الجمعة: ۵۸۹/۱، رشیدیه)

"ویشترط لصحتها سبعة أشیاء [illegible] والرابع: الخطبة فیه". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۷/۲، سعید)

سننے میں مخل ہو(۱)، اور ان خطبہ سے پہلے جو کچھ بھی بیان کیا جائے خواہ ترجمہ خطبہ ہو یا کوئی اور وعظ ونصیحت ہو اس کا حکم خطبۂ جمعہ کی طرح نہیں تاہم اس کو بھی اہتمام سے سنا جائے (۲) اس وقت بھی چندہ وغیرہ جمع نہ کیا جائے، بلکہ اس کے لئے دوسرا وقت تجویز کرلیا جائے، مثلاً تقریر ختم ہونے کے بعد سنتوں سے پہلے یا جو وقت شوریٰ سے مناسب طے ہو جائے، مسجد میں چندہ کے لئے جو بھی امام صاحب نے بتایا ہے وہ صحیح ہے، خطبۂ جمعہ سے پہلے بعض حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وعظ فرمانا ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے (۳) اور یہ مفید بھی ہے بدعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۲ھ۔

---

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١٤٦/١، رشيديه)

(١) "عن أبا هريرة رضي الله سبحانه تعالى عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ١٢٧/١، قديمي)

"(وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب بل يجب عليه أن يستمع ويسكت". (الدر المختار، باب الجمعة: ١٥٩/٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢٥٩/٢، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١٤٧/١، رشيديه)

(٢) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قام على المنبر فقال: "إنما أخشى عليكم من بعدي ما يفتح عليكم من بركات الأرض" ثم ذكر زهرة الدنيا، فبدأ بإحداهما وثنى بالأخرى، فقام رجل فقال: يا رسول الله! أو يأتي الخير بالشر؟ فسكت عنه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قلنا: يوحى إليه وسكت الناس كأن على رؤوسهم الطير". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبيل الله: ٣٩٨/١، قديمي)

"قال الطيبي: كناية عن إطراقهم رؤوسهم وسكوتهم وعدم التفاتهم يميناً وشمالاً. قال ميرك: والطير منصوب على أنه اسم كأن، أي: وأن كل واحد الطير يريد صيده فلا يتحرك. وهذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا تكلم، أطرق جلساءه كأنما على رؤوسهم الطير يريد أنهم يسكتون فلا يتكلمون، والطير لا يسقط إلا على ساكت". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثالث، تحت حديث البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه، (رقم الحديث: ١٦٣٠): ٤٣/٤، رشيديه)

(٣) "أخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر =

## خطبہ کے وقت نمازیوں سے چندہ وصول کرنا

سوال [۴۰۸۱]: ہماری مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں جمعہ میں تقریباً وہ سب فیکٹریوں کے ملازم ہوتے ہیں، ان کے پاس وقت کم ہوتا ہے وہ ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نماز جمعہ سے جلد از جلد فارغ ہو کر اپنی ڈیوٹی پر پہونچ جائیں تاکہ غیر حاضری نہ ہو، گھنٹہ دو گھنٹہ کی تاخیر سے سروس اور تنخواہ میں نقصان پیدا نہ ہو۔ ان کے یہاں زوال کے بعد فوراً ہی اذان کی جاتی ہے اور اذان و خطبہ کے درمیان ان پندرہ

---

رضي الله تعالى عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالى عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة".

وروى الطبراني بسند حسن عن عمرو بن دينار أن تميماً الداري رضي الله تعالى عنه استأذن عمر رضي الله تعالى عنه في القصص، فأبى أن يأذن له، ثم استأذنه، الحديث". (الموضوعات الكبرى للملا علي القاري، مقدمة المحقق: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ الخ، ص: ۲۰، نور محمد كراچي)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله تعالى هذه الأحاديث في مقدمة موضوعاته، ولكنها ليست بموضوعة، بل هي من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. (شاهد علي)

"عن تميم الداري رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل، وستر عوراتهم، وسد خلاتهم، ودفع المضار عنهم، وجلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم ... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره وأمن على نفسه المكروه، فإن خشي أذى فهو في سعة، والله تعالى أعلم". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

سنت سے زائد کا وقفہ نہیں ہوتا، اگرچہ مسجد میں نماز کی غرض سے عموماً نمازیوں کی آمد نماز کی اذان سے تقریباً آدھ پون گھنٹہ پہلے شروع ہوجاتی ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مسجد کے اخراجات خطبہ کے دوران چندہ لینے اور دینے والے اور درمیان میں گشت کرنے والے مشغول ہوجاتے ہیں، جب کہ آداب وشرائط جمعہ میں یہاں تک تاکید ہے کہ خطبہ واجب ہے، اس کا سننا واجب ہے، جب خطبہ کی اذان شروع ہوجاتی ہے تو نماز کے سلام تک کسی دوسری طرف مشغول نہ ہونا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ وصول کرنے کے لئے یہ وقت متعین کرنا صحیح نہیں، غلط طریقہ ہے، یا تو اس سے پہلے وصول کیا جائے یا نماز سے فراغت پر وصول کیا جائے۔ مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ ”جو چیز عین نماز کی حالت میں منع ہے، وہ چیز خطبہ کی حالت میں بھی منع ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## خطبۂ جمعہ کے وقت چندہ کرنا

سوال[۴۸۱۹]: ا..... خطبۂ جمعہ وعیدین کے مسنون ومشروع ہونے کی غرض کیا ہے؟

الف- اگر اس کا مقصد اس مجمع کو مسائل وجزئیہ شرعیہ اس دن یا اس نماز کے متعلق مقام خطبہ پر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر سکھانا یا تعلیم دینا ہے تو اس کا جو وقت منجانب شرع متعین ہوچکا ہے اس میں تغیر وتبدل یا تقدیم وتاخیر یا طریقۂ بیان میں جدت پیدا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(و) كره (التحت والالتفات)، فيجتنب ما يجتنبه في الصلوة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمي)

"ويحرم في الخطبة ما يحرم في الصلاة، حتى لا ينبغي أن يأكل أو يشرب والإمام في الخطبة، هكذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

ب- اگر بدعت ہے تو اس کا جواز کسی مصلحت پرمبنی پیدا کرنے کا حق کسی مولوی، مولانا، علامہ کو ہے یا نہیں؟

ج- "كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار"(۱) ارشاد نبوی کلیہ ہے یا نہیں؟

د- بدعت کی تعریف جو متقدمین علماء وفقہاء نے بیان فرمائی ہے بیان کیجئے؟

ہ- اس ارشاد نبوی کو کلیہ مانا جاوے اور اس کی تاویلات کرنا تعریف بدعت میں ہے یا نہیں؟

و- اگر نہیں تو ایسا شخص محدث مصطلح ہے یا نہیں؟

۲- جمعہ یا عیدین یا سب میں گداگری کی شکل اختیار کرکے لوگوں کی صفوں میں پھر کر چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الف- اگر جائز نہیں تو ایسی حالت کا ارتکاب عملاً اصرار دواماً کرنے والا قبیح الفعل شریعت کو کام کرنے والا عندالشرع ہے یا نہیں؟

ب- اگر جائز ہے تو اس کی کوئی سند کتب فقہ مستند سے یا آیت قرآنی یا حدیث سے ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو مع نقل عبارت وحوالہ کتب وصفحہ بیان فرمائیں۔

۳- جمعہ کی نماز میں خطبہ سے جب کہ بعض نمازی مشغول و سنت ہوں اپنے مسائل کو صفوف کے درمیان گشت کرنا شرعی اذن میں کس دلیل سے ثابت ہے؟

ج- مذکورہ بالا صورتوں میں کسی کو بدعت جاننے والا یا مکروہ سمجھنے والا اگر باوجود قدرت بیان وتردید اس پر سکوت اختیار کرے تو وہ آیا مجرم شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- ہماری غرض تو تعمیل ارشاد ہے، شارع کی غرض کیا ہے؟ وہ علم شارع میں ہے۔

الف- کوئی تغیر نہ کیا جائے۔

ب- طریقۂ مشروعہ کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں۔

ج- کلیہ ہے(۲)۔

---

(۱) سنن النسائي، كتاب العيدين، باب كيف الخطبة: ۱/۲۳۴، قديمي

(۲) بدعت شرعیہ (جو کہ بدعت سیئہ ہے) کے اعتبار سے یہ حدیث قاعدہ کلیہ ہے، کیونکہ لغوی اعتبار سے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بدعت کی تقسیم کی ہے، اس اعتبار سے حدیث مذکور عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے، جیسے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے:

۱- غیر دین کو دین سمجھنا بدعت ہے(۱)۔

۲- کلیہ کو کلیہ نہ ماننا بدعت کو غیر بدعت کہنا بدعت ضلالہ ہے(۲)۔

۳- اوپر بیان کردیا۔

۴- تخطی رقاب ممنوع ہے(۳) نمازیوں کے سامنے سے مرور بھی ممنوع ہے(۴)۔

---

قال: "قال في الأزهار: أي كل بدعة سيئة ضلالة، لقوله عليه السلام: "من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها". وجمع أبو بكر وعمر القرآن . . وقوله: "كل بدعة ضلالة" عام مخصوص. قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في آخر كتاب القواعد: البدعة إما واجبة كتعليم النحو لفهم كلام الله ورسوله . . . وإما مكروهة كزخرفة المساجد الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۸، رقم الحديث: ۱۴۱، رشيديه)

(۱) "والبدعة: "ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) قال الإمام النووي رحمه الله تعالى تحت حديث: "من أحدث في أمرنا هذا . . . . فهو رد". "وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام، وهو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم في رد كل البدع والمخترعات، وفي الرواية الثانية (أي بعد الحديث المذكور) زيادة، وهي أنه قد يعاند بعض الفاعلين في بدعة سبق إليها، فإذا احتج عليه بالرواية الأولى، يقول: أنا ما أحدثت شيئاً، فيحتج عليه بالثانية التي فيها التصريح برد كل المحدثات سواء أحدثها الفاعل أو سبق بإحداثها". (شرح النووي على مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

(۳) "عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة، اتخذ جسراً إلى جهنم". (جامع الترمذي، كتاب الجمعة، باب في كراهية التخطي يوم الجمعة: ۱/۱۱۳، سعيد)

(و مرقاة المفاتيح، باب التنظيف والتبكير، قبيل الفصل الثالث: ۳/۴۶۹، رقم الحديث: ۱۳۹۲، رشيديه)

(ورد المحتار، كتاب الصلوة، قبيل باب العيدين، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد: ۲/۱۶۳، سعيد)

(۴) "قال أبو جهيم رضي الله تعالى عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيراً له من أن يمر بين يديه". قال أبو النضر: لا أدري قال

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردع الاخوان میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۴/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانی ۶۱ھ۔

## خطبۃ الوداع

سوال[۱۸۴۳]: رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عام طور سے الوداع خطبہ پڑھتے ہیں، مجموعۂ خطب مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطب وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر نہیں، میری نظر میں صرف خطب علمی کی میں ہے جو محمد حسن علی بریلوی کا نوشتہ الوداع خطبہ ہے اور اکثر مسجدوں میں یہی خطبہ ہے۔ کیا الوداع خطبہ بدعت ہے؟ اگر بالفرض بدعت نہیں تو کس قسم کی بدعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خطبہ الوداع پڑھنا قرونِ مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں، فقہاء نے اس کے پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدعت ممنوع ہونے کو تفصیل سے مدلل بیان فرمایا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (مجموعۂ رسائل الگنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان ۲/۳۰۲، إدارۃ القرآن، کراچی)

"یہ خطبہ بدعت ہے کہ نہ رسول اللہ و راشدین و قرون مشہود لہا بالخیر سے خطبہ میں منقول نہیں، بالخصوص جب کہ اس کو ضروری جانا جاوے کہ مؤکد جانا کسی غیر مستحب کا بھی داخل تعدی حدود اللہ اور موجب ضلالہ ہے، چہ جائے کہ امر محدث الخ"۔

(تالیفات رشیدیہ، فتاویٰ رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۱۳۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) "الوداع یا الفراق در خطبۂ جمعۂ آخر رمضان خواندن، و کلماتِ حسرت و رخصت ادا کردن فی نفسہ امر مباح است، بلکہ این کلمات باعث ندامت و توبۂ سامعان شود، امید ثواب است، مگر

ایضاً

سوال [۳۸۲۲]: جمعۃ الوداع میں جو خطبہ متعارف "الوداع الوداع یا شہر رمضان الخ" پڑھا جاتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے، اگرچہ وہ کتاب ذہن میں نہیں رہی، اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خطبۃ الوداع مکروہ ہے، بدعت ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں جمعۃ الوداع میں جو بدعات ورسوم جاری ہیں ان کی تردید کی ہے، اس میں یہ خطبہ بھی ہے(۱) اس طرح اردو فتاویٰ دیوبند و تھانہ بھون میں بھی اس کو بدعت لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفراللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مرسوم این طریق در قرون ثلاثہ نیست ... و شاید کسے کہ ایجاد این طریق کردہ، خطبۃ آخر رمضان را بر خطبۃ استقبال قیاس کردہ، لیکن التزام خطبۃ وداع کردن چنانچہ درین زمانہ مروج است، و آں را تا بحد التزام رسانیدن خالی از ابتداع نیست، علمائے معتمدین را لازم است کہ التزام این طریق را ترک کنند، تا عوام از اعتقاد استحباب و سنیت بلکہ از ضروری بودن این طریق خاص نجات یابند" (مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، کتاب الکراہیۃ: ۴/۳۴۹، امجد اکیڈمی لاہور)

(وکذا فی مجموعۃ رسائل اللکنوی رسالۃ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان: ۴/۳۴، إدارۃ القرآن، کراچی)

(۱) "ومن الأمور المحدثۃ ما شاع فی أکثر بلاد الہند والدکن وغیرہما من تسمیۃ خطبۃ الجمعۃ الأخیرۃ بخطبۃ الوداع، وتضمینہا جملاً دالۃ علی التحسر بذہاب ذلک الشہر، فیدرجون فیہا جملاً دالۃ علی فضائل ذلک الشہر، ویقرؤن بعد جملۃ أو جملتین الوداع والوداع أو الفراق والفراق لشہر رمضان، أو الوداع والوداع یا شہر رمضان، ونحو ذلک من الألفاظ الدالۃ علی ذلک" (مجموعۃ رسائل اللکنوی، ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان: ۴/۳۳، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) (فتاوی دارالعلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاوی، باب الجمعۃ: ۱/۲۹۹، ۳۰۰، دارالاشاعت کراچی)

# الفصل الخامس في أذان الجمعة

## (جمعہ کی اذان کا بیان)

### جمعہ کی دواذانوں کا ثبوت

سوال[۳۸۲۳]: جمعہ کے دن جو کی اذان دوسری خطبہ کی اذان، یہ دو اذانیں جو ہیں ان کا بھی ثبوت دیں کہ دواذان ہونی چاہئے یا ایک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے تو ایک ہی اذان جمعہ کے لئے ہوتی تھی، جب مجمع زیادہ ہونے لگا تو بعض خلفائے راشدین کے حکم سے دواذانیں ہونے لگیں، کذا فی شرح البخاری:

"عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله تعالى عنهما، فلما كان عثمان رضي الله تعالى عنه و كثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء الخ". فتح الباري: ۲/۳۲۶، ۳۲۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



### جمعہ کی اذانِ ثانی

سوال[۳۸۲۴]: نمازِ جمعہ میں دواذان ہوتی ہیں، ان کی کیا اصلیت ہے؟

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۲/۳۹۴، قديمي)

"(قوله: ويؤذن) ثانياً (بين يديه): أي الخطيب" (الدر المختار). "(قوله: ويؤذن ثانياً بين يديه): أي على سبيل السنية" (رد المحتار، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وإذا جلس على المنبر أذن بين يديه ثانياً، وبذلك جرى التوارث" (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۳، غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تردد مشہور ومالا بالخیر سے ثابت اور متوارث ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کا اجماع ہوچکا تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ربیع الاول/۵۶ھ۔

## جمعہ کے لئے اذان اول سنت ہے یا ثانی؟

سوال [۳۸۰۵]: جمعہ میں اذان اولی سنت ہے یا اذان ثانی سنت ہے؟ بعد الاذان الثانی مناجات جائز ہے یا نہیں، مناجات چھوڑنے سے گناہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں اذانیں سنت ہیں(۲) دوسری اذان کے بعد دعا دل میں پڑھی جائے زبان سے نہ پڑھی جائے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) "عن السائب بن یزید قال: کان النداء یوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام علی المنبر علی عهد النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأبي بکر وعمر رضي الله تعالیٰ عنهما، فلما کان عثمان رضي الله تعالیٰ عنه وکثر الناس، زاد النداء الثالث علی الزوراء". قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدینة". (صحیح البخاري، کتاب الجمعة، باب الأذان یوم الجمعة: ۱/۱۲۴، قدیمی)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۷، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما وابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما کانا یکرهان الصلاة والکلام بعد خروج الإمام". (مصنف بن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من کان یقول إذا خطب الإمام فلا تصل، (رقم الحدیث: ۵۱۴۵): ۱/۴۴۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

"قال في المعراج: فیسن الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مأمور بالسکوت". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعید)

## جمعہ کے دن اذان کہاں دی جائے؟

سوال[۳۹۲۹]: عہد نبوی میں جمعہ کی اذانیں کتنی تھیں اور کہاں دی جاتی تھیں، مسجد کی چھت کے نیچے یا چھت سے باہر؟ متعین کرتے ہوئے لکھیں کہ آج کل مروجہ اذان ایک چھت کے نیچے اور دوسرے چھت سے باہر کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اذان جمعہ ایک ہی تھی جو کہ باب مسجد پر ہوتی تھی، جب کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے آتے تھے اور اس اذان کے بعد خطبہ ہوتا تھا، لوگ عموماً اپنے مکان سے چل کر آتے تھے، یہ اذان کی آواز مسجد کے باہر والوں کو بھی پہنچتی تھی اور مسجد والوں کو بھی پہنچتی تھی۔ اس خطبہ سے قبل اذان نہیں ہوتی تھی، یہی کیفیت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں رہی، پھر خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مجمع بہت زیادہ ہونے لگا تو ایک اذان بازار میں "زوراء" مقام پر متعین کی گئی تاکہ بیرون مسجد دور تک آواز پہنچ جائے اور لوگ نماز کے لئے آجائیں۔ اس کے بعد ایک اذان امام کے سامنے اندرون مسجد کے رہی تاکہ حاضرین مسجد اس کو سن کر نوافل، تلاوت، تسبیح سے فارغ ہو جائیں اور خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جائیں۔

یہ اذان کا درجہ اقامت کی طرح ہے کہ وہ بھی حاضرین مسجد کے لئے ہے، اس میں آواز زیادہ بلند کرنے کی حاجت نہیں، دور کی جگہ پر بھی اس کا ہونا مستحب نہیں(۱)۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام "تنشیط الاذان" ہے(۲)، اس میں پوری تفصیل اور دلائل مذکور ہیں۔

---

= وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيدية)

(۱) "(قوله: في الأذان لا يستحب رفع الصوت فيه) قال: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب، لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، المقدمة الثانية في ذكر آداب المؤذن: ۲/۴۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (تنشيط الأذان في تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولانا خليل احمد سهارنپوری)

"حدثنا محمد بن سلمة المرادي حدثنا ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب، أخبرني السائب بن يزيد أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي -عليه السلام- وأبي بكر وعمر -رضي الله تعالى عنهما- فلما كان خلافة عثمان رضي الله تعالى عنه وكثر الناس، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك". (أبوداؤد)(۱)۔

"لم يكن في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر -رضي الله تعالى عنه- قبل أذان الخطبة أذان. ...... قال الحافظ في الفتح في رواية وكيع عن ابن أبي ذئب: فأمر عثمان بالأذان الأول، ونحوه للشافعي من هذا الوجه، ولا منافاة بينهما؛ لأنه باعتبار كونه مزيداً يسمى ثالثاً، وباعتبار كونه جعل مقدماً على الأذان والإقامة سمي أولاً. ولفظ رواية عقيل: إن التأذين بالثاني أمر به عثمان، وتسميته ثانياً أيضاً متوجه بالنظر إلى الأذان الحقيقي، لا الإقامة. قال أبو عبدالله البخاري في صحيحه: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة الخ". بذل المجهود(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## جمعہ کی اذانِ ثانی کس جگہ ہو؟

سوال[۳۸۲۷]: جمعہ میں اذانِ ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہیے یا بیرونِ مسجد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اذان کا حال اقامت کی طرح ہے یعنی یہ حاضرینِ مسجد کی اطلاع کے لئے ہے کہ اب خطیب کے لئے تیار ہوجاؤ، نفل، تسبیح، تلاوت ختم کرو، کذا في السعاية شرح شرح وقاية(۳)۔ نیز یہ اذان خطیب

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۶۲، مكتبه امداديه، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، تفريع أبواب الجمعة، باب النداء يوم الجمعة: ۲/۱۹۰، امداديه)

(۳) (المعنى أنّ الأذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قيل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعاية للعلامة اللكنوي، كتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمي، لاهور) .....

على باب المسجد وأبي بكر رضي الله تعالى عنه، وعمر رضي الله تعالى عنه اهـ" (۱)۔

اس روایت میں دونوں لفظ موجود ہیں: "بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" اور "علی باب المسجد"

احقر نے اس روایت کو ترک نہیں کیا بلکہ دونوں لفظوں کے درمیان جمع کیا ہے:

"ولا منافاة بين قوله: "بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم" وبين "على باب المسجد" فإن باب المسجد هذا كان في جهة الشمال، فإذا جلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على المنبر للخطبة يكون هذا الباب قدامه، فكونه بين يديه عام شامل لما كان في محاذاته أو منحرفاً إلى اليمين أو الشمال أو يكون على الأرض أو الجدار اهـ" بذل المجهود: ۲/۱۸۰ (۲)۔

"وأما لفظ "على الباب" فـ"على" ههنا بمعنى "في" وحروف الجر يقوم بعضها موضع بعض كما في قوله تعالى: ﴿على جذوع النخل﴾ عند بعضهم، فيكون معنى قوله: "على الباب" أي في الباب في داخل المسجد، وهذا الباب كان قريباً من المنبر، فلا منافاة بين قوله: "بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم" وبين قوله: "على الباب" كما هو ظاهر. ولا يخفى أن باب المسجد هناك لم يكن خارجه كما في زماننا، فإن العمارة لم تكن من الخارج محيطة بالمسجد هناك، كما يفهم من ظاهر ما رواه أبوداؤد: "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما كنت أبيت في المسجد في عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وكنت فتى شاباً عزباً، وكانت الكلاب تبول وتقبل وتدبر في المسجد، فلم يكونوا يرشون شيئاً من ذلك" وقد تقدم في باب طهارة الأرض بالجفاف: "وكانت له ثلاثة أبواب" كما في عمدة القاري: ۱/۸۰۲ (۳)۔

---

(۱) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مكتبه دار الحديث، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۲/۱۸۰، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۶/۳۰۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ۸/۸۲، إدارة القرآن، كراچی)

"وكان أحد الأبواب محاذياً للمنبر كما في البخاري "عن أبي نمير أنه سمع أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه يذكر أن رجلاً دخل يوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، الخ". ۱/۱۳۷(۱)۔

"فحاصل هذا الكلام أن الأذان كان بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في باب المسجد داخله، وهو بين يدي المنبر محاذياً له، فلم يلزم كون الأذان خارج المسجد، اهـ". إعلاء السنن: ۸/۴۷(۲)۔

"قال المهلب: الحكمة في جعل الأذان في هذا المحل ليعرف الناس جلوس الإمام على المنبر، فينصتون له إذا خطب. قال الحافظ: في الفتح: ۲/۳۲۷(۳). وفيه نظر لما عند الطبراني وغيره في هذا الحديث "أن بلالاً كان يؤذن على باب المسجد" فالظاهر أنه كان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات، نعم! لما زيد الأذان الأول، كان للإعلام، وكان الذي بين يدي الخطيب للإنصات، اهـ". نيل الأوطار: ۳/۱۰۶(۴)۔

اس لئے راوی پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق کا ترجمہ تہذیب التہذیب جلد: ۹ میں چار ورق پر لکھا ہے، اصحاب جرح وتعدیل کے دونوں قسم کے اقوال ان کے متعلق نقل کئے گئے ہیں(۵)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء في المسجد الجامع: ۱/۱۳۷، قديمي)

(۲) (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ۸/۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۲/۵۰۰، قديمي)

(۴) (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب تسليم الإمام إذا رقي المنبر والتأذين إذا جلس عليه واستقبال المأمومين له: ۳/۳۲۴، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۵) "وقال ابن المديني: سمعت سفيان قال: قال ابن شهاب، وسئل عن مغازيه فقال: هذا أعلم الناس بها، وقال الأثرم عن أحمد: هو حسن الحديث. وقال مالك: دجال من الدجاجلة، وقال البخاري: رأيت علي بن عبد الله يحتج بحديث ابن إسحاق، قال يعقوب: وسألت ابن المديني: كيف حديث ابن إسحاق عندك؟ فقال: صحيح، قلت له: فكلام مالك فيه؟ قال: مالك لم يجالسه ولم يعرفه وقال =

پھر ہدایہ(۱) اور شرح ہدایہ میں اس اذان کا محل "بین یدی الخطیب" لکھا ہے اور اس کی دلیل میں توارث کو پیش کیا (۲) اور صحابہ کرام سے جو امر متوارث ہو وہ بحکم تواتر ہے، اس لئے انکار کی گنجائش نہیں۔ خود اس مسئلہ پر فریقین کے متعدد رسائل بھی شائع ہو چکے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/شوال/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳/شوال/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف۔

## اذانِ خطبہ کا محل

سوال[۴۸۴۰]: ۱..... قبل جمعہ اذانِ ثانی ازروئے شرع کس جگہ سے دینی چاہئے؟

۲..... اذانِ ثانی روبروئے خطیب داخلِ مسجد منبر کے قریب ہونا کیسا ہے؟ اور روبروئے خطیب خارجِ مسجد سنت ہے یا نہیں؟

---

= ابن عيينة: سمعت شعبة يقول: محمد بن إسحاق أمير المؤمنين في الحديث. وروى له مسلم في المتابعات، وعلق له البخاري. وقال أبو يعلى الخليلي: محمد بن إسحاق عالم كبير، و إنما لم يخرجه البخاري من أجل روايته المطولات وله استشهد به، وأكثر عنه يحكي في أيام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وفي أحواله وفي التواريخ، و هو عالم واسع الرواية و العلم ثقة. وقال ابن البرقي: لم أر أهل الحديث يختلفون في ثقته و حسن حديثه و روايته". (تهذيب التهذيب، لابن حجر العسقلاني تحت لفظ "من اسمه محمد، العين" رقم الترجمة: ٥١)، ٩/٣٨، ٣٩، دار صادر بيروت)

(۱) "وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر، بذلك جرى التوارث". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١/١٧١، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وأذن المؤذنون بين يدي المنبر: هذا هو الأذان الأصلي الذي كان في زمان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله تعالى عنهما من بعده، ثم حدث الأذان الآخر، و هو الأذان الأول في عهد عثمان رضي الله تعالى عنه - كما ذكرنا (بذلك): أي بالأذان بين يديه المنبر بعد الأذان الأول يعني المنارة (جرى التوارث) من زمن عثمان بن عفان إلى يومنا هذا". (البناية للعيني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٣/١٠١، ١٠٢، رشيديه)

۳......اذانِ مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں داخلِ مسجد ہوا کرتی تھی یا خارجِ مسجد؟

۴ .... اذانِ ثانی مذکور منبر پر ہونا کیسا ہے؟

۵ .... جس حدیث سے اذانِ مذکور خارجِ مسجد ہونا ثابت ہے وہ حدیث منسوخ ہے یا نہیں؟

۶ .... اگر خارجِ مسجد اذان ہونے والی حدیث منسوخ ہے تو ناسخ کون سی حدیث ہے؟

۷ .... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت منسوخ شدہ ہو، اس کو رواج کرنا کیسا ہے؟

۸......قوم کے عمل سے جو سنت اٹھ چکی ہے اس کو رواج کرنے والے کی فضیلت بیان فرماویں۔ فقط۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

۱-۸......مسائلِ فقہیہ کے ثبوت کے لئے چار اصول ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ بعض مسائل صاف صاف قرآن پاک میں ہیں، بعض حدیث شریف میں ہیں، بعض اجماع سے ثابت ہیں، بعض قیاس سے(۱)۔ ماخذ کو کسی ایک دلیل میں منحصر کر کے سوال کرنا منصبِ سائل کے خلاف ہے، اس کا حاصل تو یہ ہوگا (کہ) سائل فقط ایک دلیل کو تسلیم کرتا ہے، بقیہ تین دلیلیں اس کے نزدیک بیکار ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتا، ان سے مسائل ثابت نہیں مانتا۔ اگر سائل مقلد ہے تو اس کا یہ سوال اپنے حوصلہ سے بڑھ کر ہے، اگر سوال علمی تحقیق کی سیرابی کے لئے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے لئے اردو میں ایک رسالہ ہے "تنشیط الاذان"(۲) اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے، ادلۂ اربعہ سے ثابت کیا ہے۔

جس حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے وہ ابوداؤد شریف میں مذکور ہے(۳)، بذل المجہود شرح سنن

---

(۱) "اعلم أن أصول الشرع ثلثة ...... الكتاب والسنة وإجماع الأمة ... والأصل الرابع: القياس". (نور الأنوار، تفهيم أصول الشرع، ص: ۵، سعيد)

(۲) (تنشيط الأذان في تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولانا خليل أحمد سهارنپوري رحمة الله تعالى عليه)

(۳) "عن ابن شهاب: أخبرني السائب بن يزيد أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما، فلما كان خلافة عثمان رضي الله تعالى عنه وكثر الناس، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثاني، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر =

ابی داؤد شریف (۱) میں پوری اس کی تفصیل مذکور ہے، نیز اس پر بھی کلام مذکور ہے، کانپور کرنل گنج سے ایک ماہنامہ "نظام" نکلتا ہے اس میں اس حدیث پر پوری بحث (دیکھی ہوئی) شائع ہوچکی ہے۔

مختصراً اتنا عرض ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ پاک کی آبادی کے لحاظ سے صرف ایک اذان باب مسجد پر منبر کے سامنے ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک اذان کا اضافہ ہوا، وہ بلند جگہ پر بازار میں بیرون مسجد ہوتی تھی اور دوسری اذان اندرون مسجد ہونے لگی، پہلی اذان اعلامِ غائبین کے لئے اور دوسری اعلامِ حاضرین کے لئے مثل اقامت، اسی وجہ سے پہلی اذان میں آواز زیادہ بلند کی جاتی ہے، دوسری میں معمولی آواز پر کفایت کی جاتی ہے تاکہ حاضرین مسجد خطبہ کے لئے تیار ہوجائیں، نوافل وغیرہ سے فارغ ہوجائیں (۲)۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس کا اہتمام ہوا، خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی حدیث پاک میں تاکید ہے، پس ان کی سنت پر عمل کرنا بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے ہے، جو کہ خلافِ حدیث نہیں بلکہ عین موافقِ حدیث ہے۔ وہ حضرات تو حدیث کو سمجھنے والے اور ان

---

= على ذلك". (سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب النداء يوم الجمعة: ۱۶۲/۱، مكتبه امداديه)

(۱) "قال الحافظ في الفتح في رواية وكيع عن ابن أبي ذئب: فأمر عثمان رضي الله تعالى عنه بالأذان الأول، ونحوه للشافعي من هذا الوجه، ولا منافاة بينهما؛ لأنه باعتبار كونه مزيداً يسمى ثالثاً، وباعتبار كونه جعل مقدماً على الأذان والإقامة سمي أولاً، ولفظ رواية عقيل: أن التأذين بالثاني أمر به عثمان رضي الله تعالى عنه، وتسميته ثانياً أيضاً متوجه بالنظر إلى الأذان الحقيقي. قال الحافظ: والذي يظهر أن الناس أخذوا بفعل عثمان في جميع البلاد إذ ذاك لكونه خليفة مطاع الأمر. وروى ابن أبي شيبة من طريق ابن عمر". (بذل المجهود في حل أبي داود، كتاب الصلوة، باب النداء يوم الجمعة: ۱۸۰/۲، مكتبه امداديه، ملتان)

(۲) "(المعتبر) أي الأذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قيل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب، لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۳۸/۲، سهيل اكيڈمی)

پر عمل کرنے والے اور اس کو شائع کرنے والے ہیں۔ایسے مواقع میں ناسخ ومنسوخ کی بحث ہی بے محل ہے(۱)۔ عینی شرح بخاری وفتح الباری وفیض الباری کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لئے مفید ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۱/۸۸ھ۔

## جمعہ کی اذانِ ثانی کا مقام اور محمد بن اسحٰق کا حال

سوال[۳۸۳۱]: ۱- سنن ابوداؤد شریف کی وہ حدیث کہ جس میں "أذان علی باب المسجد" کا ذکر ہے،اس کی سند میں جو محمد بن اسحاق ہے وہ کذاب اور دجال ہے یا نہیں؟ اور حدیث مذکور قابلِ عمل ہے یا متروک العمل؟

۲- اگر کوئی مولوی راوی مذکور یعنی محمد بن اسحاق کو کذاب ودجال کہے اور پھر اس پر اصرار کرے تو شریعتِ مطہرہ کی طرف سے اس قسم کے مولوی پر کیا حکم عائد ہوگا؟

۳-...اگر کسی حنفی مذہب والے کا "علی باب المسجد" حدیث پر عمل ہو اور کوئی شخص اس کو غیر مقلد اور لامذہبی بتائے اور اس میں شمار کرے اور امام کے سامنے مسجد کے کنارے پر جمعہ کی اذانِ ثانی دینے کو بدعتِ سیئہ بتائے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴- اگر حنفی مذہب ماننے والے جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے مسجد کے کنارے پر دلوائے اور اس پر کوئی مصلی بار بار انکار کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو لے کر مسجد سے باہر ہو جائے اور لعن وطعن کہتے ہوئے کسی میدان میں جا کر نماز پڑھے تو ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اس قسم کے مولوی پر شریعتِ مقدسہ کی طرف سے کیا حکم عائد ہوگا؟

---

(۱) "قال: سمعت العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم، فوعظنا موعظۃً بلیغۃً، وجلت منہا القلوب، وذرفت منہا العیون، فقیل: یارسول اللہ! وعظت موعظۃ مودع، فاعہد إلینا بعہد، فقال: "علیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وإن عبداً حبشیاً، وسترون من بعدی اختلافاً شدیداً، فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین، عضوا علیہا بالنواجذ، وإیاکم والأمور المحدثات، فإن کل بدعۃ ضلالۃ". (سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین: ۱/۵، قدیمی)

۵... موذن مسجد کے دروازے کے کنارے پر اذان ثانی دے کر اقامت کیلئے صف اول میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کسی عذر سے بالکل پچھلی صف میں اقامت کہے تو درست ہوگا یا نہیں؟ مسجد کے کنارے سے دروازہ مراد ہے یا کوئی دوسری جگہ مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد بن اسحاق کے متعلق ہمیشہ سے جرح وتعدیل میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے ان کو کذاب بھی کہا تھا اور دوسرے حضرات نے امام المغازی بھی لکھا ہے، راجح قول یہ ہے کہ مغازی وسیر میں ان کی روایت مطلقاً معتبر ہے، چنانچہ مسلم وترمذی، ابوداؤد ونسائی نے ان کی حدیث لی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیق میں روایت لی ہے امام احمد اور منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو "حسن الحدیث" فرمایا ہے، علی بن المدینی نے فرمایا ہے: "یحتج بہ" یعنی ان کی بیان کردہ روایت کو بطور حجت پیش کرنا درست ہے(۱)، شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "امیر المؤمنین فی الحدیث، ثقۃ ثقۃ ثقۃ"(۲)، اور جب اصحاب صحاح ان پر

(۱) "وقال ابن المديني: سمعت سفيان قال: قال ابن شهاب، وسئل عن مغازيه، فقال: هذا أعلم الناس بها .... وقال الأثرم عن أحمد ... هو حسن الحديث. وقال مالك: دجال من الدجاجلة. و قال البخاري: رأيت علي بن عبد الله يحتج بحديث ابن إسحاق . قال يعقوب: و سألت ابن المديني كيف حديث ابن إسحاق عندك؟ فقال: صحيح، قلت له: فكلام مالك فيه؟ قال: مالك لم يجالسه و لم يعرفه. ... وقال ابن عيينة: سمعت شعبة يقول: محمد بن إسحاق أمير المؤمنين في الحديث. . روى له مسلم في المتابعات، وعلق له البخاري ...... وقال أبو يعلى الخليلي: محمد بن إسحاق عالم كبير، و إنما لم يخرجه البخاري من أجل روايته المطولات، و قد استشهد به، وأكثر عنه فيما يحكي في أيام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وفي أحواله وفي التواريخ، وهو عالم واسع الرواية و العلم ثقة. وقال ابن البرقي: لم أر أهل الحديث يختلفون في ثقته وحسن حديثه و روايته" (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني تحت لفظ "ميم محمد، الف": رقم الترجمة: ۵۰، ۹/۳۸-۴۲، دار صادر بيروت)

(۲) "كذا ذكره ابن حبان في الثقات" (لسان الميزان لابن الحجر، في اسمه محمد، ۹۳، ج: ۵/۲۵، دار الكتب العلمية)

"وقال الحاكم: وذكر عن البوشنجي أنه قال: هو (محمد بن إسحاق) عندنا ثقة ثقة" (تهذيب =

اعتماد کرتے ہیں اور ان کی روایت کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور بطور حجت پیش کرتے ہیں تو اب ان پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنا جس سے عوام میں فتنہ پیدا ہو، ہرگز نہیں چاہیے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جمعہ کے لئے ایک ہی اذان ہوتی تھی اور وہ مسجد سے باہر بلند جگہ پر ہوتی تھی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی یہی طریقہ رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر دور میں دو اذانیں شروع ہوگئیں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اس کا شیوع ہوا کہ ایک اذان بلند جگہ پر ہو جس سے مسجد سے باہر تک آواز جائے اور لوگ نماز کیلئے آنے لگیں اور دوسری اذان منبر کے سامنے متعین کی گئی جس کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ مسجد میں حاضر ہیں وہ خطبہ سننے کے لئے آمادہ ہو جائیں، سنن، نوافل، تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو جائیں، اس اذان میں زیادہ بلند آواز نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ اقامت کی طرح اعلام حاضرین کے لئے ہے۔ پھر یہی طریقہ بطور توارث منقول چلا آرہا ہے اور اسی پر شرقاً غرباً اہل اسلام کا عمل ہے۔

مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں منبر کے سامنے ہونی چاہیے خواہ پہلی صف میں ہو خواہ کسی اور صف میں، مثلاً مسجد بہت بڑی ہے اور نمازی زیادہ ہیں تو تیسری، چوتھی صف میں جیسا مناسب ہو تجویز کر دی جائے، اس پر اختلاف اور نزاع نہیں کرنا چاہئے، نہ یہ اصرار ہو کہ جب مسجد پر نہ ہوگی، نہ یہ اصرار ہو کہ پہلی ہی صف میں ہوگی (۱)، پھر اس کی وجہ سے مسجد چھوڑ کر، باہر میدان میں جا کر جماعت کرنا تو بہت غلط کام ہے

---

— التھذیب: ۴/۳۶۰، دار صادر)

"وقال العجلي: مدنيٌّ ثقةٌ". (تهذيب الكمال في أسماء الرجال: ۲۲۳/۳، مؤسسة الرسالة)

(۱) "عن ابن الشهاب، أخبرني السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و عمر — رضي الله تعالىٰ عنه — فلما كان خلافة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه و كثر الناس أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك" (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مكتبه دار الحديث، ملتان)

"(ولهٰ) أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب، لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح جماعة من الفقهاء". (السعاية، كتاب الصلاة: ۱ —

اگر چہ نزاع کی بھی ہو جائے گی۔ اس مسئلہ کی وجہ سے فرقہ بندی نہ کی جائے (۱) اور ایک دوسرے پر تشنیع نہ کریں کہ یہ سخت مذموم ہے اور عند الشرع ممنوع ہے (۲)۔

باب مسجد پر اذانِ ثانی کہہ کر صفوف کو پھلانگ کر پہلی صف پر جانا شرعاً ناپسند ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسالے بھی لکھے گئے ہیں اور شروحِ حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے جس کا خلاصہ اوپر نقل کر دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۹۱ھ۔

## جمعہ کے روز اذانِ خطبہ کا مقام

سوال [۳۸۳۹]: ... جمعہ کی اذانِ ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

---

= باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيدمي)

"(فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه وأقيم بعد تمام الخطبة) بذلك جرى التوارث، والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۲، رشيديه)

"وإذا جلس الإمام على المنبر ... أذن أذاناً ثانياً ... بين يديه: أي بين الجهتين المسامتتين ليمين المنبر أو الإمام أو يساره قريباً منه ووسطهما، فيشمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادة أو منفرجة". (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۶۸، مكتبه كريميه)

(۱) "عن رجل رضي الله تعالى عنه قال: "انتهيت إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو يقول: "أيها الناس! عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة، أيها الناس! عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة". ثلاث مرار". (مسند أحمد، أحاديث رجال من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، رقم الحديث: ۲۳۱۴۵، ۶/۱۱۴، دار إحياء التراث بيروت)

(۲) "عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذيء". هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

۲۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی؟

۳۔ فقہائے حنفیہ کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا ہے اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

۴۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں (تمہیں) اس پر لازم ہے یا رسم ورواج پر؟ اور جو رسم ورواج حدیث شریف میں واحکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑ جانا؟

۵۔ نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین واحکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہوگئی ہو؟

۶۔ مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف؟ اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار موذنوں کے فعل، اگرچہ خلاف شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

۷۔ سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا مردہ؟ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے، یا جو سنت خود رائج ہو وہ مردہ قرار پائے گی؟

۸۔۔۔۔علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ کو زندہ کریں؟ اگر ہے تو کیا اس وقت ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہیں تھے؟ اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

۹۔۔۔ جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۱۰۔ جن مسجدوں میں ایسے منبر بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے، اگر موذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا، وہاں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں یہی ایک اذان جمعہ کے لئے، جب مسجد پر ہوتی تھی: "كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبي بكر - رضي الله تعالى عنهما - وعمر - رضي الله تعالى عنهما - الخ". أبوداؤد شریف: ۱/۱۶۲ (۱)۔

۲۔ خلیفۂ اول وثانی کے دور میں بھی یہی صورت رہی، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس اذان سے پہلے ایک اذان کا اضافہ ہوا، جو بیرونِ مسجد مقام "زوراء" پر ہوتی تھی اور اذانِ سابق بدستور اپنی جگہ رہی: "فلما أن كان خلافة عثمان وكثر الناس، أمر عثمان - رضي الله تعالى عنه - يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك" اهـ. أبوداؤد شریف: ۱/۱۶۲ (۲)۔

۳۔ جس اذان کا مقصد اعلامِ غائبین ہے اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ بلند مقام پر بلند آواز سے ہونی چاہیے تاکہ دور تک آواز پہنچے اور لوگ شرکت کے لئے چل پڑیں، اگر مسجد کے اندر اذان ہو تو اس سے یہ مقصد پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے:

قال ابن عابدین: "وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران

---

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، دار الحديث ملتان)

"عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: "كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما، فلما كان عثمان وكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء". قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة".

(صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۱/۱۲۴، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء في أذان الجمعة: ۱/۱۱۵، سعيد)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، دار الحديث ملتان)

ویرفع صوتہ"۔ کذا فی ردالمحتار(۱)۔ "وینبغی أن یؤذن علی المئذنۃ أو خارج المسجد، ولا یؤذن فی المسجد، کذا فی فتاوی قاضی خان"۔(۲) ھکذا فی الفتاوی الھندیہ(۳)۔

جو اذان منبر کے سامنے خطبہ کے لئے ہوتی ہے اس کا مقصود غائبین کو خبر دینا نہیں، بلکہ جو لوگ مسجد میں حاضر ہیں اور نوافل، تلاوت، تسبیح اور درود شریف میں مشغول ہیں، ان کو آگاہ کرنا ہے کہ اب ان سب سے فارغ ہوکر خطبہ سننے میں مشغول ہوجائیں، اس لئے اس اذان کا نہ بلند جگہ پر ہونا مستحب ہے، نہ خارج مسجد، نہ اس میں آواز زیادہ بلند کرنا مستحب ہے، بلکہ یہ تو اقامت (تکبیر) کی طرح ہے کہ وہ مسجد ہی میں معمولی آواز سے ہوتی ہے، اس کو دوسری اذانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ چنانچہ شرح وقایہ کی شرح میں ہے:

"(لعل) أی الأذان لا یستحب رفع الصوت فیہ؟ قل: ھو الأذان الثانی یوم الجمعۃ الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنہ کالإقامۃ لإعلام الحاضرین، صرح بہ جماعۃ من الفقھاء، اھ"۔ سعایہ(۴)۔

اس اذان کا یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے، اس کو متغیر کرنا اور خارج مسجد تجویز کرنا اس توارث کے خلاف ہے(۵)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/۳۸۳، سعید)

(۲) (فتاوی قاضی خان، کتاب الصلاۃ، مسائل الأذان: ۱/۳۷، المطبع العالی الواقع فی اللکنو)

(۳) (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامۃ: ۱/۵۵، رشیدیہ)

(۴) (السعایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سہیل اکیڈمی، لاہور)

(۵) "فإذا جلس علی المنبر أذن بین یدیہ، وأقیم بعد تمام الخطبۃ، بذلک جری التوارث"۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۷۳، رشیدیہ)

"(ویؤذن) ثانیاً (بین یدیہ) أی الخطیب ۔۔۔۔ (إذا جلس علی المنبر)"۔ (الدرالمختار)

"(قولہ: ویؤذن ثانیاً بین یدیہ) أی علی سبیل السنیۃ، کما یظھر من کلامھم، رملی"۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ: ۱/۱۴۷، رشیدیہ)

۴۔ حدیث وفقہ پر عمل کیا جائے نہ کہ رسم ورواج پر، اس اذان کا مسجد میں ہونا رسم ورواج کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا یہ طریقہ ثابت ہے جیسا کہ اوپر گزرا(۱)۔

۵۔۔ حدیث وفقہ کے خلاف جو بات ہو وہ نئی اور محدث اور بدعت ہوگی، مگر اس اذان کا مسجد میں ہونا نئی بات محدث اور بدعت نہیں(۲)۔

۶۔۔ وہاں مسجد کے اندر ہوتی ہے اور یہ تنخواہ دار موذنوں کا اپنا ذاتی فعل نہیں کہ اس پر نکیر نہ کرنے کی وجہ سے علماء کو مطعون کیا جائے، بلکہ حدیث وفقہ کے موافق ہے اور صحیح ہے، جس پر نکیر کرنا غلط ہوگا اور نکیر نہ کرنے کی وجہ سے علماء کو مطعون کرنا غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہوگا(۳)۔

۷۔۔ اس اذان کا مسجد میں ہونا کوئی مردہ سنت نہیں کہ اس کو مٹا کر سو شہیدوں کا ثواب حاصل کیا جائے، بلکہ یہ تو سنت ہے، اس کو باقی رکھنا چاہیے، اس کو مٹانا نہیں چاہیے۔ "إذا صعد الإمام المنبر، جلس وأذن المؤذن بين يدي المنبر، بذلك جرى التوارث" اهـ. ہدایہ(۴)۔

بلکہ کلامِ فقہاء سے تو اذانِ اول کے متعلق بھی تشدد معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ خارج مسجد ہی ہو، کیونکہ خود اذان کوئی ایسا کام نہیں جو شانِ مسجد کے خلاف ہو، صرف دور تک آواز پہنچانے کے لئے خارج مسجد اور بلند جگہ پر ہونا مستحب ہے: "وإذا أذن الأول: أي أول أذان بعد الزوال، سواء كان على المنارة أو

---

(۱) (راجع ص: ۳۰۳، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها: قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، فهو رد: ۱/ ۳۷۱، قديمي)

"وعرفها (أي البدعة) الشمني بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(۳) (راجع ص: ۳۱۴، رقم الحاشية: ۵)

(۴) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۱۷۱، مكتبه شركة علميه، ملتان)

عند الخطبة، اھ". جامع الرموز (۱)۔

۸۔ جو کام واقعتاً حدیث وفقہ کے خلاف چل رہا ہو اس کی اصلاح علماء کے ذمہ حسب حیثیت لازم ہے (۲) اور یہ عذر کہ پہلے علماء نے اس کی اصلاح نہیں کی کیا وہ علماء نہیں تھے قابلِ التفات نہیں لیکن یہاں اذان کا مسجد میں ہونا حدیث وفقہ کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے: "وكان الحسن بن زياد يقول: المعتبر هو الأذان على المنارة؛ لأنه هو المنتظر الأذان عند المنبر تكون لأداء السنة وسماع الخطبة. وكان الطحاوي يقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام، اهـ". عناية (۳)۔

---

(۱) (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۶۹، كريميه)

"(ووجب سعي إليها، وترك البيع) ... (بالأذان الأول) في الأصح الخ".

(الدر المختار)، "(قوله في الأصح) ... والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۶۰، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾ (سورة آل عمران، پ: ۴، آيت: ۱۰۴)

"ففي الآية بيان الإيجاب، فإن قوله تعالى: ﴿ولتكن﴾ أمر، وظاهر الأمر الإيجاب". (إحياء علوم الدين للإمام الغزالي، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأول في وجوبه: ۲/۳۰۶، دار إحياء التراث)

"وقال صلى الله عليه وسلم: "إن الله لايعذب العامة بعمل الخاصة، حتى يرى المنكر بين أظهرهم وهم قادرون على أن ينكروه فلا ينكروا"". (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۱۷۲۶۴: ۵/۲۱۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"النصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره". (شرح النووي على مسلم، كتاب الإيمان، باب أن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۳) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۶۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

۵… جب کہ اس اذان کا مسجد میں ہونا حدیث وفقہ کے خلاف نہیں، خارجِ مسجد ہونا مستحب بھی نہیں، پھر اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے (کہ)؟ اس اذان کا عند المنبر خطیب کے قریب ہونا مستحب ہے: "وإذا جلس الإمام على المنبر … أذن أذاناً ثانياً … بين يديه: أي بين الجهتين المسامتين لليمين المنبر أو الإمام ويساره قريباً منه ووسطهما … فيشمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادة أو منفرجة، اهـ" جامع الرموز(۱)۔

۶… مسجد کے اندر منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان دی جائے، حسبِ مصلحت پہلی صف سے تدوکی اور صف میں بھی منع نہیں جیسا کہ جواب نمبر ۵ سے مستفاد ہے: "فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه وقام بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث، والضمير في قوله "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس، اهـ" البحر الرائق(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۳ھ۔

## مسجد میں جمعہ کی اذانِ ثانی

سوال [۳۵۳۳]: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے اندرونِ مسجد، یا اذان دینا کیا مکروہِ تحریمی ہے؟ ہمارے شہر بُھسیہ پور میں کچھ بدعتی حضرت نے یہی استفتاء رضاخانیوں سے کتب احادیث تصنیف کردہ مولانا احمد رضا خان کے حوالہ جات سے جواب کافی روشنی طلب کر کے شہر میں مشتہری کرائی جس کی وجہ سے ایک انتشار ہوگیا، ضرورتِ شدیدہ اس بات کی ہوئی کہ ایک استفتاء علمائے دیوبند سے

---

= "واختلفوا في المراد بالأذان الأول، فقيل: الأول باعتبار المشروعية … والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۶۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) (جامع الرموز للإمام شمس الدين محمد الخراساني المعروف بالقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۶۸، مكتبة كريميه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۳، رشيديه)

طلب کروں، رضاخانی علماء نے جواب استفتاء میں اذان ثانی کو جو جمعہ کے روز خطیب کے روبرو ہوتی ہے، اس کو اندرون مسجد مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، نیز یہ کہ جمعہ کے خطبہ والی اذان خارج مسجد دروازہ پر ہونا سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسنت خلفائے راشدین کی ہے۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۶۲، کا حوالہ دیتے ہوئے حدیث شریف یہ ہے:

"عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبي بكر و عمر رضي الله تعالى عنهما"(۱)۔

آگے تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار مدینہ میں مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ وقت کا لحاظ فرمایا، اور کہیں منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفاء راشدین کی سنت یہی ہے، خطبہ والی اذان مسجد کے باہر یا دروازہ پر ہی ہو۔ نیز یہ کہ انھوں نے ایک اور حدیث جس کے راوی احمد، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ ہیں کا حوالہ دیتے ہوئے جس کی عبارت یوں ہے:

"من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة"(۲)۔

اور مکروہ تحریمی ہونے کا ثبوت طحطاوی کی عبارت: "يكره أن يؤذن في المسجد، كما في القهستاني عن النظم" طحطاوی مصری علی مراقی الفلاح: ۱/۱۲۸(۳)۔

---

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مكتبه دار الحديث)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث العرباض بن سارية عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: رقم الحديث: ۱۶۶۹۵: ۵/۱۰۹، ۱۰۰۰۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۶، قديمي)

اور فتح القدیر میں ۱:۴۵۱ خاص باب الجمعہ میں ہے:

"هو ذكر الله في المسجد: أي في حدوده بكراهة الأذان في داخله" (۱)۔

اس کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکر الٰہی ہے۔ براہ کرم جواب تفصیل سے روانہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ اذان کا مقصد عظیم اعلانِ غائبین ہے، اس لئے اس میں مستحب یہ ہے کہ بلند جگہ پر بلند آواز سے اذان دی جائے تاکہ دور تک پہنچے اور کثیر تعداد میں لوگ اذان سن کر نماز کے لئے آسکیں، اندرونِ مسجد کہنے میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے (۲) اس لئے فقہاء نے مسجد میں اذان کو ممنوع فرمایا ہے (۳)۔

شرحبیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منارہ پر اذان دیا کرتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ابن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منارہ اذان کے لئے بنایا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں منارہ نہیں تھا (۴)، مسجد نبوی کے قریب سب سے اونچا مکان حضرت ام زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اذان دیا کرتے تھے، جب مسجد نبوی کی چھت بن گئی تو چھت پر اذان

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۸، مصطفى البابي)

(۲) "وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۲، سعيد)

"وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۵، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلاة، فصل وأما سنن الأذان: ۱/۳۷۹، رشيديه)

(۳) (راجع ص: ۳۱۸، رقم الحاشية: ۳ ورقم الحاشية: ۱ من هذه الصفحة)

(۴) "إن أول من رقي منارة مصر للأذان شرحبيل بن عامر المرادي، وبنى مسلمة المنابر للأذان بأمر معاوية رضي الله تعالى عنه، ولم تكن قبل ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

دیتے تھے حالانکہ مسجد کی چھت مسجد ہی کے حکم میں ہے:

"قال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد، وقد رفع له شيء فوق ظهره اهـ". شامی: ۱/۲۵۹(۱)۔

کلماتِ اذان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو، ورنہ مسجد کی چھت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان کی اجازت نہ مرحمت فرماتے بلکہ منع فرمادیتے، نیز کلماتِ اذان تمام اقامت میں بھی موجود ہیں اور اقامت ہمیشہ سے مسجد کے اندر ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ جمعہ کے لئے شروع میں ایک ہی اذان تھی، دوسری کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوا(۲) جو کہ خلیفہ راشد تھے، ان کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے(۳) اس وقت سے بطورِ توارث وتواتر یہ اذان منقول ہے اور مسجد میں ہوتی ہے(۴)۔

تقریباً تیرہ سو سال پہلے تک یہ مسئلہ اتفاقی تھا، بریلی سے یہ مسئلہ جب شائع ہوا تقریباً تیرہ سو سال تک جب خلافتِ راشدہ رہی، صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سب ہی اس پر عمل کرتے تھے، اگر اس کا مسجد میں ہونا منع ہوتا تو یہ حضرات ہرگز سکوت نہ فرماتے بلکہ تردید کردیتے، جامع الرموز میں تصریح ہے کہ اذان خطیب منبر کے قریب کھڑے ہوکر دی جائے یا کم از کم مسجد میں دی جائے(۵)۔ مولانا عبدالحی

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان: ۱/۳۸۴، سعيد)

(۲) "عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأبي بكر وعمر، فلما كان عثمان وكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء. قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۱/۱۲۴، قديمي)

(۳) (راجع ص: ۳۰۸، رقم الحاشية: ۱)

(۴) "إذا جلس على المنبر أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۰، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه)

(۵) "وإذا جلس الإمام على المنبر أذن أذانا ثانيا بين يديه: أي بين الجهتين المسامتتين لمين المنبر

## جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دی جائے؟

سوال [۳۸۳۵]: أي مقام ثبت للأذان الثاني بالسنة المتوارثة: أعند المنبر في الصف الأول، أم على الباب، أو خارج المسجد؟ وأيضاً بينوا عمل الحرمين والهند به اليوم بالتحقيق والدلائل الواضحة؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

قال في جامع الرموز: "وإذا جلس الإمام على المنبر أذن ......... أذاناً ثانياً بين يديه: أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أو الإمام أو يساره قريباً منه ووسطهما -بالسكون- فيشمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادة أو منفرجة، اهـ"(۱)۔

وقال في الهداية: "وإذا صعد الإمام المنبر، جلس، و أذن المؤذن بين يدي المنبر، بذلك جرى التوارث"(۲)۔ وقال العيني: (بذلك): أي الأذان بين يدي المنبر بعد الأذان الأول على المنارة (جرى التوارث): أي من زمن عثمان رضي الله تعالى عنه إلى يومنا هذا"(۳)۔

قلت: وهو المتوارث في ديارنا إلى يومنا هذا ولا اعتبار لمن خالف هذا التوارث۔

## اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے دلائل

سوال [۳۸۳۶]: ۱..... میں ایک مسلمان حنفی المذہب ہوں اور شہر کی جامع مسجد کا سیکریٹری و منتظم ہوں، جمعہ کی اذان کے متعلق معلوم کرتا ہے کہ اسے دہرانا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب امام خطبہ کے لئے نکلے اس وقت سے کلام کرنا اور نماز پڑھنا ممنوع ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ جب

---

(۱) (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۸/۱، مكتبه كريميه)

(۲) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (البناية شرح الهداية للعيني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۰۹/۳، رشيديه)

"(فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة)، بذلك جرى التوارث. والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۳/۲، رشيديه)

امام خطبہ شروع کرے تب کلام کرنا ممنوع ہے، جس پر متعدد حدیثیں ہیں۔

۲... نماز ظہر کے اختتام کا وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کے شاگردوں (صاحبین) کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۳... کلام کے معنی ہیں ہر ایک دوسرے سے بات کرنا، اذان کا دہرانا کسی سے کلام کرنا نہیں ہوا، دوسرے یہ کہ کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ جس میں اس بابرکت اذانِ جمعہ کو دہرانے کی مخالفت آئی ہو۔

۴... میرے مسلک حوالہ جات کے جواب میں حافظ مولوی ابوبکر صاحب نے ایک تحریر لکھی ہے، جس کو میں بغرض ملاحظہ منسلک کرتا ہوں اور استدعا ہے کہ آپ اس مسئلہ کا شرعی حکم بتلائیں۔

(حوالہ جات جناب محی الدین صدیقی)

"جواب دینا مؤذن کا واجب ہے" باب فضل الاذان، مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف: ۱/۲۳۳(۱)

"جواب دینا مؤذن کا مستحب ہے" نووی، مسلم، ص: ۲۳۵(۲) اور اگر سننے والا پاکخانہ میں ہو یا جماع کرتا ہو یا نماز میں ہو تو جب فارغ ہووے تو کلمات جواب اذان کے کہہ لے" (۳)۔

"جواب دینے والا بعد اذان کے دعا پڑھے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس کے لئے واجب ہے" رواہ البخاری، ص: ۲۳۰(۴)۔

---

(۱) (مظاہر حق، کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن: ۱/۲۳۳، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة، صلى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم يسأل له الوسيلة: ۱/۱۶۶، قديمي)

(۳) (مظاهر حق، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، الفصل الأول: ۱/۲۳۴، دار الاشاعت، كراچی)

(۴) "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة ... وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة" (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۱/۸۶، قديمي)

اذان کا جواب دینے والے کو مؤذن کے برابر ثواب ملے گا" رواہ سنن ابی داؤد" ص ۸۴ (۱)۔

"حضرت معاویہؓ نے اذان سن کر اذان کو دہرایا" رواہ النسائی، ص ۱۰۴ (۲)۔

"حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سن کر اذان کو دہرایا" رواہ ابو داؤد" ص ۱۰۶ (۳)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حضرات اذان بین یدی الخطیب کے جواب کو جائز یا لازم سمجھتے ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر اذان کو سن کر جواب دیا اور فرمایا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب دیا تھا، یہ حدیث شریف بخاری شریف میں بھی مذکور ہے (۴)۔

---

(۱) "عن عبد اللہ بن عمرو أن رجلا قال: یا رسول اللہ! إن المؤذنین یفضلوننا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "قل کما یقولون، فإذا انتہیت فسل تعطہ". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب ما یقول إذا سمع المؤذن: ۱/۸۵، امدادیہ)

(۲) "عن علقمۃ بن وقاص قال: إنی عند معاویۃ إذ أذن مؤذنہ، فقال معاویۃ کما قال المؤذن، حتی إذا قال: حی علی الصلوۃ قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللہ، فلما قال: حی علی الفلاح، قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللہ، وقال بعد ذلک ما قال المؤذن، ثم قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مثل ذلک" (سنن النسائی، کتاب الأذان، القول الذی یقال إذا قال المؤذن: حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح: ۱/۱۰۶، قدیمی)

(۳) "عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا سمع المؤذن یتشہد، قال: "وأنا وأنا". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب ما یقول إذا سمع المؤذن: ۱/۸۵، امدادیہ)

(۴) "عن أبی أمامۃ بن سہل بن حنیف قال: سمعت معاویۃ بن أبی سفیان رضی اللہ تعالی عنہما وہو جالس علی المنبر، أذن المؤذن، فقال: اللہ أکبر، اللہ أکبر، فقال معاویۃ رضی اللہ تعالی عنہ: اللہ أکبر اللہ أکبر، فقال: أشہد أن لا إلہ إلا اللہ، فقال معاویۃ: وأنا، فقال: أشہد أن محمدا رسول اللہ، فقال معاویۃ: وأنا، فلما أن قضی التأذین، قال: یا أیہا الناس! إنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ہذا المجلس حین أذن المؤذن یقول ما سمعتم منی مقالتی". (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب یجیب الإمام علی المنبر إذا سمع النداء: ۱/۱۲۴، ۱۲۵، قدیمی)

مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے بھی ان سے استدلال کیا ہے(۱) مگر احقر کے خیالِ ناقص میں اس کا محمل امام ہے، بقیہ حضرات نہیں، امام کو خطاب وکلام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بھی حق ہے(۲)، مگر دوسروں کے لئے تو یہ ہے کہ "إذا قلت لصاحبك: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت"(۳)۔ اسی کے ساتھ "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام" کے پابند ہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ "منشا خروجِ امام ہے نہ کہ شروع فی الخطبہ" کے ہے(۴)، یہی اقرب معلوم ہوتا ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے: "العطر العنبري في جواب الأذان المنبري"۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب

سوال[۳۹۳۰]: فتاویٰ کا جزئیہ ہے کہ جب امام خطبہ دینے کیلئے بیٹھے اور اذان والا کہے تو اس کا جواب نہ دیا جائے، مگر العرف الشذی میں ۳۳۳ پر ہے: "وبعض المحققين لم يمنعه كما في البخاري أن أمير المؤمنين معاوية رضي الله تعالى عنه جلس على المنبر وأجاب الأذان وقال: إني رأيت رسول

---

(۱) "ولقد كنت متحيراً في هذه المسألة من سابق الزمان متوقفاً عند كراهة الإجابة لذلك الأذان ملاحظاً بسند هذه التصريحات على القول المرجوع للإمام النعمان إلى أن اطلعت على الحديث الذي رواه البخاري كما ذكرته، فإنه صريح في أن معاوية قد أجاب المؤذن على المنبر قبل شروعه في الخطبة. الخ" (السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۵۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "إذا خرج للخطبة كان مستعداً لها، والمستعد للشيء كالشارع فيه، ولهذا ألحق الاستعداد بالشروع في كراهة الصلاة، فكذا في كراهة الكلام. ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف، فلا يكره" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۰، رشيديه)

(۳) (أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب الخ: ۱/۱۲۷، قديمي)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

صلى الله تعالى عليه وسلم يفعل هكذا في هذا الموضع". شاہ صاحب (کشمیری) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "والتاويل فيه بعيد" (۱)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمل کس پر کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے منبر پر آنے کے بعد خطبہ شروع ہونے سے پہلے صلوٰۃ وکلام وسلام کے جواز اور عدم جواز میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز:

"إذا خرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلوة والكلام حتى يفرغ من خطبته، قال رضي الله تعالى عنه: وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا: لا بأس بالكلام إذا خرج الإمام قبل أن يخطب، وإذا نزل قبل أن يكبر". هدايه: ۱/۱۵۱ (۲)۔

پھر مشائخ حنفیہ کا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی شرح میں اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ کلام جو خروج امام سے ممنوع ہو جاتا ہے اس سے مراد مطلق کلام نہیں بلکہ صرف کلام الناس یعنی دنیاوی کلام مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے، امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز اور دینی کلام جیسے تسبیح، تہلیل یا جواب اذان وغیرہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں اختلاف نہیں، جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

"وفي البحر عن العناية والنهاية: اختلف المشايخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة، فقيل: إنما يكره ما كان من جنس كلام الناس، أما التسبيح ونحوه فلا، وقيل: ذلك مكروه، والأول أصح. ومن ثم قال في البرهان: وخروجه قاطع للكلام: أي كلام الناس عند الإمام، فعلم بهذا أن

(۱) (العرف الشذي حاشية جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء في كراهية الكلام والإمام يخطب: ۱/۱۱۹، سعيد)

(۲) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وإذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام، وقالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب، وإذا فرغ قبل أن يشتغل بالصلاة، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

لا خلاف بينهم في جواز غير الدنيوي على الأصح، ويحمل الكلام الوارد في الأثر على الدنيوي، و يشهد له ما أخرجه البخاري أن معاوية أجاب المؤذن بين يديه لما انتهى التأذين، وقال: يا أيها الناس إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على هذا المجلس أذن المؤذن يقول ما سمعتم من مقالتي، ملخص". طحطاوي على المراقي، ص: ٤٢٤ (١)۔

اور دوسرے مشائخ نے اس کے برعکس کلام کو ظاہر کے موافق مطلق رکھا ہے اور حاصلِ اختلاف یہ قرار دیا ہے کہ دنیاوی کلام بالاتفاق ناجائز ہے، اختلاف صرف دینی کلام یعنی تسبیح وتہلیل وغیرہ میں ہے، اس کو امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز، جیسا کہ درمختار میں مصرح ہے: "وقالا: لا بأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها وإذا جلس عند الثاني، والخلاف في كلام يتعلق بالآخرة، أما غيره فيكره إجماعاً الخ". درمختار على هامش الشامي، ص: ٥٨٦ (٢)۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب: "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام" کی شرح میں مشائخ حنفیہ مختلف ہیں، بعض حضرات اس کو کلام دنیوی کے ساتھ مخصوص ومقید فرماتے ہیں کما عند الطحاوي (٣) والنہایہ (٤) والعنایہ (٥) اور بعض حضرات ظاہر کے موافق اس کو مطلق کہتے ہیں کما عند الدر المختار۔

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٥١٨، قديمي)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٢٤٢، رشيدية)
(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، نفع المفتي والسائل: ٤/١٣٥، إدارة القرآن كراجي)
(٢) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٥٩، ١٦٠، سعيد)
(٣) (راجع رقم الحاشية: ١)
(٤) "ثم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى يكره الكلام حين يخرج الإمام للخطبة. وفي الجامع يريد به إذا صعد على المنبر . . . إلى أن يفرغ من الصلاة، وكذلك الصلاة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا بأس بأن يتكلم قبل الخطبة وبعدها ما لم يدخل الإمام في الصلاة . . . ثم اختلف المشايخ على قول أبي حنيفة رحمه الله عليه، قال بعضهم: إنما يكره الكلام الذي هو من كلام الناس، أما التسبيح وأشباهه فلا، وقال بعضهم: كل ذلك، والأول أصح". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة: ٢/٥٥، قديمي)
(٥) "ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته، يريد ما سوى التسبيح ونحوه على الأصح". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٦٧، مصطفى البابي، مصر)

اس اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا جائز ہے کہ نہیں، جو حضرات مباحث کو صرف کلام دنیوی کے ساتھ مقید کرتے ہیں وہ اجازت دیتے ہیں کما عند الطحطاوی: ۱/۸۸۸ (۱)، اور جو ظاہر کلام کے موافق رکھتے ہیں وہ منع کرتے ہیں کما فی الدرالمختار: "وینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب". در مختار علی هامش الشامی: ۱/۳۶۸ (۲)۔

وكما في حاشية البحر للشامي: "قال في النهر: أقول: ينبغي أن لا يجب باللسان اتفاقاً على قول الإمام في الأذان بين يدي الخطيب". منحة الخالق حاشية البحر: ۱/۲۵۹ (۳)۔

ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ "إذا خرج الإمام فلا صلوٰة ولا کلام" کو حکم سامعین پر منحصر رکھا جائے، امام کو اجازت اذان ثانی کی اجابت کی دی جائے جیسا حدیث معاویہ (۴) سے معلوم ہوتا ہے اور باقی قوم کو اس سے منع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۸ھ۔

## اذانِ خطبہ کا جواب

سوال [۳۸۴۸]: جمعہ کی دوسری اذان کے وقت جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے جواب اذان

---

(۱) "(فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها)". "(قوله: ولا كلام): أي من جنس كلام الناس، أما التسبيح ونحوه، فلا يكره، وهو الأصح، كما في النهاية والعناية، ومحل الخلاف قبل الشروع". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۳۴۴، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعيد)

(۳) (منحة الخالق بهامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۰، رشيديه)

(۴) "عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال: سمعت معاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالى عنه وهو جالس على المنبر أذن المؤذن، قال: الله أكبر الله أكبر، فقال معاوية: الله أكبر الله أكبر، فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاوية: وأنا، فقال: أشهد أن محمداً رسول الله، فقال معاوية: وأنا، فلما أن قضى التأذين، قال: يا أيها الناس! إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ما سمعتم مني مقالتي". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب: يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء: ۱/۱۲۵، قديمي)

اور جواب دعاء جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء منع فرماتے ہیں اور بعض جائز فرماتے ہیں، ہدایہ شریف میں حاشیہ پر عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ درمختار کا قول رد کرتے ہیں(۱)۔ آپ معتبر کتب فتویٰ عنایت فرمائیں کہ کونسا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وفي المجتبى: في ثمانية مواضع إذا سمع الأذان لا يجيب: في الصلوة واستماع خطبة الجمعة، الخ". البحر الرائق(۲)۔ "قال: وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب، الخ". درمختار(۳)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اذانِ خطبہ کا زبان سے جواب نہ دیا جائے۔

مولانا عبدالحی صاحب نے نفع المفتی والسائل میں ان عبارات سے اس مسئلہ کو اول لکھا ہے، اس کے بعد اس پر نظر تام کی ہے اور فرماتے ہیں: "قلت: فيه نظر، فإن المكروه عند ذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى هو الكلام الدنيوي، والإجابة كلام ديني، الخ"(٤)۔

---

(۱) "الحق: هذا لا يكره إجابة الأذان الثاني ودعاء الوسيلة بعده مالم يشرع الإمام في الخطبة كيف وقد ثبت ذلك من فعل معاوية رضي الله تعالى عنه في صحيح البخاري، فما في الدرالمختار في باب الأذان ينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب خطأ فاحش". (حاشية الهداية للكنوي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، (رقم الحاشية: ۸): ۱/۱۷۱، مكتبه شركت علمية، ملتان)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشيديه)

"ولا يجيب في الصلاة ولو جنازة، وخطبة، وسماعها، وتعلم العلم، وتعليمه، الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعيد)

"وينبغي أن يقال: لا تجب بمعنى بالقول بالإجماع للأذان بين يدي الخطيب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۴) (مجموعة رسائل اللكنوي، نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بالأذان والإقامة والإجابة: ۳/۴۷، إدارة القرآن كراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الوجه الرابع في إجابة الإقامة: ۲/۵۳، سہیل اکیڈمی لاہور)

یعنی اس سے کلام دنیوی کی ممانعت ہے اور جواب اذان کلام دنیوی نہیں بلکہ کلام دینی ہے لہٰذا جواب مکروہ نہیں ہونا چاہیے مگر یہ ان کی ذاتی رائے ہے، عام طور پر فقہاء نے جو مذہب حنفیہ کا نقل کیا ہے وہ وہی ہے جو اوپر بحر، طحطاوی، در مختار سے نقل کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/شعبان۔

## اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے بعد دعاء

سوال [۳۸۲۹]: جمعہ میں جو خطبہ کی اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا کیسا ہے؟ اور اذان خطبہ کے بعد دعاء پڑھنا کیسا ہے؟

فقط محمد جمال احمد گوراحت۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دل میں جواب دے اور دل ہی میں دعاء پڑھ لے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## ایضاً

سوال [۳۸۳۰]: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعاء پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبان سے نہ جواب دے نہ دعاء پڑھے، بلکہ دل سے جواب دے اور دل ہی سے دعاء پڑھے:

"وقال: وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً في الأذان بین یدي الخطیب. الخ". در مختار، ص: ۴۱۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً في الأذان بین یدي الخطیب". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعید)

"وینبغي أن یقال: لا تجب بمعنی بالقول بالإجماع للأذان بین یدي الخطیب". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قدیمي)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعید)

=

### • اذانِ خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

سوال [۳۸۰۱]: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں، خاص کر جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے، اس اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ اٹھانا اس موقع پر ثابت نہیں، جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے دل سے دعاء کرے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

### جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعاء

سوال [۳۸۰۲]: جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء کی ایک بڑی جماعت اجابتِ اذان باللسان کو واجب کہتی ہے: "ويجيب وجوباً، وقال الحلواني: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم، من سمع الأذان بأن يقول كما يقوله"۔ درمختار: ۱/۳۹۶ (۲)۔

---

- "في ثمانية مواضع إذا سمع الأذان لا يجيب: في الصلاة، واستماع خطبة الجمعة" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۳، رشيديه)

(۱) "قال في المعراج: فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه، لأنه مأمور بالسكوت" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في ساعة الإجابة يوم الجمعة: [illegible]، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، ۳۹۷، سعيد)

"يجب على السامع للأذان الإجابة ... وقال الحلواني: الإجابة بالقدم لا باللسان، حتى لو أجاب باللسان ولم يمش إلى المسجد لا يكون مجيباً" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۱، ۴۵۲، رشيديه)

لیکن جمعہ کی اذانِ ثانی کے جواب کو درمختار میں منع کیا ہے اور یہ ممانعت صاحبِ درمختار کے نزدیک بھی اتفاقی ہے: "قال: وینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب"

درمختار: ۱/۳۹۹ (۱)۔

اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا واجب ہے: "وهی فرض مرة واحدة فی العمر، واختلف فی وجوبها علی السامع والذاکر کلما ذکر صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، والمختار عند الطحاوی تکراره: أی الوجوب کلما ذکر ولو اتحد المجلس فی الأصح". درمختار: ۱/۳۷۷ (۲)۔

---

(۱) "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع المنادی: ۱/۸۶، قدیمی)

(و) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعید)

"فی الخانیة: ... إذا سمع الأذان لا یجیب فی الصلاة، ولا عند سماع خطبة الجمعة ..."

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشیدیه)

"وینبغی أن یقال: لا تجب بلسانه بالقول بالإجماع فی الأذان بین یدی الخطیب" (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع الخ: ۱/۵۱۷، ۵۱۸، سعید)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله وملائکته یصلون علی النبی، یا أیها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً﴾ (سورة الأحزاب: ۵۶)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "واجبة مرة فی العمر ککلمة التوحید ... وعلیه جمهور الأئمة منهم أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ ... تجب فی کل مجلس مرة وإن تکرر ذکره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ... وقیل: تجب کلما ذکر ... وبه قال جمع من الحنفیة، منهم الطحاوی". (روح المعانی: ۲۲/۸۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"وإن موجب الأمر فی الآیة إنما هو الافتراض فی العمر مرة؛ لأنه لا یقتضی التکرار، وهذا بلا خلاف، وإنما وقع الخلاف بین الطحاوی والکرخی فی وجوبها کلما سمع ذکره من غیره أو من نفسه=

لیکن حالتِ خطبہ میں اسم مبارک، بلکہ صیغۂ امر سن کر بھی یہ حکم نہیں ہے: "وكذلك إذا ذكر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر، بل بالقلب، وعليه الفتوى". رد المحتار: ۱/۸۵۷(۱)۔

"وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى قلبًا اعتبارًا لأمري الإنصات والصلوة عليه صلى الله تعالى عليه وسلم، كما في الكرماني والقهستاني قبيل باب الإمامة، واقتصر في الجوهرة على الأخير حيث قال: ولم ينطق به؛ لأنه إذا تدرك في غير هذا الحال والسامع يدرك الوقت". رد المحتار: ۱/۸۵۸(۲)۔

تشمیتِ عاطس اور ردِّ سلام کا حکم بھی اسی حالت میں متغیر ہو جاتا ہے(۳)۔

"إذا خرج الإمام من الحجرة إن كان، وإلا فقيامه للصعود، شرح المجمع – فلا صلوة ولا كلام ختام"(٤)۔

---

* "... فاختار الطحاوي تكرار الوجوب". (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۶، رشيديه)
مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیا: (تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۰۹، سہیل اکیڈمی)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، ۱۵۹، سعيد)

"ولا يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وقالا: يصلي السامع في نفسه". (كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، ۱۵۹، سعيد)

(۳) "ولا يجب تشميت ولا رد سلام، به يفتى". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"وأما المستمع فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، وينصت، ولا يتكلم، ولا يرد السلام، ولا يشمت العاطس". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۱/۵۹۳، رشيديه)

(۴) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وابن عمر رضي الله تعالى عنهما "كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، –

دوراذان منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، ایسی جزئیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دعا دل میں مانگ لی جائے زبان سے نہ مانگی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

## اذان ثانی اور خطبہ میں فصل

سوال [۳۸۰۳]: جمعہ کے دن خطبہ اور اذان ثانی میں فصل کی گنجائش ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطیب جب منبر پر بیٹھ جائے اس وقت اذان ثانی کہی جائے، اذان ختم ہونے پر خطیب کیلئے حکم ہے کہ خطبہ شروع کردے بلا وجہ تاخیر نہ کرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۱/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۱/ ۹۱ھ۔

## اذان بین یدی الخطیب کو دائیں یا بائیں ہٹ کر کہنا

سوال [۳۸۰۴]: جمعہ کی اذان ثانی اگر بین یدی الخطیب نہ ہو بلکہ ذرا دائیں یا بائیں ذرا سا ہٹ کر ہو تو خلاف سنت ہوگی یا نہیں؟ بصورت اولیٰ مکروہ تنزیہی، تحریمی یا حرام ہوگی یا کیا؟ اور یہ موذن کس درجہ کا خاطی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی اذان درست ہے، معمولی دائیں یا بائیں ہٹ کر ہونے سے بھی خلاف سنت نہیں اور مکروہ

---

= (رقم الحدیث: ۵۲۱۵، ۱/ ۴۸۳، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"وإذا خرج الإمام، فلا صلاة ولا كلام، لما رواه ابن أبي شيبة عن علي وابن عباس وابن عمر رضي الله تعالى عنهم الخ" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۷۴، رشيدية)

(۱) "(و) كذا الجلوس على المنبر قبل الشروع في الخطبة والأذان بين يديه جرى به التوارث كالإقامة بعد الخطبة (قوله بعد الأذان في الخطبتين)" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

لکن "لکونه بين يديه عام شامل لما كان في محاذاته، أو شيئاً منحرفاً إلى اليمين أو الشمال، أو يكون على الأرض أو الجدار، الخ". بذل المجهود: ۲/ ۱۸۰ (۱)۔ "إذا صلى الإمام على المنبر أذن ثانياً بين يديه: أي بين الجهتين المتساويتين ليمين المنبر أو الإمام ويساره قريباً منه، اهـ". جامع الرموز (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆



(۱) (بذل المجهود في حل أبي داود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۲/ ۱۸۰، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۷۳، رشيديه)

(۲) (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۶۸، مكتبه كريميه)

# الفصل السادس في وقت صلوة الجمعة

## (نماز جمعہ کے وقت کا بیان)

### جمعہ کی نماز اول وقت میں

سوال [۳۸۰۳]: تقریباً چالیس برس سے ہماری مسجد میں نماز جمعہ کا وقت ایک بجے اور خطبہ پونے دو بجے ہے، یہ مسجد شہر کے وسط میں ہے، حنفیہ مذہب کی مرکزی جامع مسجد تصور ہوتی ہے، کیونکہ پرانی جامع مسجد اہلحدیث حضرات کے انتظام میں ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خطبہ ڈیڑھ بجے ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ پونے دو بجے ہو، دو فریق بن گئے ہیں، وقت کی تبدیلی ہمیشہ سے امام صاحب کے ذمہ تھی۔ اب دو کسی کی بات نہیں اور کسی کی نہ مانیں، سوال یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کا افضل وقت کیا ہے، تاخیر مناسب ہے یا عجلت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، نمازیوں کی سہولت کے لئے اگر کچھ تاخیر ہوجائے تب بھی مضائقہ نہیں[1]۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس: ۱/۱۲۳، قديمي)

"وكان صلى الله تعالى عليه وسلم يبكر بصلوة الجمعة في أول وقت الزوال بخلاف الظهر، فقد كان يؤخره بعده حتى يجتمع الناس". (بذل المجهود في حل أبي داود، كتاب الصلاة، باب وقت =

## استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز نماز کا حکم

سوال [۳۸۰۴]: رمضان المبارک میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بروز جمعہ اذان نماز جمعہ سے قبل یعنی استواء اور زوال لوگ نوافل پڑھتے رہتے ہیں، کیا یہ نوافل پڑھنا درست ہے اور جمعہ کے دن ان کی اجازت ہے؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

عین استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر نوافل پڑھنا درست ہے بلا کراہت (۱)، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے، یہی راجح ہے، کذا فی الغنیۃ، ص: ۲۳۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

---

= الجمعة: ۱۴۹/۲، امدادیہ ملتان)

(و جمعة كظهر أصلاً و استحباباً) في الزمانين لأنها خلفه". (الدر المختار)

"(قوله: واستحباباً في الزمانين): أي الشتاء و الصيف ...... قيل: إنه مشروع؛ لأنها تؤدى في وقت الظهر و تقوم مقامه، و قال الجمهور: ليس بمشروع؛ لأنه تقام بجمع عظيم، فتأخيرها مفض إلى الحرج، ولا كذلك الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۳۶۷/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۲۴۹/۱، رشيديه)

(۱) "و روى عن أبي يوسف - رهي الرواية المشهورة عنه - أنه جوّز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة من غير كراهة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"(وكره تحريماً [illegible] (صلاة) مطلقاً (و لو) قضاءً أو واجبةً أو نفلاً [illegible] (مع شروق) [illegible] (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثاني". (رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۷۰/۱، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۲۴۵/۱، رشيديه)

(۲) "و لهما إطلاق النهي، و المحرّم مقدّمٌ على المبيح عند التعارض، و بهذا يجاب عن استدلال الشافعي على جواز القضاء اهـ". (الحلبي الكبير، فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۴)

## جمعہ کے دن زوال کا حکم

سوال[۳۸۴۷]: جمعہ کے دن سورج سر پر ہونے کے وقت نفل وغیرہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین استواء کے وقت کسی نماز فرض یا نفل کا شروع کرنا مکروہ ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے روز اس وقت نفل مکروہ نہیں:

"ويكره تحريماً مطلقاً ولو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً أو على جنازة وسجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء إلا يوم جمعة". در مختار، ص: ۲۸۴(۱)۔ "وروي عن أبي يوسف أنه جوز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة". كبيري، ص: ۲۳۵(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

= قول طرفین کے راجح ہونے کی تائید بظاہر عبارت مذکورہ ہی سے ہے، اس کے علاوہ کوئی صریح عبارت نہیں ملی، وجہ ترجیح یہ ہو سکتی ہے کہ امام ابو یوسف کی روایت مقدم ذکر کیا اور طرفین کی مؤخر، جیسے کہ صاحب ہدایہ کا عام معمول ہے، دوسری وجہ قاعدہ کا ذکر کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۱، سعيد)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالى عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۳۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وكره تحريماً ... صلاة مطلقاً (ولو) قضاءً أو واجبةً أو نفلاً ... (مع شروق) ... (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثاني". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۳۵، رشيديه)

## جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۲۸۴۸]: جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے، زوال کے وقت نہیں پڑھنا چاہیے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز ہے، حدیث دال ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت دوزخ شروع کی جاتی ہے(۱)، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ منع کرتے ہیں، لیکن فتویٰ امام ابی یوسف کے قول پر ہے، جمعہ کے علاوہ دیگر دنوں میں زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ دونوں مسئلوں میں حوالہ جات کا اندراج نہیں ہے۔ فتاویٰ دار العلوم اور قرآن میں تحقیق کی کیا شکل ہے؟ یہاں پر بعض حضرات منع بھی کرتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں، لہٰذا یہ چند سطریں تحریر ہیں، امید ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قول کتبِ فقہ درمختار(۲) وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک کو ماد لفتاویٰ میں لیا گیا ہے، دوسرے کو فتاویٰ

---

(۱) سائل نے جمعہ کے دن بوقتِ زوال دوزخ شروع ہونے کا لکھا ہے جب کہ حدیث میں اس کے خلاف ہے کہ اس میں جمعہ کے روز کا استثناء ہے: "عن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه كره الصلاة نصف النهار إلا يوم الجمعة، وقال: "إن جهنم تسجر إلا يوم الجمعة"". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال: ۱/۱۶۲، إمداديه ملتان)

(۲) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"(وكره) تحريماً (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً أو واجبةً أو نفلاً (مع شروق) ... (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثاني (أي أبي يوسف رحمه الله)". (كتاب الصلاة: ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۵، رشيديه)

"وروي عن أبي يوسف أنه جوّز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۷، سهيل اكيڈمی، لاهور)

دارالعلوم میں لیا گیا ہے۔ امداد الفتاوی سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا قول اوسع ہے اور فتاوی دارالعلوم کا قول احوط ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے ( )۔ جواب صحیح ہے۔ مزید تفصیل و تحلیل یہ ہے کہ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور زوال شمس یہ تین وقت کراہت کے ایسے ہیں کہ ان وقتوں میں نفل، غیر نفل کوئی نماز پڑھنی درست نہیں، بجز اس کے کہ عصر کی نماز باقی رہ گئی ہو اور پڑھتے پڑھتے آفتاب ڈوب جائے۔ اور دوسرے یہ کہ جمعہ کے دن زوال شمس کے وقت امام ابویوسف کے نزدیک تحیۃ الوضوء پڑھ سکتے ہیں (۲)۔ اور ان کراہت کے تین وقتوں کے علاوہ عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد غروب شمس سے پہلے اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، یہ دو وقت ایسے ہیں کہ ان میں صرف قضاء تو پڑھ سکتے ہیں مگر نفل وغیرہ واجب نہیں پڑھ سکتے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## زوال سے پہلے جمعہ کی اذان

سوال [۳۸۲۹] : آج کل یہ دستور ہے کہ جمعہ کی اذان ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے اور زوال کا وقت ۱۲ بجکر ۳۷ منٹ تک ہے اور اذان ہونے کے بعد لوگ سنت پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو کیا ساڑھے بارہ بجے اذان درست ہے اور زوال کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے؟ تو کیا جمعہ کیلئے اس کی رخصت ہے یا ممنوع ہے؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

---

- "ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۲، رشيديه)

(۱) (فتاوى دار العلوم ديوبند: ۲/۱۱۲، امداديه ملتان)

(۲) (راجع ص: ۳۴۱، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "(بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر) ولو المجموعة بعرفة (لا) يكره (قضاء فائتة و) لو وترا الخ".
(الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۵، سعيد)

"تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها لا الفرائض، ويجوز فيها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة ومنها: ما بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس، ومنها: ما بعد صلاة العصر قبل التغير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها وتكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

# الفصل السابع في النوافل يوم الجمعة

## (جمعہ کی نفلوں کا بیان)

### جمعہ کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟

سوال[۳۸۵۰]: جمعہ کے بعد کتنی سنت مؤکدہ ہیں؟ شامی کی چھوٹی چھوٹی کتب میں چار سنت مؤکدہ لکھی ہیں، لیکن شامی(۱) ہدایہ(۲)، عالمگیری(۳) نورالایضاح(۴) میں تو بعد جمعہ چار سنت مؤکدہ لکھی ہیں، صرف فتاوی قاضی خان(۵) اور کبیری(۶) میں چھ لکھی ہیں وہ بھی چھ رکعت کا قول صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً". (جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها: ۱/۱۱۷، سعيد)

"وسن مؤكداً (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة) الخ".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۲، سعيد)

(۲) "ويصلي قبلها أربعاً وفي رواية: ستاً: الأربع سنة وركعتان تحية المسجد وبعدها أربعاً أو ستاً على حسب الاختلاف في سنة الجمعة وسنتها أربع لها". (الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۲۳۰، شركة علمية، ملتان)

(۳) "و قبل الظهر والجمعة و بعدها أربع، كذا في المتون". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۲، رشيديه)

(۴) "(سن) سنة مؤكدة ........ و منها (أربع قبل الجمعة) ........ (و) منها: أربع (بعدها) بتسليمة".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب النوافل، ص: ۳۸۹، قديمي)

(۵) (لم أظفر عليه) لكن قال العلامة العثماني: "عن أبي عبد الرحمن السلمي ...... قال عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه يعلمنا أن نصلي أربع ركعات بعد الجمعة، حتى سمعنا قول علي: صلوا ستاً الخ. ذهب إليه أبو يوسف من أئمتنا أن السنة بعد الجمعة ست ركعات، الخ". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب النوافل والسنن: ۷/۱۲، إدارة القرآن، كراچي)

(۶) "(والسنة قبل الجمعة أربع، و بعدها أربع) ...... (وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى) السنة بعد =

تعالیٰ کا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ "چار سنت مؤکدہ ہیں اور دو رکعت سنت غیر مؤکدہ ہیں" (۱)۔ اسی طرح تمام کتب میں تطبیق ہو جائے، اس مسئلہ میں حضرت والا کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ارجح ہے (۲)، لیکن مفتی کفایت اللہ صاحب کی تطبیق اقرب ہے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

## محراب میں جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنا

سوال [۳۸۵۱]: خطیب کا خطبہ جمعہ سے پہلے محراب میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، طحطاوی ص: ۲۸۷ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

= الجمعة (ست) ركعات، وهو مروي عن علي رضي الله تعالى عنه، والأفضل أن يصلي أربعاً، ثم ركعتين للخروج عن الخلاف". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل: ۳۸۸، ۳۸۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) (تعليم الإسلام، حصه چهارم، سنت اور نفل نمازوں کا بیان: ۲۷، ۲۸، دار الاشاعت، كراچي)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۳، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "وتكره صلاته في المحراب قبل الخطبة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجمعة، ص: ۵۱۴، قديمي)

"وتكره صلاته في المحراب قبل الخطبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۰، سعيد)

# الفصل الثامن فی احتیاط الظہر

## (احتیاط الظہر کا بیان)

### احتیاط الظہر کی تفصیل

سوال[۲۸۵۲]: ملک بنگال میں بعض مقامات جن کی آبادی عموماً منتشر ہے اور چھوٹے چھوٹے موضعات پر مشتمل ہے جن کو قدیم زمانہ سے محققین علماء نے خود ان مواضع کو ملاحظہ فرمایا ہے مثلاً حکیم الامت وغیرہ نے، ان کی رائے یہی تھی کہ یہ مقامات قریہ کبیرہ نہیں ہیں، باوجود ان حالات کے عرصۂ دراز سے وہاں برابر جمعہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے، جمعہ کے فرادیٰ فرادیٰ ہر شخص چار رکعت بعد احتیاط الظہر پڑھتا ہے۔ چونکہ یہ عمل عرصۂ دراز سے جاری ہے اس لئے ہر شخص مطمئن ہو کر جمعہ کے ساتھ احتیاط الظہر پڑھ لیا کرتا ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے بعض مولوی حضرات نے یہ کہنا شروع کیا کہ احتیاط الظہر ممنوع اور بدعت سیئہ ہے اس لئے قطعاً بند کرنا چاہئے، اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں بعض علماء کی تحقیق اور بعض فقہی عبارات بھی پیش کیں جو آخرِ استفتاء میں ملاحظہ کے لئے منسلک ہیں۔

ان مقامات میں ان مولوی صاحبان کی اس نئی آواز سے ایک کھلبلی مچ گئی، عوام الناس شور وشغب کرنے لگے، بعض ایسے اہل علم بھی وہاں موجود تھے جو فتنہ سے ہمیشہ محترز رہے اور اپنے تحفظِ دین کے ساتھ جو دینی خدمت ان سے ممکن ہوتی تو اس کو انجام دیتے تھے۔ لوگوں نے انکی طرف رجوع کیا، انہوں نے فتویٰ دینے سے انکار کیا کہ یہ منصب اہل اللہ کا ہے، جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو انہوں نے نمبروار بہت سی فقہی عبارات نقل فرما کر ان عبارات سے جو احکام تفصیلیہ ہوتے تھے ان کو بھی نمبروار لکھ دیا اور یہ فرمایا کہ تم لوگ علماء کے پاس استفتاء بھیج کر صورتِ متنازعہ کے متعلق حکم محققین علمائے دین سے تحقیق کرلو، ان حضرات کا جو جواب ہو وہ اپنے عمل کے لئے متعین سمجھ لو۔

میں چونکہ اس منصب کا اہل نہیں اس لئے نہ کوئی متعین حکم دے سکتا ہوں نہ وہ معمول بہ بن سکتا ہے، میں صرف عبارات متعلقہ کو یکجا کر کے جو احکام تفصیلیہ مستفاد ہوتے تھے ان کو لکھ دیا ہے، ان مولوی صاحب کی بھی وہ مفصل عبارات فقہیہ اور نمبروار احکام جو ان سے مستفاد ہوتے ہیں، منسلک استفتاء ہیں۔ امید ہے کہ بعد

ملاحظہ فرمانے کے ورپر راحتیاط الظہر ان مقامات میں جو حکم شرع ہوا ہے مطلع فرمائیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس سے مسلمانوں کا نزاع وفتنہ ختم ہوجائے ورنہ صحیح حکم کی تبلیغ کا ثواب بہر حال مل جائے گا۔ فقط۔

خادم: نور الحسین سکان بیر بخش میاں پوسٹ دلم تحریر نگھور مشرقی پاکستان۔

مستفتی نے بہت سی عبارات فقہی اس جگہ تحریر کی ہیں جو بسبب طوالت کے نقل نہیں کی گئی، صرف حسب ذیل نقشہ جو احتیاط الظہر پڑھنے کے متعلق ہے جس میں چند خصوصیتیں درج ذیل ہیں۔

| حکم | مقام |
|---|---|
| ۱- صرف جمعہ کی نماز پڑھنی ہوگی | ۱- ایسی جگہ جس کا مصر یا فنائے مصر ہونا یقینی ہو اور سلطان یا نائب اس کا حاضر ہو ور نماز جمعہ بھی ایک ہی جگہ ہوتی ہو۔ |
| ۲- صرف ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔ | ۲- ایسی جگہ جس کا مصر نہ ہونا یقینی ہو یعنی وہ جگہ نہ تو مصر ہو نہ فنائے مصر۔ |
| ۳- ایسی جگہ اکثر فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور بعض نے واجب بھی فرمایا ہے ملاحظہ ہو عبارت فتح القدیر (۱) کبیری (۲) شامی (۳) فتاویٰ عالمگیری (۴)۔ | ۳- ایسی جگہ جس کے مصر ہونے میں شک ہو۔ |

(۱) "وإذا اشتبه على الإنسان ذلك، ينبغي أن يصلي أربعاً بعد الجمعة ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده بعد، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره، وإن صحت كانت نفلاً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۳، مصطفى البابي مصر)

(۲) "ينبغي أن يصلي أربع ركعات و ينوي بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي". (الحلبي الكبير، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيدمي لاهور)

(۳) "كل موضع وقع الشك في كونه مصراً ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعاً بنية الظهر احتياطاً الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۶، سعيد)

(۴) "ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة، ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

| | |
|---|---|
| ۴- ایسی جگہ جس کا مصر ہونا یقینی ہو مگر جمعہ کی نماز کئی جگہ ہوتی ہو۔ | ۴- ایسی جگہ پر اکثر فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کو مستحب فرمایا ہے اور بعض نے واجب بھی فرمایا ہے ملاحظہ ہو: فتح القدیر (۱) کبیری (۲) شامی (۳) فتاوی عالمگیری (۴)۔ |
| ۵- ایسی جگہ جس کا مصر ہونا یقینی ہو مگر سلطان یا نائب سلطان نہ ہو۔ | ۵- ایسی جگہ بھی بعض فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، مبسوط (۵) خواہر زادہ (۶) فتاوی عزیزی: ۱/۳۳۰،۲/۴ (۷)۔ |
| ۶- مندرجہ بالا جن مقامات میں آخر الظہر ہونے کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کسی جگہ یہ خوف ہو کہ آخر الظہر پڑھنے کی وجہ سے جاہلوں کا اعتقاد جمعہ کے نہ فرض ہونے کا ہو جائے گا۔ | ۶- ایسی جگہ بوجہ خوف فساد عقیدۂ عوام کو پڑھنے کا فتوی نہ دیا جائے گا اور خاص خاص جن لوگوں کا عقیدہ درست ہو گا اور خراب ہونے کا خوف نہیں ان کے لئے گھر میں پڑھنے کو معمول لکھا ہے مراقی الفلاح (۸) بحر الرائق (۹)۔ |

(۱) (راجع ، ص: ۳۴۷، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) (راجع ، ص: ۳۴۷، رقم الحاشیۃ: ۲)

(۳) (راجع ، ص: ۳۴۷، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۴) (راجع ، ص: ۳۴۷، رقم الحاشیۃ: ۴)

(۵) (لم أجده) (۶) (لم أجده)

(۷) "حکم ادائے نماز جمعہ در قریہ نزد حنفیہ مشروط بسلطان یا نائب سلطان است، متاخرین ایشان در عہد چنگیز یہ فتوی دادہ بودند تا آنکہ ہرگاہ از طرف کفار والی مسلمان در شہر متعین باشد بحکم سلطان دارد، اقامت جمعہ و اعیاد از وے صحیح است (از قول) پس این بالاجماع اتبع معدوم را قائم مقام تعیین سلطان ساختہ، و بعد ادائے چہار رکعت ظہر بس الاحتیاط ضرور است"

(فتاوی عزیزی، مسائل نماز وغیرہ: ۲/۸۹، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۸) "وليس الاحتياط في فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة بفعل الأربع. مفسدة اعتقاد عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها، ولا يفتى بالأربع إلا للخواص، ويكون فعلهم إياها في منازلهم" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۰۶، قديمي)

(۹) "أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً ..... ولأن الاحتياط هو العمل بأقوى -

جھگڑے شروع ہوجائیں گے، لہٰذا سب جگہ کیلئے ایک ہی حکم لگانا کتب فقہ کے خلاف اور اپنے حد سے تجاوز ہے، پس جس جگہ کے لئے جیسا حکم اور علماء کا ہو وہ پیروی کرنا چاہیے، اس کے خلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

نور الحسین۔

الجواب واللہ الموفق للصواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ احتیاط الظہر قرآن کریم، حدیث شریف، آثار صحابہ، اقوال ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، شرائط جمعہ کے متعلق اختلاف ائمہ کے باوجود عدم شرائط میں تردد کے باعث بعض مشائخ نے عملی طور پر براءت ذمہ کے لئے اس مسئلہ کو احتیاطاً بیان کیا تھا، پھر اسی وجہ اس پر عمل میں ترقی ہوئی کہ بعض جگہ احتیاط الظہر کا علی الاعلان عملاً التزام کیا گیا، بعض جگہ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، بعض جگہ اس کو واجب یا فرض اعتقاد کیا گیا، بعض جگہ اس کو جمعہ سے بھی بڑھا دیا گیا حتیٰ کہ جمعہ کو غیر ضروری بدرجہ نفل سمجھنے لگے، پھر اس پر تکرار ونزاع کی صورتیں پیدا ہونے لگیں، غرض! گاؤں گاؤں جھگڑے شروع ہوگئے، اس لئے بہت سے فقہاء نے اپنے قول سے رجوع کرکے ممانعت کا حکم دیا۔

مسئلہ مذکورہ میں وجود سلطان وعدم سلطان اور تعدد جمعہ کی تنقیح کامل طور پر ہوچکی ہے، لہٰذا یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں جن کی بنا پر احتیاط الظہر کا حکم دیا جائے، ندباً یا وجوباً۔ البتہ جس مقام کے مصر ہونے میں شک ہو اور زمانہ قدیم سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہو اور بند کرنے میں فتنہ ہو تو وہاں اسی طرح احتیاط الظہر مناسب ہے جس سے کوئی اعتقادی اور عملی مفسدہ پیدا نہ ہو، کتب فقہ کی عبارات خود سائل کے سامنے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/۶۸ھ۔

احتیاط کی جو صورتیں نقشہ کی صورت میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے مسئلہ متنازعہ فیہا میں کوئی صورت بھی نہیں پائی جاتی، اصل سوال بنگال کے چھوٹے گاؤں اور بستیوں کے متعلق ہے جن کو دیکھنے والا گاؤں بھی نہیں کہہ سکتا، جو گاؤں اس قسم کے ہیں ان میں جمعہ پڑھنا اور پھر احتیاط الظہر پڑھنا مذہب حنفی کی رو سے

---

(۱) (راجع، ص: ۳۴۸، رقم الحاشیۃ: ۸، ۹)

درست نہیں ہے(۱)۔ فقہاء کی جو عبارات کثیرہ استفتاء کے ساتھ ہیں وہ موجودہ سوال پر منطبق نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/۶۸ھ۔

## احتیاط الظہر کا حکم

سوال[۳۸۵۳]: ...بروز جمعہ بعد ادائے فریضہ چار رکعات نماز بہ نیت احتیاط الظہر کلکتہ یا اطراف کلکتہ یا کسی گاؤں جو کہ شہر کلکتہ سے ۲۰/میل کی مسافت پر واقع ہو اور وہاں اشیائے ضروریات بھی کثرت کے ساتھ دستیاب ہوتی ہوں تو ایسی جگہوں میں مذکورہ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ دیگر عرض خدمت یہ ہے کہ البحر الرائق کی عبارت ہے: "قد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، وهو الاحتياط في زماننا".(۲) اور دوسری جگہ صاحب بحر کا ایک مستحکم قول ہے: "الاحتياط في زماننا ترك احتياط الظهر أظهر من الشمس". ہے(۳) حالانکہ سائل کا جواب صاحب نفع

(۱) جمعہ پڑھ کر احتیاط ظہر کو وہاں اختیار کیا جاتا ہے جس گاؤں کے قریہ کبیرہ اور مصر ہونے میں شبہ ہو، اس کے برعکس جس گاؤں کے قریہ کبیرہ اور مصر نہ ہونے کا یقین ہو، جواز جمعہ کی شرائط میں سے کوئی شرط وہاں موجود نہ ہو تو وہاں ظہر پڑھنا ہی متعین ہے، دونوں کو جمع کرنا ضروری نہیں جیسا کہ صورت نمبر: ۲ کے حکم میں گزر چکا ہے اور عبارات سابقہ سے بھی یہی حکم مستفاد ہوتا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: "ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة، ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينووا بها الظهر الخ".

(كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيدية)

"وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب ... ... فإن المذهب ... عدم صحتها فضلاً عن لزومها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيدية)

(۳) لم أظفر بهذه العبارة في البحر، لكن في منحة الخالق هكذا: "وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر، فيظنون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن=

مگر فتح القدیر میں ہے "یستحب أن یصلی أربعاً ینوی بها آخر فرض أدرکت وقته، ولم أؤده بعد" (۱)۔ بہشتی زیور حصہ ۱۱ میں بھی ہے (۲)۔ ان عبارات متعارضہ کے درمیان کس کا قول زیادہ اقویٰ ہے اور اصح ہے؟ ارقام فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس امر پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ دیگر صلوۃ فرض کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح چاہے جہاں چاہے ادا کرلیا جائے، بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصیات ہیں جو کہ ظہر وغیرہ دوسری نمازوں کے لئے نہیں (۳)۔ اس کے بعد ان خصوصیات میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں، وہاں ظہر فرض ہے، بڑے گاؤں میں جو کہ آبادی اور ضروریات اور مردم شماری کے اعتبار سے قصبہ کے حکم میں ہو، وہاں جمعہ فرض اور

---

[illegible]

(۱) (فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۵۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "فائدہ: از محیط نقل کردہ اند کہ در هر موضعے کہ شک بود در شرائط جمعہ، اهالی آن موضع را باید کہ بعد از جمعہ چهار رکعت دیگر ادا کنند بہ نیت ظہر احتیاطاً، تا اگر جمعہ صحیح نیفتد از عہدۂ فرض وقت کہ ادائے ظہر است بیقین بیرون آیند"۔ (شرح سفر السعادۃ للشاہ عبد الحق المحدث الدہلوی، باب در نماز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل در خطبۂ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۲۰۲، مطبعہ منشی نولکشور)

(۳) "وأما شروطها فنوعان: شرائط صحة وشرائط وجوب، فالأول ستة كما ذكره المصنف: المصر والسلطان والوقت والخطبة والجماعة والإذن العام، والثاني ستة أيضاً كما سيأتي، وشروط وجوبها: الإقامة والذكورة والصحة والحرية وسلامة العينين والرجلين" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۱، ۲۴۳، رشیدیہ)

"شرائط لزوم الجمعة اثنتا عشر: ستة في نفس المصلي، وهي الحرية والذكورة والإقامة والصحة وسلامة الرجلين والبصر، وقال: على الأعمى إذا وجد قائداً، وستة في غير نفس المصلي، وهي المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والإظهار" (التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۴۸، رشیدیہ)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

اس کا ادا کرنا درست ہے، اس میں کوئی شک کرنا اور احتیاط الظہر پڑھنا گویا ایک یقینی چیز میں شبہ اور تردد کرنا ہے جو کہ بے دلیل ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب متعین کرنے کے متعلق متقدمین میں اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ ایک شہر میں ایک جگہ جمعہ ہونا چاہیے یا متعدد جگہ بھی جائز ہے، اس اختلاف کی بنا پر بعض علماء نے احتیاط الظہر کا حکم دیا تھا کہ تعدد جمعہ نادرست ہو تو صرف پہلا جمعہ ادا ہوگا اور بعد والوں کا فریضہ باقی رہ جائے گا تو وہ لوگ احتیاط الظہر ادا کرلیں لیکن اس میں مفسدہ پیدا ہوا کہ ناواقف لوگوں نے یہ سمجھا کہ جمعہ فرض ہی نہیں، اس مفسدہ کو روکنے کے لئے احتیاط الظہر کو عامۃً منع کردیا اور خواص اہل علم اور تقویٰ کو گنجائش دی گئی کہ وہ خفیہ طور پر اپنے مکانات میں جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھیں اور "آخر ظهر أدركته ولم يسقط عني بعد" کی نیت کرلیا کریں۔

"ثم على قول أبي يوسف رحمه الله تعالى لو حدثت فالجمعة لمن سبق، واختلفوا في تفسيرهم: يعتبر السبق بالشروع، والصحيح أنه بالافتتاح، فإن صلوا معاً واشتبه الأمر فسدت صلوة الكل. وذكر في فتح القدير: والأفضل هو الجامع الواحد، وذلك للخروج من الخلاف، والخروج عن العهدة بيقين، وعلى هذا وعن الاختلاف في المصر قالوا: كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة، ينبغي أن يصلي أربع ركعات، وينوي بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها، يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي.

قال في [illegible]: الجمعة هذا في القرى الكبيرة، وأما البلاد فلا شك في الجواز ولا تعاد الظهر بعده. قال: والاحتياط في القرى أن يصلي السنة أربعاً، ثم الجمعة، ثم ينوي سنة الجمعة أربعاً، ثم يصلي الظهر، ثم ركعتين سنة الوقت، هذا هو الصحيح المختار، فإن صحت الجمعة فقد أدى سنتها على وجهها، وإلا فقد صلى الظهر مع سنته. قال: وقول الناس يصلي الظهر بنية آخر ظهر أو بنية أقرب صلوة ظهر عليه لا أصل له في الروايات، والشك في جواز الجمعة في البلاد والقصبات انتهى. وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصراً أولا، وأما من حيث جواز التعدد وعدمه فالأولى هو الاحتياط، لأن الخلاف فيه قوي، إذ الجمعة جامعة للجماعات، ولم يكن

في زمن السلف تصلى إلا في موضع واحد من المصر، وكون الصحيح جواز تعدد للضرورة للفتوى لا يمنع شرعية الاحتياط للتقوى.

وذكر في فتاوى: هو ينبغي أن يقرأ الفاتحة والسورة في الأربع التي تصلى بعد الجمعة بنية الظهر في ديارنا، فإن وقع فرضاً فقراءة السورة لا تضر، وإن وقع نفلاً فقراءة السورة واجبة. انتهى. والأحسن في نيته أن ينوي: "آخر ظهر أدركت وقته ولم يسقط عني بعد" حتى إن صحت الجمعة وكان عليه ظهر يسقط عنه، وإلا فنفل". غنية المستملي، ص: ٥٥٢(١).

پھر یہ اختلاف مرتفع ہوکر جوازِ تعدد کو علی الاطلاق مذہب قرار دیا گیا تو اب ان چار رکعت پڑھنے کی احتیاط الظہر کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی:

"وتؤدى في مصر واحد في مواضع: أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى، وهو الأصح ... وذكر الإمام السرخسي رحمه الله تعالى أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى جواز إقامتها في مصر واحد انتهى. ١٢٠/٢"(٢).

وفي فتح القدير: "الأصح الجواز مطلقاً"(٣)، وذكر في باب الإمامة: "أن الفتوى على جواز التعدد مطلقاً" ٢٤٧/١"(٤).

---

(١) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ٥٥٢، سهيل اكيدمي لاهور)

(٢) (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٢٠/٢، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ٢٤٩/٢، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٥٣/٢، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(٣) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٥٣/٢، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(٤) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٣٤٥/١، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

"وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوى".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٤٤/٢، ١٤٥، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١٤٥/١، رشيديه)

وبما ذكرناه اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين، ولا يجوز في أكثر من ذلك، وعليه الاعتماد اهـ. فإن المذهب الجواز مطلقاً. وإذا علمت ذلك فما في القنية: (من مسألة احتياط الظهر) مبني كله على القول الضعيف المخالف للمذهب، فليس الاحتياط في فعلها؛ لأنه العمل بأقوى الدليلين، وقد علمت أن مقتضى الدليل هو الإطلاق، ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد، بل قضية الضرورة عدم اشتراطه، وقد قال الله تعالى: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ وقال الله تعالى: ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ اهـ، مع ما نشأ من فعلها في زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلوة الظهر، فيظنون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها. وعلى تقدير فعلها ممن لا يخاف عليه مفسدة منها، فالأولى أن تكون في بيته خفية خوفاً من مفسدة فعلها، والله سبحانه الموفق للصواب" اهـ. بحر: ٢/١٥٥" (١)۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکب الانہر ۱/۲۴۸ میں لکھا ہے: "و تفسد بالتسمية والاشتباه، فيصلي بعدها أربعاً بنية آخر ظهر أدركت وقته ولم يصله بعد" وكل ذلك مبني على المرجوح، فلا يعول عليه" (۲)۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح میں تحریر کیا ہے: "و ليس الاحتياط في فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة، وفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها، ولا يفتى بالأربع إلا للخواص، ويكون فعلهم إياها في منازلهم" اهـ" (۳)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۵، ۲۵۶، رشيديه)

(۲) (سكب الأنهر المعروف بالدر المنتقى شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر، باب الجمعة: ۱/۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۴، قديمي)

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: "و ظاہر از اطلاقِ عبارتِ فقہاء آنست کہ احتیاج باین تقییدات نیست، بلکہ نیت صلوٰۃ ظہر رفت کند، چنانچہ در سائر ایام میکنند چہ اگر جمعہ صحیح نیست این فرض باقی است بہ یقین، والا تطوع بہ نیت فرض صحیح است۔ وصحیح آنست کہ جمعہ صحیح است اگر چہ سلطان جائر باشد، و تنفیذ جمیع احکام بالفعل صورت نہ بندد، و ذکر جمیع ہذہ المسائل فی سفر الہدیٰ" (۱)۔

عزیز الفتاویٰ: ۱/۲۰۲۹،۲۷۶ (۲) فتاویٰ رشیدیہ: ۱/۲۰۲۸،۲۰۳۱،۲۰۵۰،۳۶ (۳) میں اس احتیاط الظہر کو ناپسند اور بدعت اور قابلِ ترک لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

= "نعم إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهرة، والكلام عند عدمها، ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص و لو بالنسبة إليهم، والله تعالى أعلم". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

(۱) (لم أظفر عليه)

(۲) (فتاوی دار العلوم دیوبند یعني عزیز الفتاوی، تالیف حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمه الله تعالی، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۸۲، ۲۸۳، دار الإشاعت کراچی)

(۳) (تالیفات رشیدیه مع فتاوی رشیدیه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعیدین، ص: ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹، إدارہ إسلامیات لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاوی، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعیدین، احتیاط الظہر کی تحقیق: ۴/۱۲۸، سعید)

# الفصل التاسع في النظافة يوم الجمعة

## (جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

### شبِ جمعہ میں غسل کرنے سے مسنون غسل ہوجائے گا یا نہیں؟

سوال [۳۸۵۴]: اگر کوئی شخص غسل جمعہ اور غسل عید شب میں کرلے تو کافی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شبِ جمعہ اور شبِ عیدین میں غسل کرلیا جائے تب بھی کافی ہے کہ اصل مقصود قطعِ رائحہ حاصل ہے، کذا فی مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

### جمعہ کے روز حجامت

سوال [۳۸۵۵]: روزِ جمعہ قبل نمازِ جمعہ حجامت ساختن چہ حکم دارد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایں طریقہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم است: "كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقص شاربه، ويقلم أظفاره يوم الجمعة قبل أن يروح إلى الصلوة، أخرجه البيهقي". ردالمحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ربیع الاول/۵۶ھ۔

---

(۱) "وفي معراج الدراية: لو اغتسل يوم الخميس أو ليلة الجمعة استن بالسنة لحصول المقصود، وهو قطع الرائحة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل: يسن الاغتسال لأربعة أشياء، ص: ۱۰۵، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۵، سعيد)

میں نماز سے قبل ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے اور طحطاوی میں اسی کو افضل لکھا ہے اور بعد نماز کی فضیلت کو رد کیا ہے اور مشائخ کا معمول بھی یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وظاهر الأحاديث يدل على أن القلم قبل الصلاة، لما في بعض الكتب أنه بعدها ليشهد بالصلاة لا يعول عليه؛ لأنه تعليل في مقابلة النص" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۲۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يقلم أظفاره ويقص شاربه يوم الجمعة قبل أن يخرج إلى الصلاة". وأخرج البزار والطبراني في الأوسط والبيهقي في شعب الإيمان بسند حسن". (الدر المنثور تحت آية: ﴿وإذ ابتلى إبراهيم ربه﴾ الآية: ۱/۲۱۱، مؤسسة الرسالة)

# فصل فی المتفرقات

## جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا

سوال[۳۸۵۷]: مقتدیوں کو نماز جمعہ کیلئے خطبہ کے ختم ہوتے ہی کھڑا ہوجانا چاہیے یا امام کے مصلیٰ پر جانے اور مکبر کے تکبیر کہنے کا انتظار کیا جائے، طریقہ مسنون کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر "حی علی الفلاح" کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہیے(۱) لیکن احادیث میں صفوف سیدھا کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے(۲) اور عام طور پر

---

(۱) "إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد، فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ: ۱/۵۷، رشيديه)

"(والقيام حين حي على الفلاح)؛ لأنه أمر به، فيستحب المسارعة إليه. أطلقه فشمل الإمام والمأموم إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام، وهو الأظهر الخ".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۳۱، مكتبه رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من وصل صفاً وصله الله، ومن قطع قطعه الله عزوجل". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب من وصل صفاً: ۱/۱۳۰، قديمي)

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يسوّي صفوفنا، فخرج يوماً فرأى رجلاً خارجاً صدره عن القوم، فقال: "لتسوُّن صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في إقامة الصفوف: ۱/۵۳، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (جواہر الفقہ، اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں: ۱/۲۰۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

لوگ مسائل سے ناآشنا ہیں اس لئے تکبیر شروع ہونے سے پیشتر ہی جبکہ خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیا کریں تاکہ تکبیر بھی سب سکون سے سن سکے اور اس وقت کسی کو شورش نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ربیع الاول/۵۶ھ۔

## ہر جمعہ کو سورۂ کہف کا ورد

سوال [۳۸۵۸]: ایک مولوی صاحب نے اپنے وعظ میں بیان فرمایا (اجمیر میں) کہ جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا دن تھا ۱۰/محرم بروز جمعہ اس دن بھی آپ سورۂ کہف تلاوت فرمارہے تھے، آپ نے قاتل سے کہا بھی کہ سورۂ کہف پڑھنے اور نماز جمعہ تک کی مہلت دے دو۔ یہ کہاں تک درست ہے کیا آپ ہر جمعہ کو سورۂ کہف تلاوت فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تو معلوم نہیں کیا تھا، ہاں! حدیث شریف میں جمعہ کے روز سورۂ کہف کی فضیلت بہت آئی ہے، كذا في المشكوة باب فضائل القرآن (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

## دورانِ ڈیوٹی نمازِ جمعہ پڑھنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال [۳۸۵۹]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے، اس ڈیوٹی میں باقاعدہ نماز کے لئے جانا ہوتا ہے، اس سے میری ڈیوٹی میں حرج واقع نہیں ہوتا مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ڈیوٹی میں غیر حاضر رہتا ہوں، تو کیا مجھے نمازِ جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

---

= (وأحسن الفتاوى، رسالة إرشاد الأنام بجواب زيادة الأرحام: ۴/۲۹۹، سعيد)

(۱) "وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة، أضاء له النور ما بين الجمعتين" (مشكوة المصابيح، كتاب فضائل القرآن: ۱/۱۸۹، قديمي)

قال الحافظ عماد الدين بن كثير رحمه الله تعالىٰ: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة، فهو معصوم إلى ثمانية أيام من كل فتنة، وإن خرج الدجال عصم".

(تفسير ابن كثير: ۳/۷۰، ۷۱، سهيل أكيدمي، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جمعہ جب وقت پر ادا کرتے ہیں تو اس کا ثواب ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور ملے گا، دوسری کوتاہیوں جو اور آدمیوں میں موجود ہیں ان کی وجہ سے نماز کا ثواب ضائع نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## نئی مسجد میں جمعہ اور جمعہ کی تعطیل کو اتوار سے بدلنا

سوال [۲۸۱۰]: ایک شہر میں مدت کے بعد ایک مسجد اعلاء عمدہ میں تعمیر ہوئی ہے جس کی وجہ سے تعطیل جمعہ کو اتوار سے بدل دیا گیا ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کون سے دن تعطیل اختیار کی جائے کہ شہر میں اتفاق ہو سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتوار کے دن تعطیل کرنے میں تشبہ ہے غیروں کے ساتھ، دینی مدرسہ میں اس کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے (۲)۔ نئی مسجد میں مستقل جمعہ قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے، شرعاً یہ طریقہ ناپسند ہے کہ ہر مسجد میں جمعہ کیا جائے، اس سے شوکتِ اسلام ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے، جامع مسجد میں جمعہ ادا کرنے میں شوکتِ اسلام کا زیادہ ظہور ہے، اگر چہ ادا ہو جاتا ہے دوسری مسجد میں بھی، لیکن وہ شان باقی نہیں رہتی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ لا یضیع أجر المحسنین﴾ (سورۃ التوبۃ، پ: ۱۱، آیۃ: ۱۲۰)

"عن أبی ہریرۃ — رضی اللہ تعالیٰ عنہ — قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتی الجمعۃ"، قال: "فاستمع وأنصت، غفر لہ ما بین الجمعۃ إلی الجمعۃ وزیادۃ ثلاثۃ أیام، ومن مس الحصی فقد لغا". (سنن أبی داؤد، باب فضل الجمعۃ: ۱/۱۵۷، مکتبہ امدادیہ)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فہو منہم".

(سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الأقبیۃ: ۲/۲۰۳، مکتبہ امدادیہ)

(۳) "الخاصۃ الثالثۃ: صلاۃ الجمعۃ التی ہی من آکد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمین، وہی أعظم من کل مجمع یجتمعون فیہ وأفرضہ سوی مجمع عرفۃ، ومن ترکہا تہاوناً بہا، طبع اللہ علی قلبہ. وقرب أہل الجنۃ یوم القیامۃ وسبقہم إلی الزیادۃ یوم المزید بحسب قربہم من الإمام یوم الجمعۃ وتبکیرہم". (زاد المعاد لابن قیم الجوزیۃ، فصل: ہدیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تعظیم یوم الجمعۃ، ص: ۱۳۱، دار الفکر، بیروت)

## جو شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے اسی کو امام جمعہ کے لئے تجویز کیا جائے

سوال [۳۸۰۱]: دو مسجدوں کے اماموں میں ایک امام روزانہ پنجوقتہ نماز پڑھتا ہے، صبح کی نماز نہیں پڑھتا، فقط جمعہ پڑھتا ہے، دوسرا امام باقاعدہ پنجگانہ نماز کا پابند ہے، اب دونوں اماموں میں نماز جمعہ کے لئے کس کا انتخاب کیا جائے، کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص پانچوں نمازوں کو وقت پر ادا کرتا ہے اور اس میں امامت کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں اس کو ہی امام جمعہ تجویز کیا جائے اور جو نماز قضاء کرنے کا عادی ہے اگرچہ ایک ہی وقت کی قضاء کرتا ہو اس کو امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

---

- «(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب». (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

«قوله: (وتؤدی فی مصر فی مواضع): أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فی منع الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجاً بیّناً، وهو مدفوع». (البحر الرائق، باب الجمعة: ۲/۲۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۱) «(والأحق بالإمامة) تقدیماً بل نصباً مجمع الأنهر – (الأعلم بأحکام الصلاة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقیل: واجب، وقیل: سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجویداً (للقراءة، ثم الأورع): أی الأکثر اتقاء للشبهات، والتقوی: اتقاء المحرمات الخ». (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

«فإن تساووا فأقرؤهم: أی أعلمهم بعلم القراءة، یقف فی موضع الوقف، ویصل فی موضع الوصل، ونحو ذلک من التشدید والتخفیف وغیرهما، کذا فی الکفایة. فإن تساووا فأورعهم اهـ». (الفتاوی العالمکیریة، الباب الخامس فی الإمامة: ۱/۸۳، رشیدیه)

«(قوله: فأورعهم) الورع: اجتناب الشبهات، والتقوی: اجتناب المحرمات. وروی الحاکم –

## متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اور کو آگے بڑھانا

سوال [۲۸۶۲]: بموجودگی مستقل امام صاحب جن میں تمام خوبیاں موجود ہیں: حافظ، قاری، عالم، حاجی وغیرہ، ایک خوش الحان آٹھ پاروں کا طالب علم سولہ سالہ متولی مسجد کی رائے سے امام صاحب کو رکی اطلاع دی گئی کہ آج فرزند متولی صاحب یعنی خوش الحان آٹھ پاروں کا حافظ نماز پڑھائے گا۔ نماز پڑھائی گئی اور امام صاحب نے اجازت نہیں دی، دوران کا یہی کہنا ہے کہ کیا جمعہ ادا ہو گیا کہ نہیں اور اقتداء درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، امام صاحب خود پیش کش کرتے تو دوسری بات تھی، امامت اس حالت میں مستقل امام مذکور ہی کی مقدم تھی، تاہم اقتداء صحیح ہو کر صورت مسئولہ میں نماز درست ہو گئی (۱)، اب اس قصے کو ختم کیا جائے، آئندہ احتیاط کی جائے، بات کو زیادہ نہ بڑھایا جائے ورنہ اس سے خلفشار پیدا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۷ھ۔

---

ـه عنه صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم". (فتح القدير، باب الإمامة: ۱/۳۰۹، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۱) "عن أبي مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواءً فأقدمهم في الهجرة ...... ولا يؤم الرجل في سلطانه، ولا تقعد على تكرمته إلا أن يأذن لك". (سنن النسائي، كتاب الإمامة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۱۲۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

قال العلامة النووي رحمه الله تعالى في شرحه على مسلم تحت قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه": معناه ما ذكره أصحابنا وغيرهم أن صاحب البيت والمجالس وإمام المسجد أحق من غيره وإن كان ذلك الغير أفقه وأقرأ وأورع وأفضل منه. وصاحب المكان أحق فإن شاء تقدم، وإن شاء قدم من يريده اهـ". (الكامل للنووي، باب من أحق الإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

"واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً".

(الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

## نمازِ جمعہ کی نیت

سوال[۳۸۹۳]: نمازِ جمعہ کی نیت کیا اس طرح سے ہے کہ "نیت کرتا ہوں میں چار رکعت سنت جمعہ" اور اسی طرح فرض کی نیت کی اور پھر بعد فرض نماز کے اسی طرح سے نیت ہے کہ "نیت کرتا ہوں چار رکعت سنت بعد از جمعہ اور دو رکعت سنت" اور نفل کی بھی اسی طرح سے نیت کرتا ہے۔ تو کیا یہ دونوں صورتوں میں نیت ٹھیک ہے کہ نہیں؟ صحیح طریقہ کیا ہے، کس طرح جمعہ کی نیت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ فرض ہے(۱)، اس میں سنت کی نیت نہ کرے، ہاں! جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد سنت میں نیت سنت کی طرح کرے کہ یہ پہلے کی سنت ہے، اور یہ بعد کی سنت ہے، چار میں چار کی اور دو میں دو کی نیت کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(هي فرض) عين (يكفر جاحدها) لثبوتها بالدليل القطعي". (الدر المختار) "(قوله بالدليل القطعي) وهو قوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا﴾ الآية. وبالسنة والإجماع". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۶، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، صلاة الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيديه)

(۲) "(ولا بد من التعيين عند النية) فلو جهل الفرضية، لم يجز ... (لفرض) أنه ظهر أو عصر قرنه باليوم أو الوقت أولاً، هو الأصح (ولو) الفرض (قضاء) ... (وواجب) ... (دون) تعيين (عدد ركعاته)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۸، ۴۲۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۸۹، رشيديه)

"(وكفى مطلق نية الصلوة) وإن لم يقل لله (لنفل وسنة) راتبة (وتراويح) على المعتمد، إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۷، ۴۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۸۳، رشيديه)

۲... اگر نہیں پڑھی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے، کیسے نماز ہو؟ کوئی عبارت نہیں ہے جس میں نماز نہ ہوسکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوال آفتاب کے بعد نماز عیدین درست نہیں (۱)۔ مجبوری کی حالت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہوسکے تو تیسرے دن پڑھی جائے: "وابتداء وقت صحة صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبيل زوالها ....... وتؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال، وكالمطر ونحوه، إلى الغد فقط ............ وتؤخر صلوة عيد الأضحى بعذر...... إلى ثلاثة أيام، اهـ". طحطاوی ومراقی الفلاح (۲)۔

۲... نمبر ۱ میں جواب آگیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔



## جو شخص قربانی نہ کرے، اس کے لئے نماز عید کا حکم

سوال[۲۸۰۶]: زید کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی موجود تھی، مگر جب قربانی کا وقت آیا تو اس کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا اور گھر میں کوئی بکرا تھا اس وجہ سے قربانی نہیں کی، اس حالت میں زید عیدگاہ میں

(۱) "ووقت صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين إلى قبيل زوالها". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۵۳۲، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۰، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۰۰، كتاب الصلوة، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين، نوع آخر في بيان وقتها، غفاريه)

(۲) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۳۸، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين، قديمي)

نماز پڑھنے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید کی نماز کا حکم مستقل ہے(۱) قربانی کا حکم مستقل ہے(۲) اگر کوئی شخص باوجود وسعت کے قربانی نہ کرے تو اس کے ذمہ واجب باقی رہ گیا جس کے ترک سے وہ گنہگار ہوا اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہوگا، مگر اس کی وجہ سے نماز عید ساقط نہیں ہوتی (۳) اور نہ اس کو عیدگاہ جانے سے روکا جائے گا اور نماز عید سے پیچھے تو

---

(۱) "عن الربیع: {فصل لربک وانحر} قال: إذا صلیت یوم الأضحی فانحر". قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "قلت: في هذه الآثار دلالة علی أن المراد بقوله تعالیٰ: {فصل لربک وانحر} صلاة العید یوم النحر، فدل علی وجوبها". (إعلاء السنن، أبواب العیدین، باب وجوب صلاة العیدین: ۸/۲۴۰، إدارة القرآن کراچی)

"أما الأول فقد نص الکرخي علی الوجوب فقال: وتجب صلاة العیدین علی أهل الأمصار کما تجب الجمعة، وهکذا روی الحسن عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه تجب صلاة العیدین علی من تجب علیه صلاة الجمعة". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما صلاة العیدین: ۱/۶۱۹، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۶۶، سعید)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من کان له سعة ولم یضح، فلا یقربن مصلانا". قال العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالیٰ: "أقول: واحتج به لأبي حنیفة علی قوله بوجوب الأضحیة". (إعلاء السنن، کتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحیة: ۱۷/۲۱۵، إدارة القرآن، کراچی)

"(فتجب) التضحیة ... علی حر مسلم مقیم بمصر ... موسر". (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۱۲-۳۱۵، سعید)

(۳) "(ولو) ترکت التضحیة و (مضت أیامها تصدق بها حیة ناذر) فاعل تصدق (لمعینة) ولو ... وتصدق موسر بقیمتها شراها أو لا، لتعلقها بذمته بشرائها أو لا، فالمراد بالقیمة قیمة شاة تجزئ فیها". (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۰، ۳۲۱، سعید)

(وکذا في إعلاء السنن، کتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحیة: ۱۷/۲۱۴، إدارة القرآن، کراچی)

قربانی واجب بھی نہیں، اس لئے اس وقت تو اس کا سوال ہی بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

## جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے اس کے لئے نماز عید کا حکم

سوال [۳۸۰۰]: جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے وہ نماز عید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ گناہگار ہے(۲)، تاہم عید کی نماز اس کی بھی درست ہو

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من ذبح قبل الصلوة فليعد، ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "أقول: أحاديث الباب دالة على أن ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار بعد الصلوة؛ لأن الخطاب ليس بعام بل لأهل المدينة فقط". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار: ۱۷/۲۲۴، إدارة القرآن، كراچی)

"(وأول وقتها بعد الصلوة إن ذبح في مصر)". (الدر المختار). "قوله: (وأول وقتها بعد الصلوة الخ) فيه تسامح، إذ التضحية لا يختلف وقتها بالمصري وغيره، بل شرطها، فأول وقتها في حق المصري والقروي طلوع الفجر، إلا أنه شرط للمصري تقديم الصلوة عليها، فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۸، سعيد)

(۲) "عن بريدة رضي الله تعالى عنه: "إن العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة: ۱/۸۱، قديمي)

"عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالى عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۱/۶۱، قديمي)

جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۸۹ھ۔

## نمازِ عید بہ نیت نفل

سوال[۳۸۶۸]: عید کی نماز میں ہم لوگ نفلوں کا نام لیتے ہیں اور ہمیشہ سے نفلوں کا نام لیتے چلے آرہے ہیں، نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ واجب کیا چیز ہے، صرف واجب کا نام آتا ہے نہ نفل، نہ فرض، نہ سنت؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید کی نماز واجب ہے (۲) لہٰذا آئندہ بہ نیت واجب پڑھنا چاہیے (۳) اور گزشتہ عید کی نمازوں کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واجب کا درجہ سنت سے زیادہ ہے اور فرض سے کم ہوتا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) چونکہ نمازِ عید کا حکم مستقل ہے اور نمازِ فجر کا حکم مستقل ہے، لہٰذا نمازِ فجر نہ پڑھنے کی وجہ سے نمازِ عید ساقط نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

"وأما الأول فقد نص الكرخي على الوجوب فقال: وتجب صلاة العيدين على أهل الأمصار كما تجب الجمعة، وهكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى عليهما أنه تجب صلاة العيدين على من تجب عليه صلاة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما صلاة العيدين: ۱/۱۹۱، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله في الأصح) مقابلة القول بأنها سنة و صححه النسفي في المنافع، لكن الأول قول الأكثرين .... وفي الخلاصة: هو المختار؛ لأنه صلى الله تعالى عليه وسلم واظب عليها، وسماها في الجامع الصغير سنة، لأن وجوبها ثبت بالسنة". (كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(۲) "عن الربيع ﴿فصل لربك وانحر﴾ قال: إذا صليت يوم الأضحى فانحر". قال الشيخ ظفر أحمد –

— العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: في هذه الآثار دلالة على أن المراد بقوله تعالىٰ: ﴿فصل لربك وانحر﴾ صلاة العيد يوم النحر والذبح بعدها". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸/۸۲، إدارة القرآن كراچی)

"أما الأول فقد نص الكرخي على الوجوب فقال: وتجب صلاة العيدين على أهل الأمصار كما تجب الجمعة، وهكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه تجب صلاة العيدين على من تجب عليه صلاة الجمعة". (بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الصلاة، فصل: وأما صلاة العيدين ۱/۶۰۶، رشيدية)

"(تجب صلاتهما) في الأصح". (الدر المختار) وفي رد المحتار: "(قوله: في الأصح) مقابله القول بأنها سنة، وصححه النسفي في المنافع، لكن الأول قول الأكثرين. ... وفي الخلاصة: هو المختار؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واظب عليها، وسماه في الجامع الصغير سنة؛ لأن وجوبها ثبت بالسنة الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۴، رشيدية)

(۲) "ولا بد من التعيين عند النية ... (لفرض) ... (وواجب) أنه وتر أو نذر". (الدر المختار)

"(قوله: وواجب) بالجر عطفاً على قوله: لفرض — وقد علمت في البحر فقال: ما أفسده من النفل أو العيدين الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۸، سعيد)

"والنذر والوتر وصلاة العيدين وركعتي الطواف، فلا بد من التعيين لإسقاط الواجب عنه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۹۳، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الكلام في النية: ۱/۳۳۰، رشيدية)

(۳) وفي رد المحتار: "ومنه علم أن الواجب نوعان أيضاً؛ لأنه كما يطلق على هذا الفرض العملي القطعي يطلق على ما هو دونه في العمل وفوق السنة، وهو ما لا يفوت الجواز بفوته كقراءة الفاتحة وقنوت الوتر وتكبيرات العيدين الخ". (كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في واجبات الصلاة، ص: ۲۴۸، قديمي)

## نماز عید کو مؤخر کرنا

سوال[۳۸۶۴]: ۲۹/ ذی قعدہ کو بوجہ بادل، عامۃ الناس کو ہلال عید الاضحیٰ نظر نہیں آیا، چند معتبر آدمیوں نے بادل کے بیچ میں ہلال عید الاضحیٰ دیکھا۔ ۹/ ذی الحجہ کو امام عیدگاہ شہادت معتبرہ سے صحیح ثبوت ہونے پر ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز کا اعلان کر دیا، اس پر چند حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ امسال بادل کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا، عامۃ الناس کو مشکل کو عید ہونا معلوم ہے، اگر ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز ہوگی تو دیہاتی لوگ محروم ہو جائیں گے، اس پر فتنہ ہوگا، کوئی نماز پڑھے گا کوئی نہیں پڑھے گا۔ اس پر امام عیدگاہ نے یہ جواب دیا کہ صحیح ثبوت کے بعد بلا عذر عید الاضحیٰ کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور دیہاتی پر عید کی نماز واجب ہی نہیں اور جن حضرات کو صحیح تحقیق ہی نہیں وہ کل پڑھیں، ان کے لیے مکروہ بھی نہیں۔ آیا امام عیدگاہ کو خیر خواہ قوم کا مشورہ پر نماز عید الاضحیٰ بلا عذر شرعی تاخیر کرنا چاہیے، یا نماز عید الاضحیٰ پڑھ لینا چاہیے؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

ثبوت رویت کے بعد بلا عذر نماز عید الاضحیٰ کو ایک روز مؤخر کرنا مکروہ ہے، اہل دیہات پر نماز عید لازم نہیں، ان کی رعایت شرعی عذر نہیں، اگر ثبوت رویت ہی نہ ہو یا شرعی عذر ہو تو اس کی وجہ سے مؤخر کرنا مکروہ نہیں:

"وتؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال وشهدوا بعد الزوال أو صلوها في غيم فظهر أنها كانت بعد الزوال، فتؤخر إلى الغد فقط، وتؤخر صلوة الأضحى بعذر لنفي الكراهة، وبلا عذر مع الكراهة لمخالفة المأثور إلى ثلثة أيام الخ". مراقي الفلاح. "(قوله: كأن غم الهلال الخ) وكأن لمطر ونحوه كما في السراج، وكما لو صلى بالناس على غير طهارة، ولم يعلم إلا بعد الزوال، كما في الخانية. (قوله: وشهدوا بعد الزوال) أو قبله بحيث لا يمكن اجتماع الناس، برهان الخ". (طحطاوي على مراقي الفلاح)(۱)۔ كذا في رد المحتار: "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها، سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها الخ". درمختار(۲)۔

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶، قديمي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

یہ بحث بایں حیثیت ہے کہ مقامی گواہوں کی گواہی ۹/ ذی الحجہ کی کیا حیثیت ہوگی جس سے سوال میں تعرض نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۹۲ھ۔

## شہادت دیر سے پہنچے تو نمازِ عید کو مؤخر کیا جائے

سوال [۳۸۷۰]: ۱… زوال سے ایک دو گھنٹہ پہلے چاند کی خبر آوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دو گھنٹے میں نہیں ہوسکتا، وضو وغیرہ میں بھی وقت لگتا ہے، تو یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ بغیر صفوں کے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲… رؤیتِ ہلال کے لئے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لائیں تو معتبر ہے یا نہیں؟

۳… بمبئی میں جب چاند ہوگیا تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

---

= "عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركبا جاؤا فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، وبدونها (أي بدون الإساءة) بعذر" (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۸/۱۰۰، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچی)

"(وتؤخر بعذر) كمطر (إلى الزوال من الغد فقط) (وأحكامها أحكام الأضحى لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه) أي بالعذر (بدونها)".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۲، رشيدية)

گواہوں کی گواہی قبول کی گئی ور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دو معتبر آدمیوں کے ذریعے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔

۳... بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سو دو سو میل کے فاصلہ پر جا کر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

## نمازِ عیدین شوافع کے پیچھے

سوال [۲۸۷۱]: در نمازِ عیدین اگر امام شافعی المذہب باشد، مقتدیانِ احناف کی اقتدا بشان نمازِ عیدین واجب است، و نزد شافعی سنت است، نمازِ عیدین احناف درست وروا شد یا نہ؟ اگر اقتدائے احناف بہ شافعی درست وروا نباشد، پس برائے درست وروا شدن چہ صورت دارد؟

---

(۱) "عن رجل من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: اختلف الناس في آخر يوم من رمضان، فقدم أعرابيان فشهدا عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالله لأهلا الهلال أمس عشية، فأمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الناس أن يفطروا". زاد خلف في حديثه: "وأن يغدوا إلى مصلاهم". (سنن أبي داود، كتاب الصوم، باب شهادة رجلين على رؤية الهلال: ۱/۳۲۶، ۳۲۷، إمداديه ملتان)

"وقيل: بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب. وعن الإمام أنه يكتفى بشاهدين". (الدر المختار)

"(شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال) في ليلة كذا، (وقضى) القاضي (به، ووجد استجماع شرائط الدعوى، قضى) أي جاز لهذا القاضي أن يحكم (بشهادتهم)، لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به، لا لو شهدوا برؤية غيرهم، لأنه حكاية". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۸، ۳۹۰، سعيد)

"وإن لم يكن بالسماء علة لم تقبل إلا شهادة جمع كثير يقع العلم بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير هو الصحيح ... سواء ذلك رمضان وشوال وذو الحجة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام مذہب احناف را رعایت می دارد، یعنی فرائض و واجبات را رعایت می نماید فرو نمی گزارد، پس نماز احناف در اقتدائے چنین امام بلا تردد ادا شود (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

## جس کو عید کی نماز نہیں ملی وہ تنہا یا جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

سوال [۲۸۶۷]: اگر دو چار آدمیوں کو یا کسی کو عید کی نماز نہیں ملی تو وہ نماز عید پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کو عید کی نماز نہیں ملی وہ تنہا عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح دو چار آدمیوں کو نہ ملی ہو تو وہ بھی علیحدہ نماز عید کی جماعت نہ کریں، بلکہ اپنے مکان پر جا کر دو چار نفلیں الگ الگ پڑھ لیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "والاقتداء بشافعي المذهب إنما يصح إذا كان الإمام يتحامى مواضع الخلاف بأن يتوضأ عن الخارج النجس من غير السبيلين كالفصد، وأن لا ينحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، رشيدية)

"لا يكره إذا علم منه الاحتياط في مذهب الحنفي، وأما إذا علم المقتدي من الإمام ما يفسد الصلاة على زعم الإمام كمس المرأة أو الذكر والإمام لا يدري بذلك، فإنه يجوز الاقتداء به على قول الأكثر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۹۳، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۳، سعيد)

(۲) "عن الشعبي رحمه الله تعالى قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه: "من فاته العيد فليصل أربعاً".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: إن شاء صلى، وإن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعاً، وإن شاء ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب من مدرك صلوة العيد: ۸/۱۰۹، إدارة القرآن كراتشي)

"فلو عجز صلى أربعاً كالضحى". (الدر المختار). "أي استحباباً، كما في القهستاني، وليس هذا قضاء؛ لأنه ليس على كيفيتها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۸۰، رشيدية)

## مسبوق نمازِ عید کس طرح پوری کرے؟

سوال[۳۸۵۳]: عیدین کی نماز میں اگر کسی کی پہلی رکعت چھوٹ جائے تو وہ پہلی فوت شدہ رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سلامِ امام کے بعد جب کھڑا ہو تو اول ثنا، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، سورت پڑھے پھر تکبیراتِ زوائد کہہ کر رکوع کرے اور بقیہ نماز پوری کردے۔ طحطاوی، ص: [illegible](۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## نمازِ عید نمازِ جنازہ پر مقدم ہے

سوال[۳۸۵۴]: اگر جنازہ بھی حاضر ہو اور نمازِ عید کا وقت بھی ہو تو پہلے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نمازِ عید؟ اگر نمازِ عید پہلے پڑھی جائے تو خطبہ نمازِ جنازہ سے پہلے ہو یا بعد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول نمازِ عید پڑھی جائے پھر نمازِ جنازہ پڑھی جائے پھر خطبہ پڑھا جائے، مجمع الانہر: ۱/۱۸۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وإذا سبق بركعة يبتدئ في قضائها بالقراءة ثم يكبر، لأنه لو بدأ بالتكبير والى بين التكبيرات ولم يقل به أحد من الصحابة، فيوافق رأي الإمام علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، فكان أولى، وهو مخصوص لقولهم: المسبوق يقضي أول صلاته في حق الأذكار". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۲۹۳، قديمي)

"ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير". (الدر المختار)

"(قوله: لئلا يتوالى التكبير) أي لأنه إذا كبر قبل القراءة وقد كبر مع الإمام بعد القراءة لزم توالي التكبيرات في الركعتين، قال في البحر: ولم يقل به أحد من الصحابة رضي الله تعالى عنهم، ولو بدأ بالقراءة يصير فعله موافقاً لقول علي رضي الله تعالى عنه، فكان أولى، كذا في المحيط، وهو مخصص لقولهم: إن المسبوق يقضي أول صلاته في حق الأذكار". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۸۳، رشيدية)

(۲) "ويبدأ بالمغرب ثم الجنازة ... وتقدم صلاة العيد ثم هي على الخطبة". (مجمع الأنهر —

## روزہ رکھ کر نماز عید پڑھنا

سوال [۳۸۷۵]: عید کا چاند نظر نہیں آیا، نہ باہر سے شریعت کے مطابق ثبوت ملا، ریڈیو کی خبر پر بستی والوں نے چاند تسلیم کیا، امام عیدگاہ نے ریڈیو کی خبر نہیں مانی، صبح کو روزہ رکھا، روزہ کی حالت میں نماز عید پڑھائی، دن کے گیارہ بجے تک چاند کی خبر نہیں ملی، بعد نماز جمعہ زوال کے بعد چاند ہو جانے کی خبر ملی۔ ایسی مجبوری میں جبکہ زوال سے پہلے خبر نہیں ملی تو وقت میں نماز روزہ کی حالت میں پڑھائی، نماز ہوئی یا نہیں؟ بعض عوام بتلا کر امام کو بھگاتے ہیں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ امام صاحب کے نزدیک چاند کا ثبوت نہیں ہوا تھا تو ان کو روزہ رکھنا ہی لازم تھا، لیکن ایسی حالت میں عید پڑھانا غلط ہوا[۱]، ظاہر یہ ہے کہ مقتدی لوگوں نے مجبور کیا ہوگا کہ نماز پڑھا دے، یہاں لوگوں کی غلطی تھی، ورنہ جب امام نے روزہ رکھا تھا تو ان کو نماز عید نہیں پڑھنا تھا، انہوں نے تو مقتدیوں کو بھی ایسی حالت میں نماز عید سے منع کیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

= المعروف. "الدر المنتقى في شرح الملتقى" على هامش مجمع الأنهر، باب العيدين: ۱/۲۷۷، غفاريه)

"(وتقدم) صلاتها (على صلاة الجنازة إذا اجتمعا)؛ لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، (وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا" الخ: ۱/۲۵۶، قديمي)

"إنما يلزم الصوم على متأخر الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، حتى لو شهد جماعة أن أهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم يروا هذا الهلال، لا يباح فطر غد، ولا تترك التراويح هذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالرؤية، ولا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۹، رشيديه)

## عذر کی وجہ سے نماز عید میں تاخیر کا حکم

سوال [۳۹۲۷]: ۱... نماز عید الفطر عید الاضحیٰ میں کہ صبح سے بارش شروع ہوئی اور دو بجے دن تک بہت زوروں کی بارش ہوتی رہے مرمت شامیانہ وغیرہ کا انتظام نہ ہو سکا، مسجد میں برساتی نہیں ہے جس سے کہ بارش کا بچاؤ ہو سکے تو کیا بعد دو بجے دن کے نماز عید الفطر یا نماز عید الاضحیٰ کی پڑھی جاسکتی ہے؟

۲... اگر نہیں پڑھی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے، کیسے نماز ادا ہو؟ کوئی عمارت نہیں ہے جس میں نمازی آسکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... زوالِ آفتاب کے بعد نماز عیدین درست نہیں، مجبوری کی حالت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جاوے اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہو سکے تو تیسرے دن پڑھی جائے:

"وابتداء وقت صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبيل زوالها، وتؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كالمطر ونحوه إلى الغد فقط، وتؤخر صلوة عيد الأضحى بعذر إلى ثلاثة أيام" اهـ.

طحطاوی و مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۲، قديمي)

"عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاءوا فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، وبدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۸/ ۱۰۳، إدارة القرآن كراچي)

"(وتؤخر بعذر) كمطر (إلى الزوال من الغد فقط) … (وأحكامها أحكام الأضحى، لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه) أي بالعذر (بدونها)".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/ ۱۵۲، رشيديه)

# الفصل الأول في شرائط العيدين

## (عیدین کی شرائط کا بیان)

### عید کی شرائط

سوال [۳۸۷۷] : یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں زمانۂ قدیم سے بلا تمیز قریۂ صغیرہ وکبیرہ کے نماز جمعہ قائم ہوتی چلی آئی ہے، چونکہ مسلمانوں کی آبادی بالعموم مذہب احناف کی ہے۔ کچھ عرصے سے اہل علم طبقہ میں جب اس کا احساس ہوا کہ مذہب حنفیہ میں جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، جہاں وہ شرائط نہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس خیال سے ایک طبقہ کا طبقہ اور ان کے اتباع میں اور دیندار طبقہ دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنے سے رک گئے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے لگے ہیں، اس کی وجہ سے کہیں کہیں ہیجان کی صورت پیش آگئی اور ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ مذہب احناف میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور کیا قول فیصل ہے جو معمول بہا عام طور سے بنایا جاسکتا ہے۔ اس تحت میں ایک سوال اس کے متعلق پیش خدمت ہے، امید ہے کہ اس پر غور فرما کر مذہب حنفیہ کے دائرے میں کوئی قول فیصل جو عام طور سے معمول بہا ہیں اس سے مطلع فرمایا جائے تاکہ باعث تسکین ہو۔

موضع الف پور و امین پور یہ دونوں موضع ایک دوسرے سے محل وقوع کے اعتبار سے ملحق ہیں، دیکھنے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ دونوں موضع ایک نظر آتے ہیں، لیکن سرکاری کاغذات میں یہ دونوں موضع بندوبست، حد بندی اور سرحدوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ہیں، اصل مکان سورث اعلیٰ کا الف پور میں تھا مگر اب ان کے خاندان دونوں میں ملحق موضعوں میں پھیل گئے، الف پور کی آبادی آج سے پانچ سال پہلے بالغ و نابالغ دونوں ملا کر ایک ہزار نو (۱۰۰۹) تھی جس میں بالغ مرد و عورت پانچ سو ستاون (۵۵۷) بقیہ نابالغ، اس پانچ سال میں تقریباً چار سو کا اضافہ ہوا ہے اس میں چار مسجدیں ہیں اور ملحقہ موضع امین پور کی آبادی پانچ سال پہلے چھ سو ترپن (۶۵۳) تھی اور اس میں بھی چار مسجدیں ہیں، الف پور میں غلہ کی کوئی دوکان نہیں

ہے، مگر بوقت ضرورت گاؤں کے کاشتکاروں سے غلہ مل جاتا ہے، مرچ اور دیگر مسالہ جات کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور کپڑے سلائی کی ہیں، مقامی طور سے دو مستقل ڈاکٹر ہیں۔ الف پور میں جامع مسجد کے متصل ایک مکتب اسلامیہ ہے جس میں پرائمری تعلیمات کے ساتھ بقدر ضرورت اردو میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔

اگر ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے تو کیا تمام مواضعات مذکورہ فی السوال مل کر عیدین کی نماز الف پور میں قائم کریں تو قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ عیدین کے ادا کرنے سے کسی فریضہ کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بستیاں اتنی متصل ہیں کہ دیکھنے میں وہ ایک ہی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ سرکاری کاغذات میں ان کے نام جدا جدا ہوں ان کو جواز جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی قرار دیا جائے گا، جب کسی بستی میں شرائط کے ماتحت جمعہ جائز ہو تو حسب حاجت وہاں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے جیسے کہ ایک شہر کے متعدد محلوں میں ہوتا ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے ...... کسی عالم فقیہ کو قریب سے بلا کر مشاہدہ کرادیں، پھر جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کریں، تحریری تفصیلی نقشہ کے بہ وجود مشاہدہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

جس جگہ نماز جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں نماز جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے: "صلوة العيد في القرى تكره كراهة تحريم" اهـ. بحر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۸۵ھ۔

## کیا عیدین کے لئے شرائط لگانے میں حرج ہے؟

سوال [۳۸۸۷]: عیدین کی نماز سال بھر میں ایک بار خوشی کا پیغام ہوتی ہے، ایسی حالت میں جمعہ کے جیسی شرائط کے لگانے میں حرج ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید (خوشی کا پیغام) شارع علیہ السلام کی تجویز فرمودہ ہے (۱) لہذا اس میں ان کی ہدایت کی پابندی لازم ہے، آپ نے خود اس کو دین نہیں کیا ہے جس طرح دل چاہے کرلیا کریں۔ دین میں حرج نہیں، یہ بھی شارع کی طرف سے ہے (۲) اور شرائط بھی شارع کی طرف سے ہیں۔ کلامِ شارع میں حقیقۃً تعارض نہیں ہوسکتا ہے، معلوم ہوا کہ ان شرائط کی پابندی میں حرج نہیں ہے۔ شارع جس کو حرج قرار دے وہ حرج ہے، اس کی نفی کی گئی ہے (۳)، ہر شخص جس چیز کو دل چاہے کہہ دے یہ حرج ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے، ورنہ تو لوگ نماز، روزہ،

---

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: "دخل علي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعندي جاريتان تغنيان بغناء بعاث، فاضطجع على الفراش وحول وجهه، ودخل أبوبكر فانتهرني وقال: مزمارة الشيطان عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فأقبل عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "دعهما" فلما غفل غمزتهما فخرجتا، وكان يوم عيد يلعب السودان بالدرق والحراب، فإما سألت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وإما قال: "تشتهين تنظرين؟" فقلت: نعم، فأقامني وراءه، خدي على خده، وهو يقول: "دونكم يا بني أرفدة" حتى إذا مللت، قال لي: "حسبك؟" قلت: نعم، قال: "فاذهبي". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد: ۱/۱۳۰، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ (سورة الحج: ۷۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة" (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب أن الدين يسر الخ: ۱/۱۰، قديمي)

دین کس حیثیت سے آسان ہے؟ اس کی مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ کریں: (كشف الباري عما في صحيح البخاري للشيخ سليم الله خان دامت فيوضهم، كتاب الإيمان، باب إن الدين يسر الخ: ۲/۱۳۳، مكتبه فاروقيه، كراچى)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (سورة الحشر: ۲۸، آية: ۷)

قال ابن كثير رحمه الله تعالى: "أي مهما أمركم به فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير وإنما ينهى عن شر". (تفسير ابن كثير: ۴/۳۳۶، سهيل اكيدمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: سمعت أبا القاسم صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "إذا أمرتكم بأمر فأتوه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن أمر فاجتنبوه" (مسند أحمد، رقم الحديث: ۹۹۱۲: ۳/۳۲۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

حج، پردہ، ایک عورت کے لئے ایک شوہر کی تعیین، ایک مرد کے لئے متعدد عورتوں کی اجازت، جوازِ نکاح کے لئے اتحادِ مذہب کی قید وغیرہ ان سب کو حرج بتلاتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## دو ہزار کی آبادی میں عیدین اور قربانی

سوال[۳۸۷۵]: ۱…زید کے گاؤں کی آبادی تقریباً دو ہزار ہے، زمانہ سے نمازِ عیدین اور جمعہ کی نماز یہاں پڑھی جاتی ہے، ضرورت کی چیزیں گاؤں میں دستیاب ہیں، اشیائے ضروریہ کی دوکانیں گاؤں میں ہیں۔ کیا ایسی آبادی میں احناف کے نزدیک جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؟ نیز کیا ایسی آبادی میں متعدد مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

۲…جس آبادی کا اوپر ذکر ہوا ہے، کیا اس آبادی میں عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے اور اگر درست نہیں ہے اور کسی نے قربانی کردی ہے تو کیا اس شخص کو قربانی کے عوض صدقہ کرنا پڑے گا؟ مدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عالم مفتی کو بلا کر معائنہ کرادیا جائے، وہ پورے طور پر دیکھ کر جو فتویٰ دے اس پر عمل کیا جائے، محض تحریر سے پوری کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں جمعہ بھی ادا کیا جائے اور عیدین کی نماز بھی پڑھی جائے اور قبل از نمازِ عید الاضحیٰ قربانی درست نہیں، اگر قربانی کردی ہے تو اس سے واجب ادا نہیں ہوا، قربانی کی قیمت صدقہ کی جائے۔ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود نہ ہوں وہاں جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے، صلوٰۃ العیدین بھی وہاں پڑھنا مکروہ ہے، قربانی صبح صادق (صبح) ہی سے درست ہے۔

جمعہ کے شرائط یہ ہیں ۔

| | |
|---|---|
| "وحر صحيح بالبلوغ مذكر | مقيم وذو عقل لشرط وجوبها |
| ومصر وسلطان ووقت وخطبة | وإذن كذا جمع لشرط أدائها" (۱) |

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۷، سعيد

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید کی وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کی ہیں سوائے خطبہ کے، یعنی جس جگہ جمعہ درست ہے وہاں نمازِ عید درست ہے اور جہاں جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں۔ جمعہ کے لئے مصر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے، یہی عید کے لئے بھی شرط ہے، جہاز بحری ہو یا ہوائی نہ مصر ہے نہ قصبہ ہے اور نہ قریہ کبیرہ ہے، نہ وہاں جمعہ درست ہے اور نہ ہی عید درست ہے(۱)۔

اگر جہاز میں پندرہ روز قیام ہو تب بھی آدمی مقیم نہیں بن جائے گا: "ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية الخ" مراقي الفلاح۔ "وذكر في التجريد والبحر والسفينة والملاح مسافر والسفينة ليست بوطن الخ" طحطاوی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة" (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريماً" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم، لأنه اشتغال بما لا يصح، لأن المصر شرط الصحة" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۷/۲، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل شرائط وجوب العيدين: ۶۲۶/۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيدية)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۴، قديمي)

"عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: أقام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بتبوك عشرين يوماً يقصر الصلاة"

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "دلالة الأثر على معنى الباب ظاهرة. أما على الأول، فلأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أقام بتبوك عشرين يوماً يقصر ولم ينو الإقامة —

## دیہات میں نماز عید اور اس کے مفاسد

سوال [۳۸۹۱]: عیدین کے پڑھنے کو دیہات میں منع کرنا کیسا ہے؟ بے شک دیہات میں عید پڑھنے سے ادا نہیں ہوتی مگر دیہاتیوں پر واجب نہیں اگر جو چیز واجب نہیں اس کے ادا کرنے میں کیا قباحت ہے؟ البتہ تبلیغ واشاعت کا ایک ذریعہ ہے، بہ نام نفل ادا کرنے میں جو قباحت ہو وہ بیان فرمایئے گا، اگر کسی بھی چیز کو نفل کی دن میں جماعت جائز نہیں مگر از کم اس کے مقابلہ میں تبلیغ واشاعت تو ایک بہترین چیز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں مختلف وشدید مفاسد ہیں:

۱- عوام اس کو واجب اعتقاد کرلیں گے، غیر واجب بلکہ ناجائز کو واجب اعتقاد کرنا مفسدہ عظیم ہے، جو شیٔ مندوب ہو اس پر اصرار کرنا مکروہ ہے: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة اهـ" (۱)۔
جو شیٔ مباح ہو وہ التزام سے مکروہ ہو جایا کرتی ہے، پھر ناجائز شیٔ پر اصرار کرنا اور اس کو واجب اعتقاد کرنا کیسے جائز ہوگا۔ قال العلامة اللکنوی: "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً كما صرح به علي القاري في شرح مشكوة" (۲) والحصكفي في

---

* لكونهم في أرض العدو التي لا عبرة بالاستقرار بها لكونه في رحل طائر". (إعلاء السنن، أبواب صلوة المسافر، باب: يقصر من لم ينو الإقامة وإن طال مكثه وكذا العسكر الخ: ۷/۲۸۲، إدارة القرآن، كراچي)

"وأما المكان الصالح للإقامة فهو موضع اللبث والقرار في العادة نحو الأمصار والقرى، وأما المفازة والجزيرة والسفينة فليست موضع الإقامة، حتى لو نوى الإقامة في هذه المواضع خمسة عشر يوماً لا يصير مقيماً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما المكان الصالح للإقامة ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر ۲/۱۲۵، ۱۲۶، سعيد)

(۱) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ذكر الدعوات: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي)

(۲) قال الملا علي القاري: "قال الطيبي رحمه الله تعالى: ومن أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، تحت حديث عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه =

بدرالمختار وغیرھما"۔ سباحۃ الفکر: ۷۲ (۱)۔

۲- جس کو واجب اعتقاد کرکے پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی اور نفل کی جماعت علیٰ سبیل التداعی مکروہ ہے: "ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان: أی یکرہ ذلک علی التداعی اھ"۔ درمختار (۲)۔

۳- اس نماز میں قرأۃ بالجہر کی جائے گی، نوافل میں قرأت بالجہر مکروہ ہے: "وأما متنفل بالنهار، فيخفي فيه حتماً، اهـ"۔ عالمگیری (۳)۔

---

= (رقم الحديث: ۹۳۶)، ۲/۳۰۴، رشيدية)

(۱) (مجموعة رسائل الإمام المحدث محمد عبد الحي اللكنوي رحمه الله تعالى، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۰، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

"عن زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "صلوا أيها الناس! في بيوتكم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة"

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "قلت: كما أن في الحديثين دلالة على كون النفل في البيت أفضل منه في المسجد، كذا فيهما دلالة على كون الجماعة مختصة بالمكتوبة، فثبت أن الجماعة في النوافل خلاف الأصل، والأداء على خلاف الأصل لا يخلو عن الكراهة، فالجماعة في النوافل مكروهة". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب كراهة الجماعة في النوافل والوتر الخ: ۷/۸۰، إدارة القرآن كراتشي)

"التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل في الجماعة: ۱/۸۳، رشيدية)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشيدية)

"عن يحيى بن أبي كثير: قالوا: يا رسول الله! إن ههنا قوماً يجهرون بالقراءة بالنهار، فقال: "ارموهم بالبعر". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة في صلاة النهار ظاهرة، حيث أمر صلى الله تعالى عليه وسلم برجم من يجهر بها". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر في الجهرية والسر في السرية: ۴/۱۱، إدارة القرآن، كراتشي) =

۳-عیدالاضحیٰ میں قربانی کو نماز کے لئے مؤخر کریں گے جو کہ التزام مالایلزم ہے وغیرہ۔ تبلیغ کا حاصل ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اشاعت سنت اور جس جگہ عید کی نماز درست نہیں وہاں ناجائز طریقہ پر مجمع کرکے نام نہاد اور خلافِ شرع طریق پر نماز (ام العبادات کو) ادا کرکے خود خوش ہوکر کے دیکھئے کہ کیا تبلیغ اور اشاعت سنت ہوسکتی ہے، تبلیغ کے لئے مستقل مجمع کیا جائے، برادری کی طرف سے پنچایت کرکے تبلیغ کی جائے۔ وہو الموفق والمعین فی کل حین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## باہر کا آدمی بھی عید کی نماز پڑھا سکتا ہے

سوال[۳۸۹۶]: رمضان شریف میں تراویح کی نماز کے لئے حافظ بھوپال سے بلائے گئے، انہوں نے رمضان کی ۲۱/ تاریخ تک قرآن سنایا، انجمن اسلامیہ کے اراکین وعہدہ داروں نے عید کی نماز پڑھانے کے لئے روک لیا، چونکہ عیدگاہ کا انتظام انجمن ہی کے ذمہ ہے، لیکن چند لوگوں کو یہ اعتراض ہوا کہ کوئی باہر کا آدمی عید کی نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اس شہر میں دو مسجدیں ہیں، جامع مسجد کے پیش امام نابینا ہیں اور کچھ لوگ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، مطلب یہ کہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی مخالفین نے یہ کہا کہ عیدگاہ پر دو جماعتیں اور دو خطبے نہیں ہوسکتے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دو جماعتیں نہیں ہوتیں تو اس صورت میں کس جماعت کی نماز عید صحیح ہوئی ہے؟ کس جماعت کی جس کا انتظام بہ حیثیت انجمن اسلامیہ نے کیا اور جو عید کے ذمہ دار ہیں، یا اس جماعت کی جس کی امامت جامع مسجد کے نابینا پیش امام نے کی جس کے متولی علیحدہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید باہر کا آدمی پڑھا دے تب بھی ادا ہوجائے گی(۱)، اس کی وجہ سے مستقل دوسری جماعت کرنا

---

= "ويسن في غيرها؛ ... (كمستقل النهار) فإنه يسن". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/ ۵۴۴، سعيد)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: ما كان لـ عيد إلا في صدر النهار، ولقد رأيتنا نجمع مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في ظل الحطيم".

"قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "دلالة الأثر على الباب ظاهرة من حيث =

بھی ٹھیک نہیں، خاص کر دو بھی اسی عیدگاہ میں، یہ ناپسند ہے، تاہم نماز سب کی ہوگئی، آئندہ ایسا نہ کریں(1)۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۹۲ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

= أنهم كانوا في مكة سفراً على القاهر، ويقاس على المسافر غيره من المعذورين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب من لم تجب عليه الجمعة: ۸/۲۳، إدارة القرآن كراتشي)

"(ويصلح للإمامة فيها من صلح لغيرها فجازت لمسافر وعبد ومريض). (وتنعقد الجمعة (بهم): أي بحضورهم بالطريق الأولى". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۳۸، رشيديه)

( ) "عن علي رضي الله تعالى عنه أنه كان يخرج إلى الجبانة في العيد ويستخلف في المصر من يصلي بضعفة الناس، وذلك بمحضر من الصحابة رضي الله تعالى عنهم، ولما جاز هذا في صلاة العيد، فكذا في صلاة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۶، رشيديه)

"(وتؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقاً)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

# الفصل الثاني في وجوب صلوة العيد على المحبوسين والنسآء

## (قیدیوں اور عورتوں کے لئے عید کی نماز کا بیان)

### قیدیوں کے لئے نمازِ عید کا حکم

سوال [۳۸۸۳]: ہم پاکستانی جنگی قیدی ہیں، ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، عیدین اور جمعہ اسیری کی وجہ سے موقوف ہے، اگر رمضان تک رہنا ہو تو روزہ، تراویح اور اعتکاف کی کیا پوزیشن ہے؟ نمازیں باجماعت مع اذان ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صاحبان کو جب وہاں اذان وجماعت کی سہولت ہے، کوئی رکاوٹ نہیں اور دوسرے کا وہاں داخل ہونا نماز جمعہ سے منع کرنے کے لئے نہیں، بلکہ قانونی تحفظ کے لئے منع ہے، ایسی حالت میں بعض کتب فقہ کی عبارت کے تحت وہاں جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ روزہ وتراویح میں کوئی پابندی نہیں، حکم شرعی کے مطابق روزہ رکھیں، تراویح پڑھیں۔ اگر مسجد مستقل نہ ہو تو جہاں جماعت کرتے ہیں وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(السابع: الإذن العام) ... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلي" (والدر المختار). "(قوله: أو قصره) قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل".

(رد المحتار، كتاب الصوم، باب الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۴/۱۲۲، سعيد)

(۲) "ومنها مسجد الجماعة فيصح في كل مسجد له أذان وإقامة، وهو الصحيح، كذا في الخلاصة".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيدية)

## عورتوں کے لئے نمازِ عید میں شرکت کا حکم

سوال[۳۸۸۴]: عیدگاہ پر پردہ ڈالا جاتا تھا، کچھ عورتیں چادر اوڑھ کر جاتی تھیں اور کچھ عورتیں ساڑی پہن کر جاتی تھیں، چادر نہیں اوڑھتی تھیں تو دس پانچ عورتیں مسجد میں نماز پڑھتی ہیں اور کچھ عورتیں عیدگاہ جاتی ہیں، نہیں مانتی ہیں، عیدگاہ پر اب پردہ کا انتظام نہیں ہے، عیدگاہ سے پورب(۱) مدرسہ ہے، وہیں جا کر بیٹھتی ہیں اور کچھ عورتیں باہر بیٹھتی ہیں، مدرسہ سے الگ ہٹ کر غیر مسلم کی دوکان رہتی ہے، عورتیں جب نماز کو کھڑی ہوتی ہیں تو ان لوگوں کی نظر پڑتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کے ذمہ عید کی نماز نہیں ہے، ان کو روک دیا جائے، عیدگاہ میں اعلان کر دیا جائے کہ عورتیں نہ آئیں، ہر شخص اپنی عورت کو روک دے، اس پر بھی وہ نہ مانیں تو ان کے حق میں نماز کا وعظ کرایا جائے، اس پر بھی باز نہ آئیں اور سرکشی کریں تو وہ جانیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "پورب: مشرق"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أم عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنها: أمرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن نخرج فی الفطر والأضحیٰ العواتق والحیض وذوات الخدور، فأما الحیض فیعتزلن الصلوة ویشهدن الخیر ودعوة المسلمین".

قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "قلت: یؤید ما قاله الطحاوی ما أخرجه فی باب منع النساء عن الحضور فی المساجد عن أم حمید امرأة أبی حمید الساعدی وأم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنهما مرفوعاً: "صلوة المرأة فی بیتها خیر من صلوتها فی حجرتها، وصلوتها فی حجرتها خیر من صلوتها فی دارها، وصلاتها فی دارها خیر من صلوتها فی مسجد قومها". وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: لو أن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم رأی ما أحدث النساء بعده لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی إسرائیل".

ومجموع الأحادیث یشعر بكون النساء مأمورات بأن یشهدن الجمعات وصلوة العید =

## عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں

سوال[۲۸۸۹]: عورت عید کی نماز جماعت یا بغیر جماعت پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ حدیث و قرآن کی روشنی میں مع حوالہ دلیل مفصل جواب دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں پر نماز عید واجب نہیں، بغیر جماعت کے تو مرد بھی نہیں پڑھ سکتے، جمعہ کی طرح عید (بھی) ہے: "وشرط وجوبها (أي وجوب الجمعة) الإقامة والذكورة". كنز: ۲/۲۰۱ (۱)۔ "وتجب صلوة العيد على من تجب عليه الجمعة" الخ. على هامش البحر الرائق. ۲/۲۷۵ (۲)۔

"وشرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر بإجماع العلماء على أنه لا يصليها من

---

= أولاً، ثم حضهن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على الصلوة في البيوت، وقال: "إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي"، ولكنه لم يعزم المنع عن شهود الجماعة، وهذا هو محمل ما روي من عباس من عدم خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لفساد الزمان كما يشعر به قول عائشة رضي الله تعالى عنها، ولا شك أنها أجلّ من أم عطية. وكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة، ويقول: أخرجن إلى بيوتكن خيرٌ لكنّ". رواه الطبراني ورجاله موثقون". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن كراچي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۵، رشيديه)

(۱) (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۵، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة الخ".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

الجمعة كما في البدائع، الخ". ۲/۱۵۱ (۱). "ويكره تحريماً جماعة النساء ... ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به، الخ".

در مختار مختصراً: ۱/ ۳۸۰ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جامع مسجد میں صرف خواتین کے لئے نمازِ عید کا حکم

سوال [۳۸۸۲]: یہاں عیدگاہ اور جامع مسجد میں عیدین کی نماز ایک عرصے سے ہوتی ہے، امسال کمیٹی جامع مسجد نے عید کی شب میں اعلان کردیا کہ نماز عیدگاہ میں ہوگی اور جامع مسجد میں عورتوں کی نماز ہوگی، کوئی مرد جامع مسجد نہ آئے۔ بتلا فرمائیے کہ ان کا ایسا کرنا اور مردوں کو جو عرصہ سے عید کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے ہیں پریشان کرنا کیسا ہے، جب کہ عورتوں پر نماز عید واجب بھی نہیں؟ اور اگر عورتیں مسجد میں آئیں تو مردوں کے پیچھے پردے کی جگہ میں نماز ادا کرسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نماز عیدگاہ جاکر پڑھنا افضل ومستحب ہے (۳)۔ عورتوں پر نماز عید نہیں (۴)، ان کے لئے

---

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۲، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۵-۵۶۶، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل: ۱/۱۲۰، قديمي)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف"، الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمي)

"(والخروج إليها) أي الجبانة لصلاة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۰، قديمي)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أحدث =

مستقل جامع مسجد میں نمازِ عید کا انتظام کرنا - کہ کوئی مرد وہاں نہ جائے صرف عورتیں وہاں نمازِ عید ادا کریں - غلط طریقہ ہے، شریعت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں، اس طریقہ کو بالکل بند کیا جائے، عورتیں نمازِ عید کے لئے نہ مسجد میں جائیں نہ عیدگاہ میں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## عورتوں کا عیدگاہ میں جانا

سوال [۳۸۸۶]: عید کی نماز کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر آیا کرو اور تاکید فرمائی ہے، مگر ہم نے اس کا چرچا بھی آپ بزرگوں میں نہیں سنا ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ گفتگو اور تحریر وخطاب کے سامنے اس کی تاکید نہیں کی، یہ ہمارے یہاں کے رکی پردوں کی وجہ سے ہے، تو کیا مذہب کی ادائیگی آپ کی سوسائٹی اور رسم کی وجہ سے ادھوری رکھی جا سکتی ہے؟ تمام لوگ اگر اس کی پابندی نہ کریں اور قرآن وحدیث سے سوسائٹی کی رسومات وروایات کو ترجیح دے تو دوسری بات ہے، مگر علمائے دین تو شاید کبھی رسومات کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ مجھے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ عید کی نماز کے لئے جب حدیث شریف میں تاکید ہے کہ عورتوں کو بھی لایا جائے تو پھر ہم لوگوں کی عورتوں کو مسجد یا عیدگاہ جہاں عورتوں کے لئے انتظام ہو جانا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ میں جانے کی اجازت تھی بلکہ عیدگاہ میں تو حالتِ حیض میں بھی اجازت

---

= النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم".

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل: ۱/۱۲۰، قديمي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۷۶، رشيديه)

تھیں اگرچہ نماز میں نہ شریک ہوں (۱)، پھر اس کے بعد دوسرا ارشاد فرمایا وہ یہ کہ "عورت کا اپنے مکان میں نماز پڑھنا بہتر ہے مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے"۔ اس پر عورتیں بڑی حد تک مسجد نبوی میں جانے سے رک گئیں (۲)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو جن کی عملی تدبیر سے مسجد جانے سے روکا تھی ایسی تدبیر کی کہ جس سے انہوں نے مسجد جانا بند کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت پر یہی فرمایا کہ "نماز پڑھنے کے لئے مسجد کیوں نہیں جاتی ہو" تو جواب دیا کہ "اب مسجد جانے کا زمانہ نہیں رہا، لوگوں کی حالت ٹھیک نہیں ہے" حالانکہ پہلے جایا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ "اگر عمر کو میرا مسجد جانا پسند نہیں تو وہ منع کر دیں، میں نہیں جاؤں گی، لیکن چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے رکھی تھی اس لئے میں جانے سے باز نہیں آؤں گی" مگر جب تجربہ ہوا تو خود ہی سمجھ گئیں کہ اب جانا ٹھیک نہیں ہے (۳)۔

---

(۱) "عن أم عطية قالت: أمرنا أن نخرج العواتق ذوات الخدور. وعن أيوب عن حفصة بنحوه. وزاد في حديث حفصة قال أو قالت: العواتق وذوات الخدور، ويعتزلن الحيض المصلى". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب خروج النساء والحيض إلى المصلى: ۱۳۳/۱، قديمي)

(۲) "ولقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن صلوتها في بيتها خير من صلوتها في مسجدي". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸۹/۸، إدارة القرآن كراچی)

(۳) واقعہ مذکورہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے لیکن "الإصابة" اور "أسد الغابة" کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاتکہ بنت زید سے نکاح کیا۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عملی تدبیر اختیار کر کے مسجد سے روک دیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وذكر أبو عمر في التمهيد أن عمر لما خطبها شرطت عليه ألا يضربها، ولا يمنعها من الحق، ولا من الصلوة في المسجد النبوي، ثم شرطت ذلك على الزبير، فتحيّل عليها أن كمن لها لما خرجت إلى صلاة العشاء، فلما مرت به ضرب على عجيزتها، فلما رجعت قالت: إنا لله، فسد الناس، فلم تخرج بعد". (الإصابة في تمييز الصحابة للإمام الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى، (رقم الترجمة: ۱۱۴۵۰)، ۲۲۸/۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

"فلما خطبها عمر، شرطت عليه أنه لا يمنعها عن المسجد، ولا يضربها، فأجابها على كره منه =

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "اگر آج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور عورتوں کی حالت ملاحظہ فرماتے تو عورتوں کو ہرگز مسجد جانے کی اجازت مطلق نہ دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں جانے سے روک دی گئی تھیں اسی طرح اس امت کی عورتیں بھی روک دی جاتیں" (۱)۔ غور کا مقام ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوتے یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود ہوتیں تو موجودہ عورتوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جاتی۔ پس منع فرمانا ان روایات کی بناء پر ہے، محض کسی خود ساختہ رسم کی بناء پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۵ھ۔

## عورت کے ذمہ نماز عید، رفع یدین وغیرہ

سوال [۲۸۸۸]: میں نے سنا ہے کہ عورت نماز عید گھر اور عیدگاہ میں پڑھے گویا عورت پر واجب نہیں، اس کے متعلق جلد بتاویں۔ عورت اگر نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھے تو کیسا ہے؟ جو جماعت اہل حدیث کہلاتی ہے وہ قرآن میں آیتیں نکال نکال کر دکھاتی ہے، وہ کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف "اللہ اکبر" کہہ کر نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے، یہ نہیں کہ تمام نماز کو بیان کر کے یعنی "آٹھ رکعت فرض یا سنت واسطے اللہ پاک کے منہ طرف کعبہ شریف کے" اور "اللہ اکبر" یہ غلط ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رفع یدین کا مقصد کیا ہے اور کس مقصد کے لئے کیا ہے؟ آپ ہم کو بتلائیں قرآن پاک میں کس جگہ لکھا ہے؟

---

= فلما خطبها الزبير، ذكرت له ذلك، فأجابها إليه أيضاً، فلما أرادت الخروج إلى المسجد للعشاء الآخرة، شق ذلك عليه، ولم يمنعها. فلما عيل صبره، خرج ليلةً إلى العشاء وسبقها، وقعد لها على الطريق بحيث لاتراه، فلما مرت، ضرب بيده على عجزها، فنفرت من ذلك ولم تخرج بعد". (أسد الغابة في معرفة الصحابة لعز الدين بن الأثير الجزري رحمه الله تعالى، رقم الترجمة: ۶۹۰۷، النساء: ۱۸۸/۶، دار الفكر، بيروت)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس: ۱۲۰/۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت پر نماز عید نہیں، نہ اس کے ذمہ عید کا وجوب جاتا ہے، نہ گھر پر نماز عید لازم ہے، عورت پر جمعہ بھی نہیں، اس کو چاہیے کہ اپنے گھر پر نماز ظہر ادا کرے، جمعہ کے لئے جامع مسجد نہ جائے (۱)۔ اگر ان کے ادا کو زبان سے بھی کہے تو منع نہیں (۲)۔ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

(۱) "عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً: صلاة المرأة في بيتها خير من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في حجرتها خير من صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها خير من صلاتها في مسجد قومها اهـ"

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأى ما أحدث النساء بعده لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل"

فمجموع الأحاديث يشعر بكون النساء مأمورات بأن يشهدن الجماعات وصلاة العيد أولاً، ثم حثهن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على الصلاة في البيوت، وقال: "إن صلاتها في بيتها خير من صلاتها في مسجدي"، ولكنه لم يعزم المنع عن شهود الجماعة، وهذا هو محمل ما رواه ابن عباس رضي الله تعالى عنهما من خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لفساد الزمان كما يشعر به قول عائشة رضي الله تعالى عنها، ولا شك أنها أحق من أم عطية، وكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة، ويقول: اخرجن إلى بيوتكن خير لكن". رواه الطبراني ورجاله موثقون". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن كراچي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(۲) "والتلفظ عند الإرادة بها (أي بالنية) مستحب، هو المختار" (كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۵، سعيد)

صرف "اللہ اکبر" کہہ کر نماز پڑھنے کو کہا ہے، کسی حدیث شریف میں یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفع یدین ہمیشہ کرنے کو فرمایا ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ "حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے اور بس، پھر کسی دوسرے موقع پر رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے"۔ زیلعی میں اس کی سند مذکور ہے(۱)، قرآن پاک میں تو رفع یدین کا حکم کہیں (بھی) مذکور نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۸ھ۔

### عید کا جھنڈا اور عورت کا خطبۂ عید

سوال[۲۸۸۹]: ہمارے یہاں عید، بقرعید اور شب قدر میں جھنڈا اٹھاتے ہیں، مقصد صرف لوگوں کو دکھانا ہے کہ لوگ آگاہ ہو جائیں، یہ کیسا ہے؟ اور عورتیں اطراف و اکناف سے آتی ہیں اور عید الفطر کی نماز ادا کرتی ہیں اور عورتیں ہی خطبہ دیتی ہیں، تقریر کرتی ہیں، مدرسے کے لئے چندہ بھی وصول کرتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید بقرعید کی اطلاع کیلئے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں۔ عورتوں کا عید کی جماعت کرنا کہ عورت ہی امام ہو

---

= ﴿وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۵۹، رشيديه﴾

(۱) "عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه: "ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فصلى فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". انتهى، وفي لفظ: "وكان يرفع يديه أول مرة، ثم لا يعود". قال الترمذي رحمه الله تعالى: حديث حسن".

قال الزيلعي رحمه الله تعالى في آخر كلامه على سند هذا الحديث: "وقد تخرج هو (أي الحاكم) في المستدرك عن جماعة لم يخرج لهم في الصحيح، وقال: هو على شرط الشيخين. وإن أراد بقوله: لم يخرج حديثه في الصحيح: أي هذا الحديث، فليس ذلك بعلة، وإلا لفسد عليه مقصوده كله من كتابه المستدرك، انتهى". (نصب الراية، رقم الحديث: ۱۷۰۵، ۱/۳۹۴-۳۹۶، مكتبه مكيه)

اور خطبہ پڑھے شرعاً ممنوع ہے(۱)۔ یہ جھنڈا بھی بند کیا جائے اور عورتوں کا اس طرح عید پڑھانا بھی بند کیا جائے۔ غلط کام کرکے مدرسہ کو چلانا کار خیر نہیں، بلکہ صحیح طریقہ پر کوشش کی جائے۔ اللہ پاک نصرت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆



(۱) "و كره جماعة النساء، لأنها لاتخلوا عن ارتكاب محرم، و هو قيام الإمام وسط الصف، فيكره كالعراة. كذا في الهداية، و هو يدل على أنها كراهة تحريم؛ لأن التقدم واجب على الإمام للمواظبة من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۱۴، رشيديه)

المغربة والشمس موضع الصلوة ومستراحة للمؤمنين ولانسداد أسباب المفاسد في يوم العيد لله
تعالیٰ۔ اہلِ قریہ نے مطروزة لتجميع الناس مع تعلق دار صاحب میدان ہی قطعة من الأرض وقف کرکے
عیدگاہ کر کے تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) آدمی نماز عیدین پڑھتے ہیں اور پھر تعلقہ دار صاحب از روئے تو نگری اور
مدت سے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اپنے گھر کے صحن ہی میں تخمیناً چار سو آدمی کو لیکر نماز عیدین پڑھتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ صحن میں نماز پڑھنا افضل و بلا کراہت درست ہے اور میدان میں وقف کردہ عیدگاہ میں اگر شرعاً
بالکل وقتال باتفاق المسلمین مع اطراف قریہ نماز عیدین پڑھتے ہیں، یہ درست اور حرام ہے کیونکہ یہ جدید ہے
اور ہم (تعلقہ دار صاحب) تو شریک ہی نہیں، حالانکہ تعلق دار صاحب بھی اہل قریہ کو بھی عید کے روز خوف
دلاتے ہیں کہ شرع شریف کا حکم، نئے کا نعرہ دے رہے ہیں، اب شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ثم خروجه ماشياً إلى الجبانة وهي المصلى العام: أي في الصحراء، والخروج إليها أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك اهـ". در مختار وشامی بقدر الحاجة: ۱۶۸/۲ (۱)۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلاة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱۳۱/۱، قديمي)

"وفيه أي الخروج إلى الصحراء أن صلوة العيد في الصحراء أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۶۴/۲، قديمي)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "ويستحب ... والخروج إلى المصلى ماشياً". (الباب السابع عشر في العيدين: ۱۴۹/۱، رشيدية)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز عید کو صحرا میں عیدگاہ میں جاکر ادا کرنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں بھی گنجائش ہے اور بہتر یہ ہے کہ امام خود عیدگاہ میں جاکر لوگوں کو نماز پڑھائے اور کسی شخص کو نائب بنادے جو کہ ضعفاء کو جن میں عیدگاہ میں جانے کی قوت نہیں ہے شہر میں نماز پڑھادے۔ اگر امام نے کسی کو نائب نہیں بنایا تب بھی گناہ نہیں (۱)۔

جو شرائط جمعہ کے لئے ہیں تقریباً وہی عید کے لئے ہیں، مثلاً اذنِ عام دونوں جگہ شرط ہے، اگر کوئی خاص مکان میں جہاں اذنِ عام نہ ہو نماز عید پڑھے تو یہ درست نہیں جیسا کہ جمعہ درست نہیں، اگر اذنِ عام ہو تو درست ہے، اس جگہ کا وقف ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مملوک میں بھی درست ہے (۲)۔

قبریں اگر بالکل قریب ہیں اور مسجد کے سامنے جانب قبلہ ہیں تو اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، مگر صرف ان لوگوں کی جن کے سامنے ہیں، اگر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہیں تو اسی ترتیب سے کراہت میں کمی ہوگی، اگر دور ہیں یا حائل موجود ہے تو کراہت نہیں (۳)۔

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالى عنه أمر رجلاً أن يصلي بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين" (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۸/۴۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيدية)

(۲) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة" (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب تكبيرات التشريق الخ: ۸/۱۰۶، إدارة القرآن، كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة" (كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

وفي رد المحتار: "[illegible] الظهر" (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعيد)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال في مرضه الذي مات فيه =

جس قسم کی بستی جمعہ کے لئے شرط ہے اسی قسم کی بستی عید کے لئے بھی شرط ہے یعنی شہر ہو یا قصبہ ہو یا ایسا بڑا گاؤں ہو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کی مثل ہو وہاں کی مردم شماری تین چار ہزار ہو، اور جو بستی ایسی نہ ہو اس میں نہ جمعہ کی نماز جائز ہے نہ عیدین کی، جو لوگ پڑھیں گے وہ گنہگار ہوں گے اور جمعہ کے دن ظہر کا فرض ذمہ میں باقی رہے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۱۱/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

## نماز عید کے لئے میدان میں جانا مستحب ہے اور مسجد میں پڑھنا خلاف سنت ہے

سوال [۱۹۰۸]: عید الاضحیٰ کی نماز شہر کی مساجد میں ہو جاتی ہے جیسے کہ یہ مسئلہ آپ کی نظر میں بھی ہوا ہے۔ اگرچہ اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اتنی بڑی تعداد میں سنت کا ترک مذمت کا باعث نہیں ہوا؟ ہمارے یہاں شہر میں تو بے شمار مساجد میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لی جاتی ہے، اور شہر کی مساجد میں نماز پڑھنے کی مصلحت یہ بتاتے ہیں کہ بعد از عید قربانی کے کام سے فرصت مل جاتی ہے۔ ایک امام مسجد اصرار کرتے ہیں کہ شہر میں نماز ادا کر لینا ہرگز بھی خلاف سنت ہے، اس لئے عیدگاہ میں نماز ہونی چاہئے۔ ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ میں جا کر نماز عید ادا کرنا مندوب ہے اگرچہ جامع مسجد میں وسعت ہو۔ "[illegible]

---

= "لعن اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد" قلت: ولولا ذلك لأبرز قبره غير أني أخشى أن يتخذ مسجداً". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱/ ۱۷۷، قديمي)

"ولا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة الخ: ۱/ ۶۵۳، سعيد)

(۱) (راجع ص: ۳۰۲، رقم الحاشية: ۲)

التوجہ إلی المصلی مطلوب وإن وسعہم المسجد عند عامۃ المشائخ، وہو الصحیح" اھ۔ طحطاوی، ص: ۲۹۰(۱)۔ اگر عیدگاہ میں لوگ جاکر نماز ادا کرلیں اور کچھ لوگ شہر کی جامع مسجد میں پڑھ لیں تب بھی مستحق ملامت نہیں، سب لوگ اگر مسجد ہی میں پڑھیں تو خلافِ مندوب ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۲ھ۔

## نمازِ عیدین صحراء میں یا آبادی میں؟

سوال[۳۹۰۲]: عیدین کی نماز بستی کے اندر ادا کرنا افضل ہے یا آبادی کے باہر صحراء میں؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کی نماز صحراء میں افضل ہے: فی الدر المختار: "والخروج إلیہا: أی الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وإن وسعہم المسجد الجامع، ہو الصحیح". وفیہ: "الجبانۃ المصلی العام". وفی رد المحتار: "(المصلی العام): أی فی الصحراء، بحر عن المغرب". ۱/۸۶۷(۳)۔

---

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحکام العیدین، ص: ۵۳۱، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی، فأول شیء یبدأ بہ الصلاۃ، ثم ینصرف". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی: ۱۳۱/۱، قدیمی)

"(والخروج إلیہا) أی الجبانۃ لصلاۃ العید (سنۃ وإن وسعہم المسجد الجامع)"

(الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۱۶۹/۲، سعید)

(۲) "وفیہ الخروج إلی المصلی فی العید وإن صلاتہا فی المسجد لاتکون إلا عن ضرورۃ" (فتح الباری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی الخ: ۵۶۲/۲، قدیمی)

"لو صلی العید فی الجامع ولم یتوجہ إلی المصلی، فقد ترک السنۃ". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲۷۸/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، باب العیدین: ۳۵۲/۱، دار المعرفۃ بیروت)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۱۶۹/۲، سعید)

باوجود جامع مسجد میں گنجائش ہونے کے جس میں پانچ سو نماز کا ثواب ملتا ہے، خروج الی الجبانہ کو سنت لکھا ہے طحطاوی میں ہے:

"(قوله : سنة) فلو لم يتوجه إليها (أى الجبانة) فقد ترك السنة"(۱)۔ یہاں خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ فی فتح الباری: "(ذلك : أى الخروج إلى المصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلوتها فى المسجد لمواظبة النبى صلى الله تعالى عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده"(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، عبد الرحمن عفی عنہ، ۱۳/۱/۵۲ھ۔

## فیلڈ (میدان) میں نماز عید

سوال[۲۸۹۲]: ایک سرکاری فیلڈ جہاں پر یوم آزادی، یوم جمہوریہ کی کارروائیاں کسی بڑے لیڈر کے آنے پر یا کسی دوسرے کی وجہ سے جلسہ جلوس وغیرہ بھی وقوع میں آتے ہیں، کھیل کود وغیرہ بھی ہوتے ہیں، الحاصل ایک شہر کے تمام امور جہاں طے ہوتے ہیں۔ اس فیلڈ (میدان) میں عید کی نماز تمام مسلمان...... مجتمع ہو کر پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب کہ وہ فیلڈ ایک ایسی جگہ واقع ہیں جہاں نماز پڑھنے سے مسلمانانِ شہر اور اسلام کا رعب باقی اہلِ شہر پر پڑتا ہے۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳۵۲/۱، دار المعرفة بيروت)

"لو صلى العيد فى الجامع ولم يتوجه إلى المصلى فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۹/۲، رشيديه)

"وفيه الخروج إلى المصلى فى العيد، وإن صلاتها فى المسجد لاتكون إلا عن ضرورة". (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۶۴/۲، قديمى)

(۲) (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۶۴/۲، قديمى)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه قال: كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شئ يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱۳۱/۱، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سرکار کی طرف سے اجازت ہو تو وہاں بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## عیدگاہ اور مساجد میں نمازِ عید

سوال[۳۸۰۴]: مالیگاؤں ایک قصبہ ہے غدر ۱۸۵۷ھ سے پہلے بہت کم مسلمان آباد تھے مگر غدر کے بعد شمالی ہند سے آکر کثرت سے آباد ہوئے، اب یہاں مسلم آبادی چونتیس ہزار ہے، نماز عیدین کے لئے ایک پرانی اور نہایت چھوٹی سی عیدگاہ بنی ہوئی ہے جس میں زائد سے زائد ایک ہزار آدمی آسکتے ہیں اور عیدگاہ اس وقت اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے یقیناً کافی ہوگی لیکن وہ عیدگاہ کسی طرح کافی نہیں ہوسکتی، علاوہ ازیں اصل بات جو سوال کی محرک بنی وہ یہ کہ وہ عیدگاہ اس وقت یقیناً صحراء میں تھی لیکن اب آبادی بڑھتے بڑھتے وہ عیدگاہ صحراء نہیں رہی بلکہ آبادی میں آگئی ہے، ایسی صورت میں فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل ومفصل بیان فرمائیں۔

۱- دوسری عیدگاہ ایک وسیع قطعہ میں چندہ سے خرید کر کسی ایسے مقام پر جس پر صحراء کا پورا اطلاق ہو بنائی جائے تو جائز ہے یا نہیں، اور اس سے تفریق بین المسلمین تو نہ ہوگی، کیونکہ یہ حقیقت واقعہ ہے کہ مروجہ عیدگاہ میں مسلمانوں کی اکثریت نماز عیدین ادا نہیں کرتی بلکہ یہاں نماز عیدین شہر کی ہر چھوٹی بڑی مسجدوں میں ہوتی ہے اور عیدگاہ میں بہت تھوڑے آدمی جاتے ہیں۔

۲- مساجد میں نماز عیدین ادا کرنا بلاکراہت جائز ہے یا مع الکراہت؟

---

(۱) "ویشترط لصحتها سبعة أشياء: ... والسابع: الإذن العام من الإمام". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۱، سعید)

"تجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/ ۱۶۶، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/ ۱۵۰، رشيدية)

وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/ ۲۷۵، رشيدية)

۳.....نماز عیدین عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے یا نہیں؟

۴.....موجودہ عیدگاہ جو آبادی میں ہے اس میں نماز عیدین ادا کرنے سے سنت کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

۵.....اور اگر نماز عیدین جنگل کے کسی حصہ میں بلا عیدگاہ بنائے ادا کر لی جائے مثلاً ندی کے کنارے کسی میدان میں یا کسی وسیع باغ میں ہو پھر بھی سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں، یا عیدگاہ ہی بنا کر پڑھنے سے ثواب ملے گا؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

عید کی نماز صحراء میں جا کر پڑھنا سنت ہے(۱) جب کہ وہاں کوئی شرعی منکر نہ ہو اور مسجد میں پڑھنا بھی مکروہ نہیں، البتہ سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا (۲)۔ صحراء میں عیدگاہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ عیدگاہ کے بغیر بھی صحراء میں پڑھنے سے سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا، بہتر یہ ہے کہ تمام آدمی جنگل میں جا کر عیدین ادا کریں اور جو معذورین ہوں وہ سابق عیدگاہ میں (جو آبادی میں ہے) ادا کریں اور ہر مسجد میں عیدین کی ادائیگی بند کر دی جائے اور اگر وسعت اور سہل ہو تو جنگل میں نئی عیدگاہ بنائیں ورنہ بغیر عیدگاہ وہیں ادا کر لیا کریں:

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۴، قديمي)

"والخروج إلى الجبانة في صلاة العيد سنة الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۲) "لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

"فلو لم يتوجه إليها (أي الجبانة) فقد ترك السنة" (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العيدين: ۱/۳۵۴، دار المعرفة)

"والخروج إليها : أي الجبانة لصلوة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح". "قال في الظهيرية: وقال بعضهم: ليس سنة، و تعارف الناس لضيق المسجد و كثرة الزحام، والصحيح هو الأول . وفي الخلاصة و الخانية: أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك". در مختار ورد محتار : ۱۶۷/۱(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ احمد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

## عیدگاہ شہر سے کتنی دور ہو؟

سوال[۲۸۱۵]: مسجد سے عیدگاہ کتنے فاصلہ پر ہونا چاہئے؟ قرآن وحدیث سے جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کی طرف سے اس کا کوئی فاصلہ متعین نہیں ہے، بس اتنی بات ہے کہ نمازِ عید آبادی سے باہر ادا کرنا مندوب (مستحب) ہے(۲) کما صرح به في مراقي الفلاح(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

"عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً يصلي بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۲۲، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة : ۵۸۴/۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر و الأضحى إلى المصلى فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ : ۱۳۱/۱، قديمي)

(۳) "وندب: أي استحب لمصلي العيد في يوم الفطر ثلاثة عشر شيئاً ...... و صلاة الصبح في مسجد حيه) لقضاء حقه وتخصيص ذهابه لعبادة مخصوصة. وفي قوله: (ثم يتوجه إلى المصلى) إشارة إلى تقديم ما تقدم على الذهاب (ماشياً) بسكون و وقار و غض بصر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمي)

"(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

## قبرستان میں نمازِ عید

سوال [۳۹۹۶]: یہاں ایک وقف کردہ قبرستان ہے قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، شہر کی بیشتر میت اسی قبرستان میں دفن کئے جاتے ہیں، قبرستان کے اندر کچھ زمین ابھی خالی ہے اس خالی زمین کے پیچھے جو زمین ہے اسی میں میت دفن کئے جاتے ہیں، جب ضرورت ہوگی سامنے کی اس خالی زمین میں بھی میت دفن کی جائے گی۔ فی الحال شہر کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے ایک عیدگاہ کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے باہر ایک غیر مذہب آدمی کی زمین قبرستان کے متصل ہے اسے خرید کر عیدگاہ بنایا جائے، اکثر لوگ اسی کو پسند کر رہے ہیں، لیکن دو چار لوگ کہتے ہیں کہ ابھی عیدگاہ خریدنے کی ضرورت نہیں، بعد میں خریدیں گے ابھی عید کی نماز قبرستان کے اندر جو زمین خالی ہے اس میں پڑھیں گے۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر وقف شدہ قبرستان کی اسی خالی زمین (جس کے سامنے قبر وغیرہ نہیں ہے) میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو قبرستان کی وہ زمین ایک دن عیدگاہ بن جائیگی اور قبرستان کے قبضہ سے زمین نکل جائے گی اور جب ضرورت ہوگی تو اس میں مردے دفن نہیں کرسکیں گے اور ایک عیدگاہ خریدنے کی جو بات مکمل ہوگئی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔ اب اہلِ شہر آپ کے جواب کے منتظر ہیں کہ جو جواب آپ عنایت کردیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، اگر قبرستان کی زمین میں نماز پڑھنے کی ذرا بھی اجازت مل گئی تو شہر میں ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا، امید ہے کہ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب دیں گے۔

نقشہ قبرستان
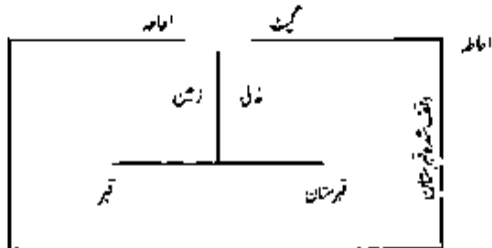
الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں قبریں نئی و پرانی ہر قسم کی موجود ہیں تو وہاں نمازِ عید ادا نہ کی جائے بلکہ اس کے قریب جو جگہ موجود ہے اور اس کو خرید کر عیدگاہ بنانے کی تجویز ہے تو اس کو خرید کر عیدگاہ بنالیں اور اس میں خلفشار واختلاف نہ کریں۔ واقف جس نیک مقصد کے لئے جو جگہ وقف کرے اس مقصد کو ختم نہ کیا جائے اور دوسرے مقصد کے لئے وہ جگہ متعین نہ کی جائے حتی الوسع شرعاً منشائے واقف کی رعایت لازم ہے: "لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۱) قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت حدیث پاک سے ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعید)

(۲) "عن أبي سعید الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الأرض کلها مسجد إلا المقبرة والحمام". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء أن الأرض کلها مسجد إلا المقبرة والحمام: ۱/۷۳، سعید)

"باب: هل ینبش قبور مشرکي الجاهلیة، ویتخذ مکانها مساجد لقول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لعن الله الیهود اتخذوا قبور أنبیاءهم مساجد" عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن أم حبیبة وأم سلمة رضي الله تعالیٰ عنهما ذکرتا کنیسة . . . فقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن أولئک إذا کان فیهم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبره مسجداً وصوروا فیه تلک الصور، أولئک شرار الخلق عند الله یوم القیمة". (صحیح البخاري، کتاب الصلاة: ۱/۶۱، قدیمي)

قال العلامة العیني رحمه الله تعالیٰ: "ذکر ما یستنبط منه من الأحکام . . . وفیه منع بناء المسجد علی القبور ومقتضاه التحریم کیف وقد ثبت اللعن علیه . . . اهـ. وما یکره من الصلاة في القبور ورأی عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه یصلي عند قبر، فقال: القبر القبر، ولم یأمر بالإعادة" اهـ. أي لم یأمر عمر أنساً بإعادة صلاته ذلک، فدل علی أنه یجوز ولکن یکره، واعلم أن العلماء اختلفوا في جواز الصلاة علی المقبرة . . . وذهب الثوري . . .

## نمازِ عید قبرستان میں

سوال[۳۸۹۷]: عیدگاہ سے متصل قبرستان واقع ہے، جب عیدگاہ نمازیوں سے بھر جاتی ہے تو لوگ قبرستان میں بھی عید کی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت کی وجہ سے قبرستان میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نمازی کے آگے قبریں ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

= وأبو حنيفة والأوزاعي رحمهم الله تعالى عليهم إلى كراهة الصلوة في المقبرة". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية الخ: ۱۷۴/۴، ۱۷۳، مطبع منيرية)

"لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالى عنه قال: "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهية الوطي والجلوس عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

"ورأى عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنس بن مالك يصلي عند قبر فقال: القبر القبر، ولم يأمر بالإعادة".

قال العلامة العيني رحمه الله تعالى: "أي لم يأمر عمر أنساً بإعادة الصلاة تلك، فدل على أنه يجوز ولكن يكره". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب: هل ينبش قبور مشركي الجاهلية: ۱۷۴/۴، ۱۷۳، سعيد)

"لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب: ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۹، ۳۵۸، قديمي)

## بارش میں نماز عید کہاں پڑھیں؟

سوال[۲۸۹۸]: بارش بہت زوروں سے شروع ہے لوگ مقررہ عیدگاہ جانے سے قاصر ہیں تو کیا اس موضع میں جس میں دو چار یا دس بیس تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اور مسجد بھی ہے، یا نہیں ہے تو نماز عیدین اپنے موضع میں ایسی صورت میں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، ادا کر سکتے ہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے موضع میں نماز عید درست نہیں، نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، مطمئن رہیں۔ "تجب صلوتهما على من تجب عليه الجمعة". در مختار (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ شوال/ ۶۷ھ۔

## بلا عذر مسجد میں عید کی نماز

سوال[۲۸۹۹]: عید کی نماز عیدگاہ کے علاوہ مساجد میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ معذورین کو تو عذر ہے، ان کے علاوہ مساجد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں تو جن لوگوں نے مسجد میں عید کی نماز پڑھ لی تو ان کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ براہ کرم مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسنون طریقہ یہی ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر متفقہ طور پر سب ایک ہی جگہ ادا کریں (۲)، لیکن

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

"عن على رضى الله تعالى عنه أنه قال "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا فى مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فى القرى: ۱/۸، إدارة القرآن، كراچى)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، كذا فى الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فى صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(۲) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه قال: كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم

جن لوگوں نے مسجد میں بلا عذر نماز عید ادا کر لی ہے نماز ان کی بھی ہو گئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## مسجد میں نماز عید پڑھنا خلاف سنت ہے

سوال [۴۰۰۹]: نماز عیدین کو ہمیشہ مسجد میں پڑھنا اور باوجود باہر عیدگاہ ہونے باہر نہ جانا اور لوگوں کا یہ کہنا کہ باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے باوجودیکہ کوئی عذر بھی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا سنت ہے (۲)، اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں بھی درست ہے اور بلا عذر،

---

= الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمي)

"(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع)".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمي)

(۱) نماز تو ادا ہو گئی لیکن بلا عذر مسجد میں جا کر نماز عید پڑھنے میں ترک سنت ہے:

"وفيه الخروج إلى المصلى في العيد، وإن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة" (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۶۷، قديمي)

"لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة باب العيدين: ۱/۳۵۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده" (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۶۷، قديمي) ............ =

مسجد میں پڑھنے سے تو نماز تو ہو جاتی ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، نیز باہر جا کر ادا کرنے میں کچھ اور بھی مصالح ہیں وہ بھی اس صورت میں فوت ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص خود عیدگاہ میں نہ جائے تو دوسروں کو جانے سے نہیں روکنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## مساجد میں عید کی نماز

سوال[۴۱۰۱]: الف...... ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہیں موجود ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ دو فرلانگ ہے، ایک تیسری عیدگاہ بھی ہے، پہلے دو عیدگاہوں اور اس کے درمیان ایک میل بھی ہے، یہ تیسری عیدگاہ گزشتہ عید الفطر سے جاری ہوئی ہے۔ لہٰذا کیا اس صورت میں مساجد میں نماز پڑھنا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

ب...... تنازع ہونے کی حالت میں مختلف عیدوں میں مختلف عیدگاہوں میں نماز پڑھنا چاہیے، یا سب مسلمانوں کو ایک عیدگاہ کے جانے تک مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف...... مندوب ومستحب یہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جائے، وہاں نماز کا مسجد میں ادا کرنے

---

(۱) "الخروج إليها: أي الجبانة لصلاة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/ ۱۶۹، سعيد)

(۱) "وقال الشافعي في الأم: بلغنا أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة، وكذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه الخ". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب الخروج يوم الفطر والأضحى الخ: ۸/ ۹۰، إدارة القرآن، كراچی)

"وفيه الخروج إلى المصلى في العيد وأن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۲/ ۵۶۴، قديمي)

"لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۲۷۵، رشيديه)

سے بھی نماز عید ادا ہو جاتی ہے لیکن اظہارِ شوکتِ اسلام میں کمی ہوتی ہے کیونکہ مجمع متفرق و منتشر رہتا ہے(۱)۔

ب… جب تک جامع عیدگاہ ہے اس وقت تک دونوں عیدگاہوں میں پڑھا کریں، سب مساجد میں جاری نہ کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## معذورین کے لئے جامع مسجد میں نمازِ عید

سوال[۹۰۲۴]: بستی سے عیدگاہ دور ہے، ایک میل دور ہے، لوگ دور جانے میں گھبراتے ہیں، عیدگاہ کے چاروں طرف غیر مسلم کی زمین ہے، بستی والے عیدگاہ کو قریب بنانا چاہتے ہیں۔ اگر عیدگاہ دوسری بنالیں تو اس عیدگاہ کو کیا کیا جائے؟ غیر مسلم بے حرمتی کریں گے، پہلی عیدگاہ کی حفاظت مشکل ہوگی، بستی مسلمانوں سے خالی ہوجاتی ہے، عورتیں وغیرہ اکیلی رہ جاتی ہیں، غیر مسلم سے نقصان کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسی حالت میں عیدگاہ بنائی جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی عیدگاہ ویران نہ کریں، وہاں جا کر نماز پڑھا کریں(۳)، بستی میں بھی حسبِ ضرورت جامع مسجد میں عید کا

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "جامع مسجد میں عید کی نماز")

(۲) "وتؤدی صلوة العید بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقاً" (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۲/۱۷۶، سعید)

"وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع، فعند محمد رحمه الله تعالى يجوز الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۶، رشيدية)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمي)

"فذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة ="

انتظام کردیں، ضعیف اور معذور لوگ یہاں پڑھ لیا کریں، اس طرح معذوروں کو دشواری نہ ہوگی، بستی بھی خالی نہیں ہوگی(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## دو بستیوں میں ایک عیدگاہ

سوال [۴۰۰۳]: دو گاؤں میں جو بالکل قریب قریب ہیں اور دونوں میں کچھ فاصلہ بھی ہے، دونوں کے درمیان ایک عیدگاہ ہے اور جمعہ دونوں میں ہوتا ہے، لیکن نماز عید ایک ہی جگہ پڑھی جاتی ہے۔ امسال عید الفطر کے موقع پر ایک شخص تقریر کررہا تھا تو عیدگاہ والوں نے اس شخص کو تقریر کرنے سے منع کیا، نماز ایک تیسرے شخص نے پڑھائی اور دوسرے آدمی ذاتی منصب نے خطبہ پڑھا، اور عیدگاہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ تمام آدمیوں کو جگہ ہوسکے، بہت چھوٹی ہے، اس کے ہر طرف قبرستان ہیں، جو لوگ عیدگاہ میں نہیں آسکتے وہ پیچھے کھڑے ہوکر قبرستان میں نماز پڑھتے ہیں، تو اب عرض مستفتی یہ کہ اس وقت دوسری عیدگاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں نماز جمعہ کی شرائط موجود ہوں اس میں اولیٰ وافضل یہ ہے کہ جمعہ اور عید ایک ہی جگہ ہو،

---

= النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۶، قديمي)

"الخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالى عنه أمر رجلاً يصلي بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۸۶، إدارة القرآن كراچي)

"السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۶، رشيدية)

لیکن تنگی یا دیگر عوارض کی وجہ سے اگر دوسری جگہ بھی ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ پس اگر وہ دونوں گاؤں اپنی آبادی ودیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قصبہ کی مقدار ہیں، مثلاً ہر ایک کی مردم شماری تین چار ہزار ہے اور ہر ایک میں گلی کوچہ بازار ہے اور روزمرہ کی ضروری اشیاء کھانے، پہننے، دوا، ڈاک وغیرہ سے متعلق سب ملتی ہیں، تب تو دونوں میں علیحدہ علیحدہ جمعہ بھی جائز ہے اور عید بھی ہر بستی والے اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ عیدگاہ میں پڑھیں۔ اگر علیحدہ علیحدہ دونوں گاؤں قصبہ کے مثل نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ قصبہ کے مثل ہے، دونوں میں کوئی فصل نہیں بلکہ اتصال ہے، گو دیکھنے والے کو پہلے سے علم نہ ہو تو وہ دونوں کو ایک ہی بستی سمجھے (تو) دونوں ایک ہی بستی کے حکم میں ہیں، اس میں تعدد جمعہ وعیدین درست ہے (۲)۔ اگر ان

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن عليا رضي الله تعالى عنه أمر رجلا يصلي بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين".

"قال الشيخ ظفر أحمد رحمه الله تعالى: "قلت: إن نظرنا إلى الدليل الذي استدل به من جوز تعدد الجمعة فالأظهر عدم جوازه بدون الحاجة، فإن عليا رضي الله تعالى عنه إنما أقام العيد الثاني لحاجة ضعفة الناس إليه، وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانع صريح من التعدد فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف".

(إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۸/۴۲-۴۳، إدارة القرآن كراچی)

"(وتؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقاً)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيدية)

(۲) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة من الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۰، رشيدية)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى —

دونوں میں اتصال نہیں بلکہ انفصال ہے کہ ایک بالکل علیحدہ بستی ہے دوسری علیحدہ تو پھر وہاں نہ جمعہ کی نماز جائز ہے نہ عیدین کی (۱)۔

"وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء، بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائز بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك". شامي (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: عبد اللطیف، ۷/ ذیقعدہ/ ۵۹ھ۔

## قدیم عیدگاہ پر غیروں کے قبضہ ہوجانے کے اندیشہ سے نماز عید ادا کرنا

سوال [۴۰۰۳]: موضع دھناپڑہ جس کی مردم شماری تقریباً ۳۰۰۰ ہے اور دو مسجدیں پختہ ہیں اور

---

= الخطبة إلخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۵/۲، رشيدية)

(۱) "وعن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، إدارة القرآن كراتشي)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر إلخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، رشيدية)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

"عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالى عنه أمر رجلاً يصلي بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸۲/۸، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيدية)

ایک عیدگاہ بھی قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے جس میں موضع وصلا پور والے و دیگر آس پاس کے گاؤں کے آدمی نماز عیدین ادا کرتے ہیں، مگر تقریباً عرصہ ایک سال کا ہوا ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہاں نماز عیدین نہ پڑھو۔ اب لوگ نماز عیدین پڑھنے سے رک گئے مگر چونکہ موضع وصلا پور کے آس پاس اہلِ ہنود کا قبضہ ہو گیا ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں عیدگاہ پر قابض نہ ہو جائیں، چونکہ مسلمانوں کی حالت بہت ابتر ہے اور موجودہ صورت میں عیدگاہ قدیمہ میں چونکہ نماز عیدین نہیں پڑھی جاتی، خود موضع مذکورہ والے و متصل موضع والے نماز عیدین پڑھنے سے محروم ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنے چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز جائز نہیں(۱) اور جو مصلحت سوال میں بیان کی گئی ہے اس مصلحت سے بھی شرعاً وہاں عیدین کی نماز درست نہیں ہو سکتی۔

عیدگاہ کی حفاظت کے لئے سب لوگ مل کر کوئی اور تدبیر کر لی جائے اور عیدین کی نماز جب گاؤں والوں پر واجب نہیں تو پھر نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہ ہوگا، اس میں افسوس کی کیا بات ہے، اگر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کسی دوسری جگہ۔ جہاں پر نماز عیدین درست ہو سکتی ہو۔ جا کر پڑھا کریں جیسا کہ اہلِ عوالی کی کئی میل سے مدینہ شریف میں آتے تھے اور اپنے یہاں نہیں پڑھتے تھے(۲)۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۴۳۹، رقم الحديث: ۵۰۵۹، كتاب الصلوة، باب من قال: لاجمعة ولاتشريق الخ، دارالفكر بيروت)

"صلوة العيد في القرى تكره تحريماً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم، لأنه اشتغال بما لا يصح، لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالي". (سنن أبي داؤد، تفريع أبواب الجمعة، باب من تجب عليه صلوة الجمعة: ۱/۱۵۱، مكتبه دار الحديث ملتان)

"عن إبراهيم قال: تؤتى الجمعة من فرسخين". "عن أنس رضي الله تعالى عنه أنه كان يشهد -

عیدگاہ پر قبضہ کرنے کا خوف ہے اور یہ خوف نہیں کہ مکانوں پر جلد وقبضہ کرلیں گے، اگر یہ خوف ہو تو یہ مکانوں پر عیدین یا جمعہ کی نماز شروع کردی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

## جدید وقدیم عیدگاہوں میں نمازِ عید

سوال [۳۹۰۵]: واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چھوٹے اندرہ گاؤں کے لوگوں نے مل کر ۱۹۲۸ء میں ایک عیدگاہ بنائی فخر الدین صاحب کی آدھی بیگھہ زمین پر، اور فخر الدین صاحب نے مذکورہ آدھی بیگھہ زمین کو وقف کردیا۔ رفتہ رفتہ جب مصلیوں کی تعداد بڑھ گئی اور کہ وضو کی جگہ میں بھی عید کی نماز ادا ہونے لگی تو لوگوں نے مزید زمین کی ضرورت محسوس کی اور متولی فخر الدین صاحب سے مزید زمین کا مطالبہ کیا تو وہ عیدگاہ کی پچھم ( ) جانب سے حسبِ ضرورت زمین دینے پر راضی ہوگئے۔ اس کے بعد متولی صاحب کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے ان کی حیات میں مزید زمین لینے کی نوبت نہ آئی۔

اس کے بعد ان کے بڑے بیٹے ابراہیم کو متولی منتخب کیا گیا، نئے متولی صاحب کے دور میں پہلی مرتبہ نمازِ عید ادا کرنے کے بعد ان کے والد صاحب کی رضامندی کے مطابق لوگوں نے مزید زمین کا مطالبہ کیا، چونکہ زمین بالکل گھر کے قریب ہے اور ان کو بیچنے کے لئے اسی زمین کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے عیدگاہ کے لئے مزید زمین دینا ناممکن ہے کہہ کر جواب دے دیا، آخر لوگوں نے ان کو ان کے والد صاحب کا وعدہ یاد دلایا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور ایک تیز سی بات یہ کہی کہ جس نے زمین دی تھی ان کی قبر پر جاکر کہئے، ہم زمین نہیں دیں گے۔

اس کے بعد ایک اور عید کی نماز بالائے وضو اور وقف کردہ زمین کے علاوہ باہر بھی بہت دقت سے ادا کی گئی۔ اس کے بعد متعدد بار مجلس کرکے ان کو وہاں کے بھائیوں کو سمجھایا گیا اور منت سماجت بھی کی گئی، پھر

= الحسنة من الشيخ [illegible] على [illegible] أوجز المسالك، افتتاح الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/ ۲۹۰، إدارة تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) [illegible] مزید [illegible] (فتاویٰ [illegible] ۲۸۰ [illegible])

اس نے انکار کیا، آخر میں صرف چار ہاتھ زمین پچھم کی طرف سے اور کچھ پورب (۱) کی طرف سے دینے کا اقرار کیا، لوگوں نے اس کو رجسٹری وقف کر دینے کے لئے کہا، تب انہوں نے رجسٹری وقف کر دینے کے لئے انکار کر دیا، اس پر لوگوں نے کہا آپ کے والد صاحب نے زمین دینے کا وعدہ کیا لیکن انتقال ہو جانے کی وجہ سے آپ نے انکار کر دیا، خدانخواستہ اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو آپ کے لڑکے نہیں دیں گے، لہٰذا آپ رجسٹری کر دیجئے۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے انکار کیا اور کہا آپ لوگوں کی مرضی ہے جہاں مزید زمین ملے وہاں عیدگاہ منتقل کر لیں، ہم بھی اس میں راضی ہیں اور ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے۔

یہ اقرار کر کے دستخط کیا اور اس کے تمام مصلیوں نے متفق ہو کر ایک جلسہ منعقد کیا، اس میں یہ طے پایا کہ دوسری عیدگاہ بنائی جائے تو ان مصلیوں میں سے چار آدمیوں نے روہ دیکھ کر کے زمین وقف کر دینے کا وعدہ کیا، لیکن ان چاروں میں سے صرف ایک کی زمین اچھی جگہ میں ہونے کی وجہ سے سب نے قبول کیا، اس شخص نے رجسٹری وقف کر دی۔ اس کے بعد اس نئی عیدگاہ میں محراب تعمیر کرنے سے قبل بھی عیدگاہ قدیمہ کے متولی صاحب سے دوبارہ عرض کیا مگر انہوں نے اس مرتبہ بھی کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد محراب کی تعمیر مکمل ہوئی۔

واضح رہے کہ قدیم عیدگاہ میں کوئی محراب تعمیر شدہ نہیں تھی، اب قدیم عیدگاہ کے متولی مزید زمین دینے پر راضی ہوئے جب کہ نئی عیدگاہ کے محراب کی تعمیر مکمل ہو چکی، تب مصلیوں نے کہا کہ اب زمین دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد دو ڈھائی سو لوگوں نے اس جدید عیدگاہ کو چھوڑ کر قدیم عیدگاہ میں نماز ادا کی اور جدید عیدگاہ میں تقریباً چودہ سو آدمیوں نے نماز عید ادا کی۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں پانچ مقامی علماء نے قدیم اور جدید عیدگاہ کے مصلیوں سے وعدہ لیا کہ ہم لوگ جو فیصلہ کریں گے اسے مانیں گے۔ اس کے بعد ثبوت وعدہ کے لئے دونوں فریق سے دستخط کرائے، دونوں نے دستخط بھی کر دیئے۔ اس کے بعد علماء نے متفق ہو کر یہ رائے دی کہ سب مل کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کریں، اس فیصلہ کے بعد بھی کچھ لوگ قدیم عیدگاہ کے مصلیوں میں سے جدید عیدگاہ میں نماز ادا کی اور قدیم میں تقریباً ایک ڈیڑھ سو آدمیوں نے نماز عید پڑھی۔

**نوٹ:** قدیم عیدگاہ کے پچھم جانب کے علاوہ اور کسی جانب سے مزید زمین لینے کی گنجائش نہیں، کیونکہ ایک طرف تالاب ہے، دوسری طرف قبرستان، تیسری طرف مکان وباغ وغیرہ۔ پھر قدیم عیدگاہ میں جاتے ہوئے

---

(۱) "پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت، وہ جگہ یا ملک جو مشرق میں واقع"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور)

سے کوئی راستہ نہیں ہے، متولی صاحب کے مکان سے جانا پڑتا ہے، اگر راستہ طلب کیا جائے تو راستہ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ اس کے برعکس جدید عیدگاہ راستہ سے متصل ہے، مصلیوں کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا وجوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا دونوں عیدگاہ میں نماز عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر دونوں میں جواز کا حکم ہے تو کس میں افضل ہے؟

**نوٹ:** قدیم عیدگاہ میں آدھی چہار دیواری وقف ہے اور جدید عیدگاہ بھی وقف ہے، الغرض اگر جدید میں قدیم کے تمام مصلی آجائیں گے تو ایسی صورت میں قدیم عیدگاہ کی زمین کا کیا حکم ہوگا؟ آیا اس کو مسجد کی طرح تعمیر کر حفاظت کریں یا اس میں کھیتی کرسکتے ہیں، یا اس کے برعکس ہے یعنی جدید کے تمام مصلی قدیم میں آجائیں تو جدید کی زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم عیدگاہ بھی وقف ہے مگر چھوٹی ہے، جدید عیدگاہ بھی وقف ہے اور بڑی ہے جس میں سب نمازی آسکتے ہیں، اگر سب متفق ہوکر قدیم عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے تجویز کرکے آباد کرلیں اور عید کی نماز جدید عیدگاہ میں پڑھا کریں تو یہ صورت بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر ایسا کرلیں کہ جدید بڑی عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھا کریں اور جو لوگ بوڑھے معذور ہیں وہ قدیم عیدگاہ میں پڑھا کریں، اس طرح دونوں عیدگاہ آباد رہیں گی اور وقف کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ جب تک دونوں عیدگاہیں آباد رہیں، وہاں کھیتی وغیرہ نہ کریں، اگر کوئی صورت نہ ہوسکے تو پھر وہاں زمین کو کرایہ پر کھیتی کرکے اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صرف کریں(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۹۲ھ۔

## جدید عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے یا قدیم میں

**سوال [۴۰۰۱]:** آج تقریباً ۳۵ سال سے اوپر گزر رہے ہیں کہ ایک جگہ سرکاری زمین میں

---

(۱) "وفي فتاوى النسفي: سئل شيخ الإسلام عن متولي مسجد جعل منزلاً موقوفاً على المسجد مسجداً وصلى فيه الناس سنين كثيرة، ثم ترك الناس الصلاة فيه، فأعيد منزلاً مستغلاً، يعني غلة على ذلك المسجد كما كان؟ قال: يجوز". (الفتاوى التاتارخانية: ٥/٨٤٥، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، قديمي)

اردگرد کے تمام محلہ والوں اور بستی والوں نے مل کر ایک عیدگاہ قائم کی اور ساتھ ہی ساتھ منبر بنا کر اپنی حدتک عید کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، اس کے ساتھ ہی ایک گورنمنٹ ایل پی اسکول بھی قائم کیا گیا۔ اب علاوہ سرکاری زمین کے جتنے منافعات آتے ہیں سب کے سب اسکول ہی کے اخراجات میں صرف کئے جاتے ہیں، اور اس سرکاری زمین کے متولیین میں چند لا والد قسم کے اشخاص تھے، اب ان میں اکثر افراد انتقال کر چکے ہیں، صرف دو ایک ایسے افراد موجود ہیں جن کو اس سرکاری زمین کا مالک کہا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس زمین کا حقدار بتاتے ہیں، نیز اس زمین کو رجسٹری کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

اب بسا اوقات ایسا معاملہ پیش آتا ہے کہ ہتھیار سے لوگ لڑنے آتے ہیں، یہاں تک کہ عید کے دن لوگوں پر حکومت چلانا چاہتے ہیں، سب لوگ ان متولی کے کردار و معاملات سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں تو متولی اوران کی اولاد و فرزند لوگوں سے قتل وقتال کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ ہماری زمین ہے، کسی کے باپ کی زمین نہیں ہے، ہم اگر عید کی نماز پڑھنے کے لئے دیں تو تم پڑھ سکتے ہو ورنہ نہیں۔

اب لوگوں کا کہنا ہے کہ دراصل یہ زمین عیدگاہ کے لئے رجسٹر نہیں کی گئی، ہم بار بار اس شرارت پسند آدمی کی شرارت میں پھنسے نہیں رہیں گے۔ جو عیدگاہ کے لئے اللہ کے واسطے تھوڑی زمین وقف کریں گے ہم وہاں نماز پڑھیں گے لہٰذا دو آدمیوں نے مل کر ایک جگہ عیدگاہ کے لئے تھوڑی زمین وقف کرکے رجسٹری کرا دی، اب تمام محلوں اور بستیوں کے افراد سو فیصد اسی نئی عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

اس جھگڑے کو سلجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن دیکھا گیا کہ اگر اس طرح فیصلہ کرتے ہیں کہ پرانی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا لوگوں کو حکم دیا جائے تو خراب نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے، ممکن ہے کہ اس شرارت پسند متولی جو دس سال سے متولی ہے اس زمین کی پیداوار خود کھاتے ہیں، لوگوں سے کچھ جھگڑا چھیڑ کر ایک آفت کی صورت پیدا کر چھوڑے، لہٰذا اس حالت میں شریعت کا اس قدیم عیدگاہ کو چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز دو جدید عیدگاہ جو لوگوں نے قائم کی ہے برقرار رہے گی یا نہیں؟

**نوٹ:** جدید عیدگاہ قدیم جگہ سے تقریباً ایک فرلانگ کی مسافت میں واقع ہے اور قدیم سے جدید عیدگاہ کی جگہ بہت کشادہ ہے، ایک بازار کے قریب ہے، ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے اور عیدگاہ جدید کے پورب

پچھم (۱) دکھن (۲) میں، تین اطراف میں سرکاری راستے قائم ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین عیدگاہ کے لئے وقف کردی گئی اور مالک نے خوشی سے دی ہے، اس میں نماز درست ہے اور دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مالک نماز پڑھنا مکروہ ہے (۳)، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ دونوں فریق متفق ہو کر ایک دیندار اہلِ علم و دانش کو حَکم مقرر کرلیں، ان کے فیصلے پر سب عمل کریں، نزاع سے دور رہنا لازم ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## مجوسی کے وقف کردہ میدان میں نمازِ عید ادا کرنا

سوال [۴۰۰۷]: نوساری ایک قصبہ ہے جس میں متعدد مساجد ہیں، جامع مسجد بھی ہے یہاں پر عیدگاہ نہیں ہے، پہلے جامع مسجد میں نمازِ عید ادا کی جاتی تھی اب چند لوگوں نے عیدگاہ میں نماز کی فضیلت سن کر عیدگاہ کی کوشش شروع کردی ہے۔

شہر میں بیچ بازار شہر ہے ایک میدان ہے جو کسی مجوسی نے نیک کاموں کے لئے وقف کردیا ہے جو مسلم

---

(۱) "پچھم: مغرب" (فیروز اللغات)

(۲) "دکھن: جنوب کی سمت" (فیروز اللغات)

(۳) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة ... وأرض مغصوبة أو للغير الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۳۸۱/۱، سعيد)

"وتكره في أرض الغير بلا رضاه" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۸، قديمي)

(۴) "لأن العامي يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه، ثم قال: وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من غير تقييد بمذهب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۴۲۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۴۸۶/۲، رشيدية)

کے قبضہ میں ہے۔ اس میدان میں مولانا منظور صاحب نعمانی کا وعظ بھی ہوتا ہے، تو اگر میونسپل سے اجازت ہے کہ وہاں پر عیدین کی جماعت کرلی جائے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مندوب ومستحب یہ ہے کہ نماز عید آبادی سے باہر میدان میں ادا کی جائے، اس میدان میں ادا کرنے کی اجازت ہے، اگرچہ بچوں نے کھیل کود کے لئے وقف کیا ہو تو اس میں ادا کرنا احسن ہے، نماز عید کے لئے مسجد کے مقابلہ میں میدان کو ترجیح ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۹۹ھ۔

## کیا عیدگاہ بحکم مسجد ہے؟

سوال [۲۶۰۸]: از روئے شامی اگر جنازہ گاہ سڑک کے کنارے میدان یا جنگل میں ہو تو وہاں امام اور مقتدیوں کے درمیان کم از کم کتنی گاڑی گذر جانے کا فاصلہ مفسد نماز ہوتا ہے، نیز روئے خلاصۃ الفتاویٰ جنازہ گاہ اور عیدگاہ میں اتصال صفوف صحت اقتداء کے لئے شرط نہیں(۲)۔

(الف) اس مسئلہ میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جنازہ گاہ اور عیدگاہ عموماً بستی سے باہر ہی

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر: ۱/۱۳۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلوتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر: ۲/۵۶۷، قديمي)

"والخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(۲) "وفي مصلى العيد الفاصل لايمنع الاقتداء وإن كان يسع فيه صفان أو أكثر، وفي المتخذ لصلاة الجنازة اختلف المشائخ، وفي النوازل جعله كالمسجد". (خلاصة الفتاوى: ۱/۱۵۰، كتاب الصلوة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، جنس آخر في المانع من الاقتداء، رشيديه)

ہوتی ہیں، پھر ان میں فاصلہ مفسد صلوۃ کیوں ہے؟

(ب) یا خلاصۃ الفتاویٰ کا یہ مطلب ہے کہ جنازہ گاہ اور عیدگاہ بستی میں ہوں تب اتصالِ امام وصفوف شرط اقتداء نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں میں تعارض نہیں، مسجد، جنازہ گاہ اور عیدگاہ بحکم اقتداء بمنزلہ مسجد ہیں، مسترک کا یہ حکم نہیں،
کذا فی الهندیة(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو قام الإمام في الطريق واصطف الناس خلفه في الطريق على طول الطريق إن لم يكن بين الإمام وبين من خلفه في الطريق مقدار مايمرّ فيه العجلة، جازت صلاتهم، وكذا فيما بين الصف الأول والثاني إلى آخر الصفوف . . . وفي مصلى العيد لايمنع الاقتداء وإن كان يسع فيه الصفين أو أكثر وفي المتخذ لصلاة الجنازة اختلاف المشايخ، وفي النوازل جعله كالمسجد كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۸۷، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالايمنع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۵/ ۸۶۳، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون في المساجد، قديمي)

# الفصل الرابع في تعدد العيد وتكراره

## (نمازِ عید میں تعدد اور تکرار کا بیان)

### نمازِ عید دو جگہ

سوال[۴۰۰۱]: چند گاؤں والے مل کر ایک ساتھ ایک آدمی کی زمین متعین کر کے نماز پڑھا کرتے تھے مگر وہ زمین دریا سے کٹ کر ویران ہوگئی، لہٰذا لوگ بلا متعین کیے ہی نماز پڑھنے لگے مگر کچھ دن بعد اس نے زمین دیدی دوبارہ اس میں نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب نے مل کر ایک جگہ اتفاق کے ساتھ نمازِ عید ادا کرنا تجویز کر لیا یہ بہت اچھا کیا، اس میں خیر و برکت ہے، اگرچہ بوقتِ ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی پڑھنے سے نمازِ عید ادا ہو جاتی ہے۔ "وتؤدی صلوٰة العید بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً الخ"۔ در مختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

"عن أبي إسحاق "أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً يصلي بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانع صريح من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف" (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۴۲، ۴۳، إدارة القرآن كراتشي)

"وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع فعند محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز، الخ" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيدية)

## ایک سے زائد جگہ عید کی نماز

سوال [۴۵۱۰]: کسی میدان میں ایک عیدگاہ ہے، وہاں ۱۰۰۰/ یا ۲۰۰۰/ لوگوں کا مجمع ہوتا ہے، کوئی مفسد آدمی دنیاوی تنازع کے واسطے چند آدمیوں کو لے کر اس جماعت سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ عیدگاہ بنالے، آیا یہ عیدگاہ بنانا جو باعثِ فتنہ وفساد ہوگی اور تفریقِ جماعتِ مسلمین پر مشتمل ہوگی اس کا کیا حکم ہے، وہ آیت شریفہ ﴿ولا تفرقوا ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (۱) وحدیث: "وإياكم والفرقة، فإنها هي الحالقة" (۲) کی وعید میں داخل ہوگی یا نہیں؟

روح الامین نمبر: ۳۴، مرزاپور، اسٹریٹ، کلکتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھی جائے، لیکن عوارض کی وجہ سے مثلاً جگہ تنگ ہو یا امامت پر جھگڑا ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ تو ایک سے زائد جگہ پڑھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، بلکہ اگر ایک جگہ فتنہ وفساد کا خوف ہو تو بہتر

---

(۱) (سورة الأنفال: پ: ۱۰، آية: ۴۶)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ وقد ذكره الهيثمي بلفظ: "عن يسير قال: لقيت أبا مسعود رضي الله تعالى عنه ... سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الفتن، فقال: "إنا لا نكتم شيئاً، عليك بتقوى الله والجماعة، وإياك والفرقة، فإنها هي الضلالة". الحديث. (مجمع الزوائد، كتاب الخلافة، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهي عن قتالهم: ۵/ ۲۱۹، دار الفكر، بيروت)

وأحمد في مسنده بلفظ: "قال: سمعت زكريا بن سلام يحدث عن أبيه عن رجل قال: انتهيت إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو يقول: "أيها الناس! عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة، أيها الناس! عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة". ثلاث مرار، قالها إسحاق". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، (رقم الحديث: ۲۲۶۳۵): ۱۰/ ۲۰۵۱، ۱۰۱ه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وأبو داود في سننه بلفظ: "عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة؟" قالوا: بلى، قال: "إصلاح ذات البين، وفساد ذات البين الحالقة". (كتاب الأدب، باب في إصلاح ذات البين: ۲/ ۳۲۲، رحمانية)

یہ ہے کہ الگ الگ پڑھی جائے تاہم تقلیل افضل واحب ہے، "تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقاً". درمختار، ص: ۱۱٦ (۱) اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا گناہ ہے اس سے اجتناب اور توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/صفر/۵۲ھ۔

## ہر محلہ میں الگ الگ عید کی نماز

سوال [۳۴۱۱]: ۱ ...تین تین چار چار محلے کے مسلمانوں نے مل کر ایک ایک عیدگاہ تعمیر کی جس میں سالہا سال تک عید کی نماز ہوتی چلی آرہی تھی، اور ایک عیدگاہ کے زمین کی ملکیت خاص ایک محلہ کے باشندہ کی تھی جو اس عیدگاہ کی خاص خدمت بجالاتے اور انتظام کرتے تھے، امام بھی انہوں نے مقرر کئے، دوسرے محلوں کے آدمیوں کی بھی شرکت تھی، فی الحال کسی ایک عالم صاحب جو کسی عیدگاہ کے امام نہیں لوگوں کو بڑی جماعت کی بڑی فضیلت کی طرف ترغیب دیکر دوسری کوئی کھلی جگہ پر لیجا کر عیدوں کی نمازیں پڑھایا کرتے ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت متفرق ہو کر کچھ لوگ بڑی جماعت کا ثواب لوٹنے کے لئے عیدگاہوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ تو اپنی پرانی عیدگاہوں کو ویران چھوڑنا گوارا نہیں کرتے ہیں اور اس حالت پر تنہا کہیں جماعت

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب العیدین: ۲/۱۲۷، سعید)

"عن أبي إسحاق أن علياً رضي اللہ تعالیٰ عنہ أمر رجلاً فصلی بضعفۃ الناس یوم العید في المسجد رکعتین". قال الشیخ ظفر أحمد العثماني رحمہ اللہ تعالیٰ: "وإن تفرقا إلی أنہ لم یثبت مانع صریح من التعدد، فالأظہر الجواز مطلقاً، والعید فیہ سواء، إلا أنہ یستحب أن لا تؤدی بغیر حاجۃ إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، أبواب الجمعۃ، باب تعدد الجمعۃ: ۸/۳۴، إدارۃ القرآن کراچی)

"یجوز تعددھا في مصر واحد في موضعین وأکثر اتفاقاً". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲/۲۸۳، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السابع عشر في العیدین: ۱/۱۵۰، رشیدیہ)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، شرائط الجمعۃ: ۱/۵۸۵، رشیدیہ)

میں تفرقہ ڈالنے کا باہم الزام اور بہتان لگاتے ہیں، کوئی تو عیدگاہوں کا وقف ہونا لازم سمجھتے ہیں اور اس کی تحریری دلیل طلب کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بڑی جماعت ہونے کے لئے، بنگ کے ذریعہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جگہ فلاں وقت عید کی نماز پڑھائیں گے، یہ اعلان سن کر جماعت کے امام صاحب کے مریدین، معتقدین اور شاگرد اپنے اپنے عیدگاہ چھوڑ کر لوٹ پڑتے ہیں اور ہمیشہ عیدگاہ خالی پڑی رہتی ہے اور چھوٹی چھوٹی جماعت ہوتی ہے۔

۲...پرانی عیدگاہ کا وقف صحیح ہے، چھوڑنا یا چھڑانا اور جماعتوں میں ضرر ڈال کر کسی خاص شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی خواہش سے دوسری جگہ چلا جانا جائز ہے یا ضروری ہے یا افضل ہے؟

۳..."خرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في يوم الفطر وصلى ركعتين بغير الأذان والإقامة"(۱) کی بناء پر بانگ کے ذریعہ اعلان کرنا برائے نماز عید جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...تفریق ابتداء ہی میں کردی گئی کہ ہر محلہ والوں نے ایک جگہ متفق ہو کر عید کی نماز پڑھنا پسند نہ کرتے ہوئے جداگانہ عیدگاہیں بنالیں اور ہر عیدگاہ میں مستقل نماز ہونے لگی، پھر اس پر مزید تفریق یہ ہوگئی کہ ہر عیدگاہ کے آدمی کٹ کٹ کر بڑے میدان میں چلے گئے، نماز ہر ہر عیدگاہ میں بھی ادا ہو جائے گی اور میدان میں بھی ادا ہو جائے گی، نماز عید کے لئے وقف عیدگاہ ہونا ضروری نہیں۔ آپس میں خلفشار نہ کریں، جو جگہ نماز عید کے لئے وقف ہے وہاں نماز افضل ہے اور مساجد کو چھوڑ کر آبادی سے باہر میدان میں جا کر نماز پڑھنا

(۱) لم أجده بهذا اللفظ بل أخرجه الخمسة عن جابر رضي الله عنه بلفظ: "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۲۳۲/۱، سعيد)

(وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب العيدين، فصل في الصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة الخ: ۲۹۰/۱، قديمي)

(والترمذي في سننه في أبواب العيدين، باب أن صلاة العيدين بغير أذان ولا إقامة: ۱۱۹/۱، سعيد)

(وأبو داود في سننه في كتاب الصلاة، باب ترك الأذان في العيد: ۱۶۲/۱، دار الحديث، ملتان)

(وابن ماجة في سننه في كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة العيدين، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

نہیں؟ اگر ہے تو کون سی عیدگاہ میں؟ واضح کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ فضیلت اب بھی باقی ہے(۱) اور دونوں میں ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## ایک بستی میں متعدد عیدگاہیں

سوال[۴۰۰۲]: ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہیں ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ صرف دو فرلانگ ہے اور اب ان دونوں عیدگاہوں سے تقریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر (درمیان میں ایک دریا بھی ہے اور دریا کے اوپر ایک پل ہے) ایک تیسری عیدگاہ گزشتہ عید الفطر سے جاری ہوئی، دو سال ہوئے بندہ کو...... سب ڈویژن کا قاضی منتخب کیا گیا ہے، یہ...... سرکاری طرف سے منتخب ہوتا ہے۔ بندہ قاضی ہونے کے بعد ان متنازع دونوں عیدگاہوں میں سے کسی میں نہیں گیا۔ یہاں اکثر مساجد میں بھی عید کی نماز ہوتی ہے۔ ان امور میں شرعاً جو حکم ہو وہ مطلوب ہے، ان مذکورہ عیدگاہوں میں سے شرعی عیدگاہ کون سی ہے؟

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالیٰ عنه أمر رجلاً فصلی بضعفة الناس یوم العید في المسجد رکعتین". قال الشیخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "وإن نظرنا إلی أنه لم یثبت مانع صریح من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً والعید فیه سواء، إلا أنه یستحب أن لا تؤدی بغیر حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۸/ ۷۲، ۷۳، إدارة القرآن)

(۲) "وتؤدی صلوة العید بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقاً الخ". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۲/ ۱۷۶، سعید)

"وتجوز إقامة صلاة العید في موضعین، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع، فعند محمد رحمه الله یجوز، الخ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العیدین: ۱/ ۱۵۰، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۱/ ۵۸۷، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ان کو نماز عید کے لئے بنایا گیا ہے اور وقف کردیا گیا ہے اور دونوں جگہ نماز عید ادا کی جاتی ہے تو دونوں ہی شرعی عیدگاہ ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## ایک ہی امام کا دو جگہ نماز عید پڑھانا

سوال [۴۲۱۰]: دو جگہ ہیں اور دونوں کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے اور ایک امام ہے اور وہ دوسری جگہ نماز پڑھاتا ہے اور اس جگہ اپنے نائب وغیرہ کو کردیتا ہے، مگر اس کی صورت یہ ہے کہ ایک بستی والے چاند کی خبر سن کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور دوسری جگہ والے نماز نہیں پڑھتے اور وہی امام دونوں جگہ نماز پڑھاتا ہے، حالانکہ امام روزہ سے ہے۔ تو کیا اول جماعت والے کی نماز ہوگی اور اس امام کی نماز ہوگی یا نہیں؟ دوسری جماعت والے دوسرے دن نماز پڑھتے ہیں اور وہی امام پڑھاتا ہے تو اس صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پہلی دفعہ (چاند ہونے پر) نماز عید امام نے ایک جگہ پڑھا دی تو دوسرے دن دوسری بستی میں اس کو نماز عید پڑھانے کا حق نہیں اور اس کے پیچھے دوسرے دن پڑھنے والوں کی نماز درست نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "دو عیدگاہوں میں نماز عید ادا کرنا"۔)

(۲) "أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم صلى بالناس صلاة الخوف، وجعل الناس طائفتين، وصلى بكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه".

قال العلامة الكاساني تحت الحديث المذكور: "ولو جاز اقتداء المفترض بالمتنفل، لأتم الصلاة بالطائفة، ثم نوى النفل وصلى بالطائفة الثانية لينال كل طائفة فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وأفعال كثيرة ليست من الصلاة". (بدائع الصنائع، بيان شرائط الاقتداء: ۱/ ۳۵۸، رشيديه)

## ایک امام گاؤں میں مردوں کو، پھر عورتوں کو عید پڑھائے

سوال[۴۰۰۵]: ایک بہت چھوٹی سی بستی ہے اس میں نماز جمعہ بھی نہیں ہوتی ہے لیکن امام صاحب عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، پہلے جنگل میں مردوں کو پڑھاتے ہیں پھر مسجد میں آکر تمام مستورات کو نماز عیدین مسجد میں پڑھاتے ہیں جس میں کوئی مرد شریک نہیں ہوتا، صرف عورتیں اور امام مرد جو بیچ میں کوئی پردہ حائل ہوئے بغیر پڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں نماز جمعہ درست نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں۔ وہاں نماز عید پڑھنا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ امام صاحب کا یہ طریقہ شرعاً غلط اور واجب الترک ہے، عورتوں پر شہر میں بھی نماز عید فرض نہیں چہ جائیکہ چھوٹے گاؤں میں اور وہ بھی اس طرح کہ امام صاحب پہلے مردوں کو پڑھائیں پھر عورتوں کو بے پردہ، ان کو توبہ لازم ہے سب مردوں اور عورتوں کو بھی اس سے توبہ لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

= "(ولا يصح اقتداء) ... مفترض بمتنفل وبمفترض فرض آخر ... (ولا ناذر بحالف) ... لأن المنذورة أقوى". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۹، ۵۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۱، رشيدية)

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث: ۵۰۵۹، كتاب الصلاة، باب من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع: ۲/۳۳۹، دار الفكر بيروت)

"صلوة العيد في القرى تكره تحريماً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۷، رشيدية)

(۲) "عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله تعالى عنهم مرفوعاً: "صلوة المرأة في بيتها خير من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في حجرتها خير من صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها =

## امام صاحب کا نمازِ عید مکرر پڑھنا

سوال[۳۹۱۹]: عید کی نماز کا اعلان امام صاحب نو بجے کا کر دیتے تھے تو حسبِ اعلان ٹھیک نو بجے نمازِ عید ادا کی گئی لیکن نماز ادا کرنے کے بعد باقی لوگ جو ٹائم پر نہیں آئے تھے وہ آئے اور امام صاحب کو نماز پڑھانے کے لئے کہا، فقط جھگڑا جانتا ہے سننے میں آیا کہ وہاں جھگڑا ہونے کا ڈر تھا جس کی بنا پر امام صاحب نے ان کو بھی نماز پڑھائی جو کہ درست نہیں ہے تو کیا ایک امام عید کی دو نماز باجماعت پڑھا سکتا ہے؟ اور جو نماز انھوں نے پڑھائی وہ درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھادی، پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ، امام صاحب نے ان کو بھی پڑھادی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

= خيرٌ من صلاتها في مسجد قومها".

"وعن عائشة رضي الله تعالى عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأى ما أحدث النساء بعده، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "تجب العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(۱) "إن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم "صلى بالناس صلاة الخوف، وجعل الناس طائفتين، وصلى بكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه". قال العلامة الكاساني تحته: "ولو جاز اقتداء المفترض بالمتنفل، لأتم الصلاة بالطائفة، ثم يؤم النفل ويصلي بالطائفة الثانية لينال كل طائفة فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي والأفعال الكثيرة ليست من الصلاة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شرائط الاقتداء: ۱/۳۵۸، رشيدية)

"(ولا يصح اقتداء) … مفترض بمتنفل، ومفترض فرضاً آخر … (ولا ناذر بحالف) لأن المنذورة أقوى". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۷-۵۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۲، رشيدية)

# الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

## (تکبیراتِ عید کا بیان)

### تکبیراتِ عیدین

سوال[۲۹۱۷]: بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف میں "بـاب صلوٰۃ العیدین" کے بیان میں آیا ہے کہ عید کی نماز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہ تکبیر سے پڑھی ہے(۱) پہلی رکعت میں سات تکبیر، دوسری رکعت میں پانچ تکبیر پڑھی ہے، اس کے مطابق مولانا ولی اللہ شاہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں جو کہ اردو ترجمہ میں ہے بروقت موجود ہے، ترجمہ مولانا ابوالعلا محمد اسمٰعیل گودھری نے کیا ہے جس کے اندر جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۷۰، "اسلام کی دو عیدیں" کے بیان میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات کہے اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیر کہے(۲)۔ اگر اس کے مطابق نماز ادا کی گئی تو قبول ہوگی یا نہیں؟ ہمارے کرم آپ علماء حضرات سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کی تکبیرات سے متعلق روایات مرفوعاً وموقوفاً مختلف اور متعدد ہیں، اسی وجہ سے اس میں ائمہ

---

(۱) "عن کثیر بن عبد اللہ عن أبیہ عن جدہ: أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبّر فی العیدین فی الأولیٰ سبعاً قبل القراءۃ، وفی الآخرۃ خمساً قبل القراءۃ". (جامع الترمذی: أبواب العیدین، باب فی التکبیر فی العیدین: ۱۱۹/۱، سعید)

(۲) "یکبر فی الأولیٰ سبعاً قبل القراءۃ والثانیۃ خمساً قبل القراءۃ". (حجۃ اللہ البالغۃ، کتاب الصلاۃ، العیدان، صلاۃ العیدین وخطبتھما: ۲۹۷/۲، قدیمی)

اقوال ہیں جن کو نیل الاوطار (۱) اور بذل المجہود (۲) میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مجتہد محقق علماء نے ان روایات میں سے اپنے اصولِ ترجیح کے تحت کسی روایت کو اختیار فرمایا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ چھ تکبیراتِ زوائد مانتے ہیں: تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے، تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد، نیز اس رکعت میں تکبیرِ رکوع کو بھی واجب فرماتے ہیں اور پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ بھی ضروری ہے، لہٰذا ہر رکعت میں چار چار تکبیریں ضروری ہوگئیں۔ اور دلیل یہ حدیث ہے:

"عن مكحول قال: أخبرني أبو عائشة جليس لأبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان: كيف كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يكبر في الأضحى والفطر؟ فقال أبو موسى: كان يكبر أربع تكبيرة على الجنائز. فقال حذيفة: صدق. فقال أبو موسى: كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم. قال أبو عائشة: وأنا حاضر عند سعيد بن العاص الخ". أبوداود شريف(۳)

---

(۱) "وقد اختلف العلماء في عدد التكبيرات في صلاة العيد في الركعتين وفي موضع التكبير على عشرة أقوال: أحدها أنه يكبر في الأولى قبل القراءة، وفي الثانية خمساً قبل القراءة. قال العراقي: وهو قول أكثر أهل العلم من الصحابة والتابعين والأئمة. قال: وهو مروي عن عمر وعلي وأبي هريرة وأبي سعيد وجابر وابن عمر وابن عباس وأبي أيوب رضي الله تعالى عنهم ... وبه يقول مالك والأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحاق. قال الشافعي والأوزاعي وإسحاق وأبو طالب وأبو العباس: إن السبع في الأولى بعد تكبيرة الإحرام ... القول الرابع: في الأولى ثلاث بعد تكبيرة الإحرام قبل القراءة، وفي الثانية ثلاث بعد القراءة، وهو مروي عن جماعة من الصحابة: ابن مسعود وأبي موسى وأبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالى عنهم، وهو قول الثوري وأبي حنيفة رحمه الله تعالى".

مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (نيل الأوطار للإمام الشوكاني، كتاب العيدين، باب عدد التكبيرات في صلاة العيد ومحلها، أقوال العلماء في عدد التكبيرات، صلاة العيد: ۳۰۸/۳، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب التكبيرات في العيدين: ۲۰۶/۲، معهد الخليل الإسلامي)

(۳) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين: ۱۷۰/۱، إمدادية ملتان)

وکذا فی بذل المجهود (۱) والزيلعي (۲) ومجمع الفوائد (۳)۔

نیز یہ حدیث مختصر منذری، مسند احمد، تحقیق ابن الجوزی میں بھی ہے، کما فی البذل (۴)۔ اگر کسی نے آٹھ کے بجائے بارہ تکبیریں کہی ہیں تب بھی اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، مسلک ابوحنیفہ کے خلاف ہوگا (۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال [۴۹۱۸]: از موضع سراسے میدان، تحصیل قنوج، ولی محمد نظیر ماسٹر، متصل ویدانی گیٹ قنوج۔

مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دریافت طلب مسئلہ کا جواب ملا، شکریہ، کافی مسائل نے احادیث کا حوالہ چاہا تھا، ہمارے یہاں ایک صاحب آئے ہیں انہوں نے کئی صحیفوں کے حوالے سے تعدادِ تکبیرات اور ادائیگی کی کچھ اور صورت بتائی ہے یعنی عیدین میں تکبیرات پہلی رکعت میں علاوہ تکبیرِ قیام کے سات اور دوسری میں علاوہ تکبیرِ قیام کے پانچ تکبیرات

---

(۱) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ۲/۲۰۸، معهد الخليل الإسلامي)

(۲) (أخرجه العلامة جمال الدين عبدالله بن يوسف الزيلعي في نصب الراية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۱۳۲، رقم الحديث: ۲۸۲۲، المكتبة المكية)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱/۱۸۳، رقم الحديث: ۲۰۰۵، المكتبة الإسلامية، لائل پور)

(۴) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ۲/۲۰۹، معهد الخليل الإسلامي)

(۵) "قال محمد في الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد، وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله عنه، فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام، إلا إذا كبر الإمام تكبيراً لم يكبره أحد من الفقهاء، فحينئذ لا يتابعه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۱، رشيدية)

"ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنياً قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة، ولو زاد، تابعه إلى ستة عشر، لأنه مأثور". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

ہیں قراءت سے پہلے، یہ بارہ تکبیرات ہوئیں، آپ نے چھ تکبیرات زائد تحریر کی ہے مگر حوالہ نہ معلوم ہو سکا۔ جو صاحب ہمارے یہاں گاؤں میں آتے ہیں انہوں نے حوالہ حدیث مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف، دارمی شریف، اس میں امام ترمذی نے امام بخاری سے صحت کی نقل کی ہے۔ آپ برائے مہربانی کوئی حدیث شریف تحریر فرمادیں تاکہ میں پیش کرسکوں، یہ بارہ تکبیرات پر عمل کروں۔

دیگر یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سب لوگ اپنے خود کو کس نام سے متصل اور موسوم کرتے تھے جس طرح آج ہم لوگ حنفی سے موسوم کرتے ہیں یا بریلوی موسوم کرتے ہیں، آخر ہم لوگ اپنے کو کس نسبت سے منسوب کریں؟ بحوالہ حدیث شریف تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور نیت روزہ رکھنے کی جو الفاظ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل میں ضرور ہوگا، وہی الفاظ ہم بھی اپنے عمل میں لانا چاہتے ہیں، بحوالہ حدیث شریف تحریر فرما کر مشکور فرمادیجئے۔ دیگر یہ کہ آپ کے ذریعے بڑے پیر صاحب کی تصنیف کردہ کتابیں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ترجمہ اردو مکمل اگر مل سکے تو ہدیہ تحریر کیجئے تاکہ میں پہلے ہی آپ کو بھیج دوں۔ فقط والسلام

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عیدین کی نماز میں بارہ تکبیروں کا تذکرہ حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے(۱) مگر امام بخاری سے اس حدیث کی صحت نقل نہیں کی، ترمذی شریف میں دیکھ لیا جائے، جو شخص حوالہ دیتا ہے غلط ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے اس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "رکن من ارکان الکذب" دارقطنی نے لکھا ہے: "متروک" ابوحاتم نے کہا ہے: "لیس" نسائی نے کہا: "لیس بثقة"۔

مطرف بن عبداللہ مدنی نے کہا ہے: رأیناه وکان کثیر الخصومة، لم یکن أحد من أصحابنا

---

(۱) "عن کثیر بن عبد الله عن أبیه عن جده أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کبر فی العیدین فی الأولی سبعاً قبل القراءة، وفی الآخرة خمساً قبل القراءة". (جامع الترمذی، أبواب العیدین، باب التکبیر فی العیدین: ۱/۱۱۹، سعید)

بأحد عنه. قال له ابن عمر أو القاضي يا كثير: أنت رجل بطال تخاصم فيما لا تعرف وتدعي ما ليس لك وما لك بينة، فلا تقربني إلا أن تراني تفرغت لأهل البطالة". ابن حبان نے کہا ہے: "له عن أبيه عن جده نسخة موضوعة" (۱)۔ یہ حال تو ترمذی کی روایت کا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت (۲) میں عبدالرحمن ابن سعد راوی ہے اس کے متعلق علامہ ذہبی نے لکھا ہے: "ليس بذاك" (۳) خزرجی نے لکھا ہے: "ضعفه ابن معين" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: "ضعيف" (۴)۔ ایک راوی اس میں سعد بن عمار ہے اس کے متعلق ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: "لا يكاد يعرف" (۵)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: "مستور" (۶)۔

---

(۱) (تهذيب الكمال، للحافظ يوسف المزي: ۱۳۶/۲۴، ۱۳۹، رقم الترجمة: ۴۹۸۸، مكتبة مؤسسة الرسالة)

(۲) "عن عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حدثني أبي عن أبيه عن جده "أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يكبر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كم يكبر الإمام في صلاة العيدين، ص: ۹۱، قديمي)

(۳) (ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي رحمه الله تعالى: ۵۶۶/۲، رقم الترجمة: ۴۸۶۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) (تهذيب الكمال للحافظ يوسف المزي: ۱۳۳/۱۷، ۱۳۴، رقم الترجمة: ۳۸۴۵، مكتبة مؤسسة الرسالة) (وكذا في تهذيب التهذيب، لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى: ۱۸۳/۶، رقم الترجمة: ۳۷۶، دار صادر بيروت)

(۵) (ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي رحمه الله تعالى: ۱۲۲/۲، رقم الترجمة، ص: ۳۱۴۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۶) (تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى: ۴۷۹/۳، رقم الترجمة: ۸۹۱، دار صادر بيروت)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب تكبيرات العيدين: ۳۰۷/۲، معهد الخليل الإسلامي)

=

تکبیرات لازمہ حنفیہ کے نزدیک آٹھ ہیں: پہلی رکعت میں چار ہیں، ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیرات زوائد، دوسری رکعت میں چار ہیں تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر رکوع۔ "عبدالرزاق" نے سند صحیح کے ساتھ، طبرانی نے سند جید کے ساتھ، طحاوی نے سند حسن کے ساتھ، ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے(۱) آپ کے کارڈ میں بقیہ سوالات کے جوابات کی گنجائش نہیں لفافہ ہوتا تو سب کے جوابات آجاتے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## نمازِ عید میں بارہ تکبیر کہنا

سوال[۴۱۱۰]: ایک طالب علم حنفی ہے، مگر اس کے گاؤں کے سب نمازی غیر مقلد ہیں، نمازِ عید کے لئے اس کو مجبور کیا تو اس نے بجائے چھ تکبیر کے بارہ تکبیریں پڑھیں تو کیا اس کے لئے مجبوراً گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش ہے مگر ایک بات پر تعجب ہے کہ مقتدی لوگ امام کو اپنا تابع بناتے ہیں، اگر ان کے پیچھے نماز

---

= (واخرجه الحافظ الكبير عبدالرزاق الصنعاني في مصنفه، كتاب صلاة العيدين، باب التكبير في صلاة يوم العيد: ۲۹۳/۳، رقم الحديث: ۵۶۸۷)

(وأخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۳۴۷/۲، ۳۴۷، المكتبة الحقانية ملتان)

(ورواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون، بحواله مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيد والقراءة فيه: ۲۰۴/۲، دارالفكر بيروت)

(۱) "قال أخبرني أبو عائشة جليس لأبي هريرة أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يكبر في الأضحى والفطر؟ فقال أبو موسى: كان يكبر أربع تكبيرة على الجنائز. فقال حذيفة: صدق، فقال أبو موسى: كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، قال أبو عائشة: وأنا حاضر عند سعيد بن العاص رضي الله تعالى عنه". (أبو داود، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين: ۱۷۰/۱، مكتبه إمداديه ملتان)

پڑھتے ہے اور مقتدی بھی تو اس کے تابع ہو کر پڑھیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑنا

سوال[۴۰۲۰]: عیدین کی نماز میں جو تکبیریں ادا کرتے وقت ہر وقت کانوں تک ہاتھ اٹھا کر کھلے چھوڑ دینا درست ہے یا ہر بار باندھ لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی رکعت میں پہلی اور دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں اور دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## عید الفطر میں تین دفعہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑنا

سوال[۴۰۲۱]: امام صاحب نے نماز عید الفطر کی ترکیب اس طرح بیان کی کہ "اللہ اکبر کہہ کر

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالى عليه في الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد، وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام، إلا إذا كبر الإمام تكبيراً لم يكبره أحد من الفقهاء، فحينئذ لا يتابعه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۱، رشيديه)

"ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنياً قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة، ولو زاد تابعه إلى ستة عشر، لأنه مأثور". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

(۲) "ويرفع يديه في الزوائد (وليس بين تكبيراته ذكر مسنون) ولذا يرسل يديه". (الدر المختار). "(قوله: ولذا يرسل يديه) أي في أثناء التكبيرات ويضعهما بعد الثالثة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۳، سعيد)

"ويرفع يديه في الزوائد، ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات [illegible] ويرسل اليدين بين التكبيرتين، ولا يضع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

ہاتھ چھوڑ دیں۔ اسی طرح تین مرتبہ ہاتھ چھوڑ دیا کریں، چوتھی مرتبہ "اللہ اکبر" کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اس کے بعد دوسری رکعت کی ترکیب اس طرح بیان کی کہ امام قراءت کے بعد "اللہ اکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے گا اور مقتدی بھی اسی طرح کریں، چار مرتبہ اسی طرح "اللہ اکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور پانچویں مرتبہ "اللہ اکبر" کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

مذکورہ بالا ترکیب پر اسی طرح عمل بھی کیا گیا، از روئے شریعت نماز عید الفطر کی یہ ترکیب صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس ترکیب پر عمل کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز اس طرح بھی ادا ہوگئی، لیکن اصل طریقہ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ اول تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور "سبحانک اللہ" پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں، دوسری دفعہ پھر ایسا ہی کریں، تیسری دفعہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور امام "اعوذ باللہ بسم اللہ" وغیرہ پڑھ کر رکوع دوسری نمازوں کی طرح کرے، دوسری رکعت میں الحمد اور سورت پڑھ کر تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۱) "يصلي الإمام ركعتين، فيكبر تكبيرة الافتتاح، ثم يستفتح، ثم يكبر ثلاثاً، ثم يقرأ جهراً، ثم يكبر تكبيرة الركوع، فإذا قام إلى الثانية قرأ، ثم كبر ثلاثاً، وركع بالرابعة، فتكون التكبيرات الزوائد ستاً، ثلاثاً في الأولى، وثلاثاً في الأخرى، وثلاث أصليات: تكبيرة الافتتاح، وتكبيرتان للركوع، فيكبر في الركعتين تسع تكبيرات، ويوالي بين القراءتين، وهذه رواية ابن مسعود، وبها أخذ أصحابنا. ويرفع يديه في الزوائد، ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات ويرسل اليدين بين التكبيرتين ولا يضع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۸۱، ۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲-۱۷۳، سعيد)

# الفصل السادس في تكبيرات التشريق

## (تکبیراتِ تشریق کا بیان)

### نمازِ عید کے بعد تکبیراتِ تشریق

سوال[۴۱۲۲]: عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر "الله اکبر الله اکبر، لا إله إلا الله، والله اکبر ولله الحمد" باآوازِ بلند کہنا چاہئے یا نہیں، یا صرف نمازِ فریضہ کے بعد باآوازِ بلند تکبیر کہنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر فرض نماز کے بعد جہراً کہنا چاہئے اور نمازِ عید الاضحیٰ کے بعد بھی جہراً کہنا چاہئے(۱)۔ فقط واللہ علم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۶۴ھ۔

---

(۱) "قال الله تعالیٰ: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ وقال ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: ﴿ويذكروا اسم الله في أيام معلومات﴾ أيام العشر، "والأيام المعدودات" أيام التشريق"

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "والجهر بالذكر إنما يكون بدعة إذا لم يقم الدليل على تخصيصه، وهناك قد قام الدليل، وهو قوله تعالیٰ: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ مع إجماع الصحابة على الجهر بالتكبير دبر الصلوات في تلك الأيام على وجوب الجهر بالتكبير فيها، ولذا أفتى علماء الحنفية بقولهما...... ولا بأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب التكبيرات التشريق وأنها تجب الخ: ۸/۱۲۰، ۱۲۳، إدارة القرآن، كراچی)

"والجهر به واجب، وقيل: سنة" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۸، سعید)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الثاني في ذكر مواضع الجهر، ومنها تكبيرات التشريق: ۳/۱۵، إدارة القرآن كراچی)

### ایضاً

سوال [۳۹۲۳]: بعد العید تکبیرات تشریق جو ہم امصار اور قریہ کبیرہ جہاں جمعہ لقد حنفی سے ہوتا ہے متروک ہو، ہمارے علمائے دیوبند کیا فرماتے ہیں؟ "(عقب کل فرض عینی) شمل الجمعۃ وخرج به الواجب کالوتر و العیدین والنفل، وعند البلخیین یکبرون عقب صلوۃ العید لأدائها بجماعۃ کالجمعۃ، وعلیه توارث المسلمین، فوجب اتباعه، ولا بأس به عقب العید؛ لأن المسلمین توارثوه، فوجب اتباعهم البلخیون، الخ". شامی (۱)۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

صلوٰۃ عید الاضحیٰ کے بعد بھی علمائے دیوبند تکبیر تشریق کہتے ہیں، کہنے کے لئے فرماتے ہیں، کتب فقہ ردالمحتار (۲) اور البحر الرائق (۳) وغیرہ سے اس وقت تکبیر تشریق کا وجوب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ یہ نماز بھی ادا کی جاتی ہے اگرچہ خود فرض نہیں، اس کو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اہل قری پر اور منفرد پر بھی ہے جیسا کہ الجوہرۃ النیرہ وغیرہ میں ہے (۴) اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲/۱۷۹، سعید)

(۲) "وعند البلخیین: یکبرون عقب صلاۃ العید لأدائها بجماعۃ کالجمعۃ، وعلیه توارث المسلمین فوجب اتباعه" ... ... "(البلخیون یکبرون عقب صلاۃ العید: لأنها تؤدی بجماعۃ فأشبهت الجمعۃ، وهو یفید الوجوب المصطلح علیه". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲/۱۷۹، سعید)

(۳) "ولو کبر علی إثر صلاۃ العید، لا بأس به؛ لأن المسلمین توارثوا هکذا، فوجب أن یتبع توارث المسلمین". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۸۹، رشیدیه)

(وکذا فی إعلاء السنن، أبواب العیدین، باب تکبیرات التشریق وأنها تجب فیج ۸، ۱۲۰، ۱۲۳، إدارۃ القرآن)

(۴) "وقال أبو یوسف و محمد رحمهما اللہ تعالیٰ: تبع الفریضۃ فکل من أدی فریضۃ، فعلیه التکبیر، والفتوی علی قولهما، حتی یکبر المسافر وأهل القری ومن صلی وحده". (الجوهرۃ النیرۃ علی مختصر =

## نمازِ جمعہ کے بعد تکبیرِ تشریق

سوال[۳۴۲۳]: زید کہتا ہے کہ وہ تکبیریں جو نویں ذی الحجہ کی صبح سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک بعد نماز فرض باآواز بلند پڑھی جاتی ہیں ان کو جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز سے نہ پڑھنا چاہیے جیسے کہ عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد نہیں پڑھی جاتیں۔ خالد کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد پڑھنا چاہیے اس لئے کہ جمعہ فرض ہے، جب دیگر فرائض کے بعد یہ تکبیریں پڑھی جاتی ہیں تو نماز جمعہ کے بعد پڑھنے پر کوئی کلام نہ ہونا چاہیے لہٰذا بلند آواز سے تکبیریں جمعہ کے بعد پڑھنا چاہیے۔

زید، خالد کے کلام پر اعتراض یہ کرتا ہے کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو جس طرح دیگر فرائض کے فوت ہونے پر ان کی قضاء لازم ہوتی ہے اس طرح جمعہ کے فوت ہونے پر جمعہ ہی پڑھنا فرض ہوتا، جمعہ کے بدلے میں جمعہ کا واجب نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ واجب ہے اور واجب نمازوں کے بعد تکبیریں نہیں کہی جاتیں، جیسا کہ وتر واجب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"صلوة الجمعة فرض عين بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها لذلك، وقال عليه السلام في حديث: "واعلموا أن الله تعالى فرض عليكم الجمعة في يومي هذا، في شهري هذا، في مقامي هذا" الحديث(۱)۔

---

— القدوری، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ا/۱۱۵، مكتبه ملتان)

"ويجب تكبير التشريق... عقب كل فرض عيني أدي بجماعة مستحبة... (وقالا: بوجوبه فور كل فرض مطلقاً ولو منفرداً أو مسافراً أو امرأة؛ لأنه تبع للمكتوبة... إلى عصر اليوم الخامس (آخر أيام التشريق، وعليه الاعتماد)، والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة ص: ۵۰۲، قديمي)

"وهي (أي الجمعة) فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۶، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرض ثابت ہے اور جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق کہی جائے اور عید کے بعد بھی۔ جب کہ مسئلہ کتب مذہب میں بصراحت موجود ہے تو پھر اشکال سے گفتگو کرنا بے محل ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

## نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا بھول گیا اور بات چیت بھی کرلی

سوال [۵۹۲۵]: اگر کوئی شخص عید الاضحیٰ کے موقع پر تکبیرات نماز کے بعد کہنا بھول گیا اور نماز کے بعد کسی آدمی سے بات چیت شروع کردی پھر یاد آیا تو کیا ان تکبیرات کو لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر تشریق کا وقت فرض نماز کے فوراً بعد ہے، جب بات چیت کرلی تو وقت ختم ہوگیا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ويجب تكبير التشريق) في الأصح ... عقب كل فرض الخ". (الدر المختار) "(قوله: كل فرض) شمل الجمعة ... وعند البلخيين: يكبرون عقب صلاة العيد لأنها تؤدى بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلمين، فوجب اتباعه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/ ۱۵۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۲۸۹، رشيدية)

(۲) "(ويجب تكبير التشريق) في الأصح للأمر به (مرة) ... (عقب كل فرض) بلا فصل يمنع البناء". (الدر المختار) "(قوله: بلا فصل يمنع البناء) فلو خرج من المسجد أو تكلم عامداً أو ساهياً أو أحدث عامداً سقط عنه التكبير". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/ ۱۷۸، ۱۷۹، سعيد)

"وأما أدائه فدبر الصلاة وفورها من غير أن يتخلل ما يقطع حرمة الصلاة، حتى لو ضحك قهقهة أو أحدث متعمداً أو تكلم عامداً أو ساهياً ... لا يكبر؛ لأن التكبير من خصائص الصلاة".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/ ۲۸۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/ ۱۵۲، رشيدية)

## تکبیر تشریق عورت، دیہاتی اور منفرد پر

سوال [۳۴۲۶]: مکرمی مفتی صاحب! السلام علیکم

مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور گیارہواں حصہ یعنی بہشتی گوہر میں تحریر فرمایا ہے کہ "تکبیر تشریق واجب ہے ان پر جنہوں نے فرض عین نماز کو جماعت مستحبہ سے ادا کیا ہے بشرطیکہ وہ مصر میں ہوں یعنی مصر میں ہونا شرط ہے"۔ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر تکبیر تشریق بعد نماز فرض نہیں۔ پھر ذرا آگے مستحب–واجب شمس الائمہ نے بھی لکھا کہ "مسافر اور عورت جب کہ وہ مقتدی ہوں امام مقیم بمصر کے تو ان پر بھی واجب ہے اور اگر منفرد ہوں یا عورت و مسافر مقتدی امام مقیم بمصر نہ ہوں تو ان پر واجب نہیں لیکن اگر وہ بھی کہہ لیں تو بہتر ہے کیونکہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان پر بھی واجب ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں پر واجب نہیں تھا"(۱)۔

تو کیا مصر ہونا تکبیر تشریق کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ اور دیہاتی و شہری منفرد عورت مسافر سب پر واجب ہے؟ آپ کے یہاں سے تقویمی کارڈ چھپا ہے جو میرے پاس بھی آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ "دیہاتی ہو یا شہری منفرد ہو یا جماعت سے پڑھا ہو، مسافر ہو یا عورت سب پر تکبیر تشریق واجب ہے" تو کون صحیح ہے، آیا بہشتی گوہر کا مسئلہ یا آپ کے اشتہار کا؟ مدلل تحریر کریں تاکہ صحیح علم ہو جائے۔

محمد احمد صدیقی ضلع پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اور صاحبین کے قول کو نقل کر کے بہشتی گوہر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اس مسئلہ پر فتویٰ صاحبین کے ہی قول پر ہے، اس لئے گاؤں والوں پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے۔

وفي البحر الرائق: "وقالا: عندهما فهو واجب على كل من يصلي المكتوبة؛ لأنه تبع لها، فيجب على المسافر والمرأة والقروي. قال في السراج الوهاج والجوهرة: الفتوى على قولهما في هذا أيضاً، فتحصل أن الفتوى على قولهما في آخر وقته وفي من تجب عليه" (۲)۔

---

(۱) بہشتی زیور، عیدین کے تکبیرات کے مسائل، حصہ یازدہم: ۱۰۸، دار الاشاعت کراچی)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۲۹۰، رشیدیہ)

"والفتوى والعمل في عامة الأمصار وكافة الأعصار على قولهما" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۹-۱۸۰، سعيد)

بہشتی گوہر میں دونوں قول نقل کرکے صاحبین کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، ہمارے اشتہار میں شروع ہی سے صاحبین کے قول کو ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ وہی مفتیٰ بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/محرم/ ۶۷ھ۔

## عیدگاہ سے لوٹتے وقت تکبیر تشریق

سوال[۲۴۲۷]: عید میں جو تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے، گھر سے عیدگاہ تک پڑھنے کا حکم ہے یا واپسی میں بھی پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ جاتے وقت تکبیر پڑھی جاتی ہے اور واپسی میں نہیں پڑھی جاتی: "ويكبر في حالة خروجه إلى المصلى جهراً، فإذا انتهى إلى المصلى يترك التكبير". بحر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## تکبیر تشریق پر فتویٰ

سوال[۲۴۲۸]: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تشریق کے لئے امصار وجماعت وغیرہ کی قیود لگائے ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کوئی قید نہیں لگاتے، فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے، كذا في الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۸۵، رشيديه)

(۲) "(ويجب تكبير التشريق) في الأصح (على إمام مقيم) و(على مقتد (مسافر أو قروي أو امرأة) ... (وقالا بوجوبه فور كل فرض مطلقاً) ولو منفرداً أو مسافراً أو امرأة لأنه تبع للمكتوبة (إلى) عصر اليوم الخامس (آخر أيام التشريق، وعليه الاعتماد)، والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۹، ۱۸۰، سعيد)

"والفتوى والعمل في عامة الأمصار وكافة الأعصار على قولهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۹۰، رشيديه)

# الفصل السابع في خطبة العيد

## (خطبۂ عید کا بیان)

### خطبۂ عید میں تکبیر پڑھنا

سوال [۳۹۲۹]: زید نے عید کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا، جب تکبیر یعنی "اللہ اکبر اللہ اکبر" آئی تو زید نے تکبیر پڑھی اور زید کے ساتھ تمام مقتدیوں نے بھی پڑھنی شروع کی، زید نے کہا کہ تم جہر کے ساتھ مت پڑھو، کیونکہ یہ منع ہے۔ اس پر کوئی معترض کہتا ہے کہ تم نے غلط کیا۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ سری وجہری تکبیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننا چاہیے، ایسے وقت میں سامعین کو تکبیر وغیرہ کہنا منع ہے: "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام ... والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه، ولا يجب تشميت ولا رد سلام، به يفتى، وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد". در مختار: ۲/۱۵۸)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

### خطبۂ عید سے پہلے تکبیر

سوال [۳۹۳۰]: کیا خطبات عید الاضحیٰ، عید الفطر کے قبل تکبیر - جیسے کہ جمعہ کے خطبہ میں ہوتی ہے - نہیں ہوتی ہے؟ ہونا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۱۵۸، ۱۵۹، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبۂ جمعہ سے پہلے تکبیر نہیں ہوتی، اذان ہوتی ہے، خطبۂ عیدین سے پہلے اذان بھی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

## خطبۂ عید کی تکبیرات

سوال[۴۹۴۱]: عیدین کے پہلے خطبہ میں نو بار، اور دوسرے میں سات بار تکبیر ہیں اور یہ تکبیریں مسلسل کہیں اور تکبیر سے مراد صرف اللہ اکبر ہے یا پوری تکبیر تشریق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تکبیر سے مراد پوری تکبیر تشریق ہے خطبہ میں یہ تکبیر مسلسل کہی جائیں گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ص: ۱۹۲، قدیمی)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی عید قبل الخطبۃ بغیر أذان ولا إقامۃ". (سنن النسائی، کتاب العیدین، باب ترک الأذان للعیدین: ۲۳۲/۱، قدیمی)

"لا یسن (أی الأذان) لغیرھا کعید، الخ". (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۳۸۵/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الأذان: ۵۳/۱، رشیدیہ)

(۲) "عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ قال: السنۃ فی التکبیر یوم الأضحی والفطر علی المنبر قبل الخطبۃ أن یبتدیٔ الإمام قبل أن یخطب وھو قائم علی المنبر بتسع تکبیرات تتری، لا یفصل بینھا بکلام، ثم یخطب، ثم یجلس جلسۃً، ثم یقوم فی الخطبۃ الثانیۃ فیفتتحھا بسبع تکبیرات تتری، لا یفصل بینھن بکلام، ثم یخطب". (إعلاء السنن، أبواب العیدین: ۱۲۸/۸، إدارۃ القرآن کراچی)

"ویستحب أن یستفتح الأولی بتسع تکبیرات تتری: أی متتابعات، والثانیۃ بسبع، ھو =

## بغیر تکبیر کے عید الفطر کا خطبہ

سوال[۳۱۳۳]: ہماری مسجد کے امام صاحب نے اس سال عید الفطر کا خطبہ پڑھا، اس میں ایک مرتبہ بھی تکبیر نہیں پڑھی اور امام مذکور کا کہنا ہے کہ تکبیر نہ پڑھنے پر بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے، اس طرح خطبہ عید الفطر میں تکبیر پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ اس سلسلہ میں از روئے شرع صحیح مسئلہ کیا ہے؟ اطلاع دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ ادا تو اس طرح بھی ہو جاتا ہے(۱)۔ فقط۔

## خطبۂ عید میں عصا لینا

سوال[۳۱۳۴]: عند الخطبہ لاٹھی ہاتھ میں رکھنا بعض کتابوں میں مستحب لکھا ہے اور مولانا تھانوی مدظلہ العالی نے بہشتی زیور کو بری ص۱۲ میں لاٹھی عند الخطبہ منقول نہیں فرماتے ہیں، کونسا قول معتبر ہے؟

---

= السنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۵، سعيد)

"ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى والثانية بسبع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۸۳، رشيدية)

(۱) خطبہ میں تکبیرات کا پڑھنا مستحب ہے، نیز خطبہ نماز عید کے لئے شرط نہیں، بلکہ خطبہ کے بغیر بھی صحیح ہوتی ہے:

"(ويخطب بعدها خطبتين) ... ويبدأ بالتكبيرات في خطبة العيدين، ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى، والثانية بسبع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۸۳، رشيدية)

"(ويخطب بعدها خطبتين) وهما سنة ... (ويبدأ بالتكبير في) خمس (خطبة العيدين) ... (ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى): أي متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱۷۵، سعيد)

"(قوله: لأنها سنة بعدها) ... حتى لو لم يخطب أصلاً صح وأساء لترك السنة" (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۷۷، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہشتی گوہر میں اس کے مصنف نے یہ مسئلہ درمختار سے لکھا ہے، مولانا تھانوی دامت برکاتہم نے تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ میں اس کی تردید کی ہے، دوسرے قول کو ترجیح دی ہے(۱)۔ بہشتی گوہر حضرت مولانا تھانوی کی تصنیف نہیں بلکہ ایک اور صاحب کی تصنیف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

## دورانِ خطبہ خطیب کو روپیہ دینا

سوال [۴۱۳۳]: یہاں عیدین کی نماز کے بعد دورانِ خطبہ لوگ خطیب صاحب کو روپیہ پیسہ دینے کے لئے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر جاتے ہیں اور خطیب صاحب کے لئے کچھ لوگ روپیہ لینے کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روپیہ لیتے ہیں اور دینے والوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ دورانِ خطبہ روپیہ دینے کے لئے جاتے ہیں۔ خطیب و امام اگر ایسے عمل سے نہیں روکتے تو ان کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجمعۃ والعیدین: ۱/۶۹۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

"عن شعیب بن رزیق الطائفی قال: جئت إلی رجل له صحبة من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم. فأقمنا بها أیاما شهدنا فیها الجمعة مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقام متوکئاً علی عصا أو قوس، فحمد الله وأثنی علیه کلمات خفیفات طیبات مبارکات" الحدیث. (سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب الرجل یخطب علی قوس: ۱/۱۴۳، إمدادیه ملتان)

"الحکمة فیه الإشارة إلی أن هذا الدین قد قام بالسیف وفیه إشارة إلی أنه یکره الاتکاء علی غیره کعصا وقوس، خلاصة؛ لأنه خلاف السنة. محیط. ونازعه فیه ابن أمیر حاج بأنه ثبت أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قام خطیباً بالمدینة متکئاً علی عصا أو قوس کما فی أبی داود، وکذا رواه البراء بن عازب رضی الله تعالیٰ عنه، عنه - صلی الله تعالیٰ علیه وسلم - وصححه ابن السکن". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قدیمی)

## مقتدیوں کے لئے خطبۂ عید کے دوران تکبیر پڑھنے کا حکم

سوال[۳۹۴۳]: زید نے عید کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا، جب تکبیر یعنی "اللہ اکبر، اللہ اکبر" آئی تو زید نے تکبیر پڑھی اور زید کے ساتھ ہی مقتدیوں نے بھی پڑھنی شروع کی، تو زید نے کہا کہ تم جہر کے ساتھ مت پڑھو کیونکہ یہ منع ہے، اس پر کوئی معترض ہوتا ہے کہ تم نے غلط کہا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ سری و جہری تکبیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننا چاہیے، اس وقت میں سامعین کو کچھ تکبیر وغیرہ کہنا منع ہے: "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام، والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه، ولا يجب تشميت ولا رد سلام، به يفتى، وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد اهـ". در مختار: ۱/۷۶۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

## خطبۂ عید میں نواب کا نام لینا

سوال[۳۹۴۴]: ہمارے یہاں خطبہ میں ہمارے یہاں کے نواب کا نام لیا جاتا ہے۔ کیا عید الفطر کے خطبہ میں نواب کا نام لیا جا سکتا ہے؟

---

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: "أخبره أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۷، ۱۲۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلیفۂ اعظم امیر المومنین کا نام لیا جائے تو گنجائش ہے(۱)، کیا نواب صاحب کا حال ایسا ہی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے امیر وحاکم ہیں؟ فقط۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "و ينبغي أن تكون الخطبة الثانية: الحمد لله نحمده و نستعينه الخ، و ذكر الخلفاء الراشدين والعمين رضوان الله تعالى عليهم أجمعين مستحسن، بذلك جرى التوارث". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

"و يندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين، لا الدعاء للسلطان". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، احكام الجمعة، ص: ۵۱۲، قديمي)

## نمازِ عید کے بعد دعاء

سوال[۳۹۳۰]: تراویح کی ہر چار رکعت پڑھنے کے بعد دعاء کرنا اور عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا واجب ہے یا سنت؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

ہر چار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح وتہلیل، درود پڑھے، چاہے دعاء کرے، چاہے نوافل پڑھے، لیکن دعاء کا التزام کرنا بجوری حیثیت سے دعاء پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے، کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں ہے(۱)۔

"أما الاستراحة في أثناء التراويح، فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، وليس المراد حقيقة الجلوس بل المراد الانتظار وهو المخير: إن شاء جلس وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ أو صلى نافلة منفرداً اه". كبيري(۲)۔

---

= صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله والثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم والليلة، رقم الحديث: ۱۱۳)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "اللهم ربنا ورب كل شيء". (رقم الحديث: ۱۱۳) (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مكتبة الشيخ، كراچي)

(۱) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"قال الطيبي: وفيه: من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعيد)

"عن زيد بن وهب قال: كان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه يروحنا في رمضان يعني بين =

اور عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعا کا عدم منقول نہیں لیکن مطلقاً ہر نماز کے بعد دعا روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعا کرنا مسنون ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## ایضاً

سوال [۲۹۲۱]: عیدین کی نماز میں کس وقت دعا مانگنی چاہیے؟

## الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کی نماز کے بعد متصلاً اگر دعا مانگی جائے تو یہ حدیث کے عموم میں داخل ہے جس میں ہر نماز کے بعد دعا کا تذکرہ ہے (۲)۔ بعض لوگ بجائے بعد نماز دعا مانگنے کے خطبہ کے بعد دعا مانگتے ہیں یہ بھی کی

---

= التروبحتین قدر ما یذهب الرجل من المسجد إلی سلع". (کنز العمال، کتاب الصلاة، صلاة التراویح، (رقم الحدیث: ۲۳۴۲۷)، ۸/۴۰۹، مطبعة البلاغة)

(۱) "عن مصعب بن سعد و عمرو بن میمون قالا: کان سعد یعلم بنیه هؤلاء الکلمات کما یعلم المکتب الغلمان، یقول: إن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یتعوذ بهن دبر الصلاة: "اللهم إني أعوذبک من الجبن، وأعوذبک من البخل، وأعوذبک من أرذل العمر، وأعوذبک من فتنة الدنیا وعذاب القبر". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وتعوذه في دبر کل صلوة ۲/۱۹۹، سعید)

"عن زید بن أرقم رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یدعو دبر الصلاة یقول: "اللهم ربنا ورب کل شيء". (عمل الیوم واللیلة لابن السني، باب ما یقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحدیث: ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، مکتبة الشیخ، کراچی)

(۲) "عن فضالة بن عبید رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا صلی أحدکم فلیبدأ بتحمید الله والثناء علیه، ثم یصلي علی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم لیدع بما شاء". (عمل الیوم واللیلة، رقم الحدیث: ۱۱۲)

"عن زید بن أرقم رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یدعو دبر الصلاة یقول: "اللهم ربنا ورب کل شيء". (عمل الیوم واللیلة لابن السني، باب ما یقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحدیث: ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، ۱۰۳، مکتبة الشیخ، کراچی)

روایت یا حدیث یا عبارت فقہ سے ثابت نہیں امداد الفتاویٰ: ۱/۲ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۳۹۲۲]: عیدین کی نماز دن میں بعد سلام دعا مانگنی چاہیے یا خطبہ کے، کونسا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ تر عمل کرنا ثابت ہے؟ مع الدلائل بالتفصیل وشرح مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرمائیں، عند اللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: محمد اسحٰق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

احادیث سے مطلقاً بعد صلوٰۃ دعا کا ثبوت ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ:

"كان يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المكتب الغلمان ويقول: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلاة: "اللهم إني أعوذ بك من الجبن الخ". ۲/۱۹۵(۲)۔

وفيه: "فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، وصل علي، ثم ادعه الخ". وقال: هذا حديث حسن". ۲/۱۸۵(۳)۔

---

(۱) (امداد الفتاوی، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۳۰۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وتعوذه في دبر كل صلوة: ۲/۱۹۶، ۱۹۷، سعيد)

(۳) الحديث بتمامه: "عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللهم اغفر لي وارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، وصل علي، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله وصلى على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أيها المصلي! ادع تجب". هذا حديث حسن" (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۲/۱۸۵، سعيد)

عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

"عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة، ثم يقول: "اللهم إلٰهي ..... إلا كان حقاً على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين"(۱)۔

اور قیاس اور عمومات سے بھی ثابت ہے لہٰذا بعد عید خطبہ ہو کر دعا کرنا بجز اس کو متصل قرار دیا جاوے گا جو ثابت نہیں، اس وجہ سے بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعا مانگنا کسی کی روایت میں نہیں، لہٰذا بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعا کرنے کو متعین کرنا یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفی عنہ۔ عبد اللطیف غفی عنہ، ۱۰/ ۱/ ۵۲ھ۔

بندہ عبد الرحمٰن۔

## دعاء و مصافحہ بعد نماز عید

سوال [۳۸۲۴]: نماز عیدین کو بعد نماز عیدین دعا مانگنا چاہیے یا بعد خطبہ؟ مصافحہ و معانقہ کیا حکم رکھتا ہے؟

---

(۱) وقال المحشي عبد الرحمن كوثر: "الحديث ضعيف كما ذكرنا في التخريج، وجاء عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أدعية بألفاظ مختلفة بعد الصلوات المكتوبات. وأخرج الترمذي عن أبي أمامة قال: قيل لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أي الدعاء أسمع؟ قال: "جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات". قال الترمذي: هذا حديث حسن". (حاشية جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۱۸۷/۲، سعيد)

"عن محمد بن أبي يحيى قال: رأيت عبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنه ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته، فلما فرغ منها، قال: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته". "قال الهيثمي: رجاله ثقات. قوله: لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوته، ظاهره مشروعية رفع اليدين في الدعاء بعد الفراغ من الصلوة. والله تعالى أعلم".
(عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۳۸، ص: ۱۲۱، مكتبة الشيخ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے (۱)۔ عید کا مصافحہ، معانقہ بدعت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعاء یا عدم دعاء منقول نہیں، لیکن عمومی روایات کی بناء پر عیدین کے بعد بھی دعاء کرنا مسنون ہوگا: "عن مصعب بن عمیر و عمرو بن میمون قالا: كان سعد يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المكتب الغلمان يقول: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلاة: "اللهم إني أعوذبك من الجبن، وأعوذبك من البخل، وأعوذبك من أرذل العمر، وأعوذبك من فتنة الدنيا و عذاب القبر". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و تعوذه في دبر كل صلوة: ۲/۱۹۶، ۱۹۷، سعيد)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالى عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى فقال: اللهم اغفرلي و ارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله، وصل علي، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله، و صلى على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أيها المصلي! ادع تجب". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۲/۱۸۵، سعيد)

(۲) "فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة، ويتصاحبون الكلام و مذاكرة العلم وغيره بمدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذ، وأنها من البدع المذمومة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۸/۳۵۸، رشيدية)

وفي رد المحتار: "تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالى عن الشافعية أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع". (كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء: ۶/۳۸۱، سعيد)

## دعاء بعد خطبۂ عیدین

سوال[۴۴۴۳]: امام عیدین کی نماز میں نماز کے بعد متصلاً دعاء کرنے کی بجائے خطبہ کے بعد دعاء کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خصوصیت سے بعد عید یا بعد خطبہ دعاء کی تصریح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں، البتہ بعد صلوۃ مطلقاً دعاء کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے، نیز اس وقت کو اوقاتِ اجابت میں حصن حصین (۱) وغیرہ (۲) میں شمار کیا ہے اور حتی در بعد الصلوۃ سے بعد نیت متصل دعاء کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا بظاہر تغییر سنت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "أحوال الإجابة عند النداء بالصلاة ... وبين الأذان والإقامة ... ودبر الصلوات المكتوبات". (الحصن الحصين، للإمام محمد الجزري، ص: ۲۲، دار الإشاعت كراچی)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أيُّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات". "هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۲/۱۸۷، سعيد)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "اللهم ربنا ورب كل شيء" (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، مكتبة الشيخ)

(۳) "قال الطيبي: وفيه: من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۲۶، رشيديه)

"فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً، كما صرح به الملا علي القاري في شرح المشكوة والحصكفي في الدر المختار". (مجموعة رسائل اللكنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۰، إدارة القرآن كراچی)

# الفصل التاسع في المتفرقات

## عیدین کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا

سوال[۲۹۴۵]: عید کے دن عیدگاہ کے اندر بعد فراغ نماز امام کے لیے چندہ کرتے ہیں جو شخص ان کی نماز پڑھانے کی حیثیت سے، کیا یہ چندہ کرنا درست ہے جبکہ وہ امید بھی یہی کرتا ہے کہ مجھے یہ چندہ ضرور ملے گا؟ نیز مسجد کے اندر کسی قسم کا چندہ کرنا کیسا ہے خواہ عید ہو جمعہ یا عام نماز؟ نیز جمعہ کے بعد بھی ٹی اور پنکھے وغیرہ کے لئے بھی چندہ کرتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟ نیز مدرسہ کے سفیر وغیرہ بھی مسجد میں نماز کے بعد چندہ کا ذکر کرتے ہیں، ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر سال بھر بھی نماز پڑھاتے ہیں تو عید کے موقع پر ان کو چندہ کرکے دینا بھی درست ہے اور اس مقصد کے لئے عیدگاہ میں چندہ کرنا بھی درست ہے (۱) مگر خطبہ کے وقت چندہ نہ کیا جائے، خطبہ کا سننا واجب ہے اس

---

(۱) "ویکرہ التخطی للسؤال بکل حال" (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: ویکرہ التخطی للسؤال الخ) قال في النهر: والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي ولا يتخطى الرقاب ولا يسأل إلحافاً بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء". (كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۴، سعيد)

"ويكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس في المختار . لأن علياً رضي الله تعالى عنه تصدق بخاتمه في الصلاة، فمدحه الله بقوله: (ويؤتون الزكاة وهم راكعون)". (الدر المختار). "(قوله: إذا لم يتخط): أي ولم يمر بين يدي المصلين، قال في الاختيار: فإن كان يمر بين يدي المصلين ويتخطى رقاب الناس يكره، لأنه إعانة على أذى الناس، حتى قيل: هذا فلس لا يكفره سبعون فلساً. وقال ط: فالكراهة للتخطي الذي يلزمه غالباً الإيذاء، وإذا كانت هناك فرجة يمر منها لا تخطى، فلا كراهة الخ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

میں خلل نہ آئے۔ مسجد میں مسجد، مدرسہ یا اور دینی ضرورت کے لیے چندہ درست ہے لیکن کسی کی نماز میں تشویش نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے، نیز شور وشغب سے پرہیز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۴۰۱ھ۔

## عیدین میں جھولی پھرانا اور اس رقم سے امام ومؤذن کی تنخواہ

سوال[۲۴۲۶]: ایک مسجد ہے اس کی آمدنی کا خاص ذریعہ نہیں ہے جس سے اس مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، لہذا مسجد کی جو کمیٹی ہے اراکین کمیٹی کی اجازت سے عیدین کے موقع پر صفوں پر مقتدیوں کے سامنے رومال یعنی جھولی پھرائی جاتی ہے، چنانچہ جس سے ہوتا ہے لوگ اس میں پیسہ ڈالتے ہیں، پیسہ دینے والوں میں جائز کا روپیہ والے اور ناجائز کا روپیہ والے سب لوگ ہوتے ہیں، وہ پیسہ اکٹھا کرکے بصورت مدد کے مسجد کے امام اور مؤذن اور خادم کو دیا جاتا ہے، تو کیا امام اور مؤذن اور خادم وغیرہ کی مدد کے لئے اراکین کمیٹی کی اجازت سے عیدین کے موقع پر صفوں کے سامنے جھولی پھرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ چندہ کرنے والے نمازیوں کی گردنوں پر پھلانگ کر نہ گذریں تو اس طرح نماز عید سے قبل چندہ کرنا

---

= (وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الثالث والعشرون في الجمعة، نوع: اقتدى بالإمام ناوياً صلاته على ظن أنه في الجمعة الخ: ۴/۶۷، رشيدية)

(۱) "أن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۸، قديمي)

"(و كل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل و شرب و كلام ولو تسبيحاً أو رد السلام ... بل يجب عليه أن يستمع و يسكت ... وكذا يجب لسائر الخطب كخطبة النكاح و خطبة عيد". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيدية)

درست ہے(۱) جس سے امام اور مؤذن کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے۔ عمدہ صورت یہ ہے کہ باحیثیت آدمی مستقل تنخواہ کا انتظام کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## عیدین کو امام کے لیے کمر پر رومال باندھنا

سوال[۳۴۴۷]: امام عیدین کو عذر ہو یا بلاعذر کمر پر رومال باندھ کر نماز پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور ایسی حرکت سے امام کو منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمر پر رومال باندھنا فی نفسہ درست ہے لیکن بلاوجہ امامت عیدین کے لئے اس کو ضروری سمجھنا اعتقاداً یا عملاً التزام مالا یلزم ہے جو منع ہے، اصرار کی وجہ سے امر مندوب پر بھی شرعاً کراہت کا حکم جاری ہوجاتا ہے: "فالإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة". سعایة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۵/۵/۶۷ھ۔

---

(۱) نمازیوں اور مسجد کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے چونکہ سوال کرنا جائز ہے لہٰذا طریق مذکورہ سے چندہ کرنا بھی جائز ہے:

"قال فی النہر: والمختار أن السائل إن کان لا یمر بین یدی المصلی، ولا یتخطی الرقاب، ولا یسأل إلحافاً بل لأمر لابد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب فی الصدقة علی سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، الثالث والعشرون فی الجمعة: ۴/۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۳۶۵، رشیدیه)

(۲) (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة، ذکر الدعاء: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

"من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیه)

## عیدین کو تجارت کا حکم

سوال[۲۱۲۸]: کیا یہ صحیح ہے کہ عیدین کے دن کام کرنا منع ہے مثلاً بعد نماز تجارت وغیرہ کرنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید اور بقرعید کو اپنی تجارت وغیرہ کا کام کرنا منع نہیں بلکہ جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۹ھ۔

## عید کے غسل کا وقت

سوال[۲۱۲۹]: عیدین کے دن قبل طلوع فجر یا قبل طلوع شمس اگر کوئی شخص غسل کرے تو اس سے عیدین کی سنت ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بہشتی گوہر میں ہے کہ "عیدین کے دن بعد فجر غسل ان لوگوں پر کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے"(۲)۔

مالابد منہ میں ہے کہ "روز عید الفطر سنت آنست کہ اول چیزے بخورد و صدقۂ فطر دہد، مسواک کند، وغسل کند، واحسن ثیاب بپوشد، و خوشبو استعمال نماید وغیرہ" (۳)۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد فجر "روز" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے قبل غسل کرے تو اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ اب اس کا حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا باجر جزیل۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض، وابتغوا من فضل الله، واذكروا الله كثيراً لعلكم تفلحون﴾. (سورة الجمعة: ۱۰)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى: "لما حجر عليهم في التصرف بعد النداء وأمرهم بالاجتماع، أذن لهم بعد الفراغ في الانتشار في الأرض والابتغاء من فضل الله، كما كان عراك بن مالك رضي الله تعالى عنه إذا صلى الجمعة انصرف فوقف على باب المسجد فقال: اللهم إني أجبت دعوتك، وصليت فريضتك، وانتشرت كما أمرتني، فارزقني من فضلك وأنت خير الرازقين".

(تفسير ابن كثير: ۳۶۷/۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اصلی بہشتی گوہر، غسل کا بیان، جن صورتوں میں غسل سنت ہے، ص: ۳۹، دارالاشاعت کراچی)

(۳) (مالابد منہ للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلوٰۃ، فصل در نماز ہائے واجب، ص: ۵۲، شرکت علمیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی آدمی طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے اور نمازِ عید تک حدث لاحق نہ ہو تو اس کی سنت بالاتفاق ادا ہوگی، اگر طلوعِ فجر سے قبل غسل کیا اور اسی طہارت سے نمازِ عید ادا کی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت ادا ہوگی، مگر حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ادا نہیں ہوگی، اگر درمیان میں حدث لاحق ہوگیا اور پھر وضو کی ضرورت پیش آئی تو کسی کے نزدیک سنت ادا نہیں ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ غسل یوم کیلئے ہے یا صلاۃ کے لئے، امام ابو یوسف کے نزدیک صلاۃ کے لئے ہے اور اسی کو صحیح لکھا ہے:

"(وسن للجمعة والعيدين وعرفة): أي سن الاغتسال لهذه الأشياء. ثم هذا الاغتسال لليوم عند الحسن، وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: للصلاة، وهو الأصح. وفي الكافي: لو اغتسل قبل الصبح وصلى به الجمعة، نال فضل الغسل عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، وعند الحسن رحمه الله تعالى: لا"۔ زیلعي: ۱/۱۷(۱)۔ "وللخلاف المذكور جار في غسل العيد أيضاً" شامي: ۱/۱۷۴(۲)۔

بہشتی گوہر، ملا جزو منہ میں وہ صورت لکھی ہے جس سے بالاتفاق سنت ادا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ بعد طلوعِ فجر غسل کرے "روز" سے مراد شرعی دن ہے جو کہ طلوعِ صبحِ صادق سے شروع ہو جاتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۹ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۷، ۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۹، سعيد)

"أن علياً رضي الله تعالى عنه كان يغتسل يوم الفطر ويوم الضحى قبل أن يغدوا". (مصنف عبد الرزاق، كتاب العيدين، باب الاغتسال في يوم العيد، (رقم الحديث: ۵۷۵۱): ۳/۳۰۹، المكتب الإسلامي)

(۳) (قال العلامة الشامي: "ولسيدي عبد الغني هنا بحث نفيس ... حاصله أنهم صرحوا بأن هذه الاغتسالات الأربعة للنظافة لا للطهارة، مع أنه لو تخلل الحدث تزداد النظافة بالوضوء ثانياً، وإن كانت =

## غسلِ عید ایسی جگہ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی

سوال [۳۹۵۰]: جبکہ عید بقرعید کی نماز دیہات میں جائز نہیں تو عید کے دن نہانا دھونا، کپڑے بدلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے لئے یہ مسنون نہیں کریں گے تو مضائقہ بھی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

## عید کے لئے اذان نہیں

سوال [۳۹۵۱]: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے قبل کیا اذان نہیں ہوتی، نہیں ہوتی تو کیا پڑھا جاتا ہے؟ جواب میں لکھ دیجئے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس موقع پر اذان مشروع نہیں: "فلا یؤذن لعید، الخ" مراقی الفلاح (۲)، اور بھی کوئی چیز

---

= للطهارة أيضاً فهي حاصلة بالوضوء ثانياً مع بقاء النظافة، فالأولى عندي الإجزاء وإن تخلل الحدث؛ لأن مقتضى الأحاديث الواردة في ذلك طلب حصول النظافة فقط. أقول: ويؤيده طلب التبكير للصلاة، ومر في الساعة الأولى الغسل وهي إلى طلوع الشمس، فربما يعسر مع ذلك بقاء الوضوء إلى وقت الصلوة، ولا سيما أطول الأيام وإعادة الغسل أعسر ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ وربما أداه ذلك إلى أن يصلي حاقناً وهو حرام، ويؤيده أيضاً ما في المعراج: لو اغتسل يوم الخميس وليلة الجمعة استن بالسنة لحصول المقصود وهو قطع الرائحة". (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۴/۱۵۰، سعيد)

(۱) "(ندب يوم الفطر أكله) ... (واستياكه واغتساله ... ولبسه أحسن ثيابه". (الدر المختار).

وفي رد المحتار: "(قوله: ندب يوم الفطر الخ) ... إن هذه الأمور مطلوبة قبل الصلاة ومن أدابها لا من آداب اليوم، كما في الجلابي الخ". (كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام العيدين، ص: ۵۲۹، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۳، قديمي)

اذان کے قائم مقام نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ شوال/ ۶۷ھ۔

## نمازِ عید کیلئے "الصلوٰۃ" کہہ کر بلانا

سوال [۳۹۵۲]: صلوٰۃ عیدین میں صلوٰۃ پکارنا بدعت حسنہ ہے یا سیئہ، پکارنا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں پکارنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

## "الصلوٰۃ" وغیرہ کے بغیر نمازِ عید

سوال [۳۹۵۳]: کیا بغیر صلوٰۃ کہے عیدین کی نماز نہیں ہو سکتی؟

---

— "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۱/۲۳۲، قديمي)

"لا يسن (أي الأذان) لغيرها كعيد الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۱/۲۳۲، قديمي)

"وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذان ولا إقامة، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

"لا يسن (أي الأذان) لغيرها كعيد الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

البتہ کوئی ایسا طریقہ ہو جس کی اذان سے مشابہت نہ ہو تو جائز ہے، مثلاً گھنٹہ بجانا یا ایک روز قبل اعلان کرنا کہ نماز عید فلاں وقت ادا کی جائے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر ایسا کیے بلاشبہ نماز درست ہو جائے گی، اس رواج کو ترک کر دینا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## عیدین میں جلوس ودف

سوال [۳۱۵۴]: بعض جگہ عیدین کے موقع پر یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں کے نوجوان مرد ولڑکے جلوس کی شکل میں نکل کر خوشیاں مناتے ہیں اور ان کے ساتھ ڈھول وغیرہ تو نہیں ہوتے بلکہ صرف وہ دف بجاتے ہیں جس کی ایک طرف چمڑہ ہوتا ہے۔ تو ایسی موقع پر جلوس میں اس قسم کا دف بجانا یا اور کوئی ڈھول وغیرہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دف ڈھول وغیرہ ناجائز ہے، سکب الانہر: ۲/۵۵۳ (۲)، دف کی اجازت بغرض اعلانِ نکاح شریعت نے دی ہے، عید کے روز اجازت نہیں دی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ربیع الاول/۵۸ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "إنه (أي الدف) حرام عند أكثر المشايخ وما ورد من ضرب الدف في العرس فكناية عن الإعلان".

(سكب الأنهر الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر للشيخ محمد بن علي الحصكفي، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۴/۲۲۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "(قوله ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي: "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف" (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح: ۱/۲۰۷، سعيد)

## عید کے لئے قاضی کا جلوس

سوال[۳۹۵۵]: ایک قاضی گھوڑے پر چڑھ کر اور جلوس بنا کر نمازِ عید کے لئے جاتا ہے، اس کے آگے باجہ بجتا رہتا ہے، ناچنے والے ناچتے رہتے ہیں، لوگ "اللہ اکبر" اور "قاضی زندہ باد" کے نعرے بھی لگاتے ہیں، قاضی لوگوں کو ایسا کرنے سے نہیں روکتا بلکہ خود بھی چاہتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ کیا شریعت کی رو سے اس طرح نماز کے لئے جانے کی اجازت ہے؟ قاضی کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ براہِ کرم شرعی فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہے، اس کی اصلاح لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

## بطورِ احتجاج عید کے روز نئے کپڑے نہ پہننا

سوال[۳۹۵۶]: عیدالفطر کے موقع پر مرادآباد کے ہولناک مسلم کش فساد کے بعد نوجوانوں میں ایک تحریک چلی ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر بطورِ احتجاج واظہارِ ہمدردی نئے کپڑے نہ پہنے جائیں بلکہ دھلے ہوئے کپڑے استعمال کئے جائیں جبکہ حدیث میں ہے کہ بہتر سے بہتر جو کپڑا تمہارے پاس ہو تو وہ پہنو، اس تحریک میں شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن نافع قال: سمع ابن عمر رضي الله تعالى عنهما مزماراً، قال: فوضع إصبعيه على أذنيه، ونأى عن الطريق، وقال لي: يا نافع! هل تسمع شيئاً؟ قال: فقلت: لا، قال: فرفع إصبعيه من أذنيه، وقال: كنت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فسمع مثل هذا فصنع مثل هذا". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب كراهية الغناء والزمر: ۲/۶۷۳، إمدادية ملتان)

"قلت: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه السلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر": أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ما خلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهة، الثالث فيما يتعلق بالملاهي: ۶/۳۵۹، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نئے کپڑے عید کے دن پہننا مستحب ہے واجب نہیں(۱)۔ اگر اس تحریک سے مظالم کا انسداد متوقع ہو تو شرعی قباحت نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وندب أن ...... يلبس أحسن ثيابه: أي أجملها جديداً كان أو غسيلاً". (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۲۹، قديمي)

"وندب يوم الفطر ... لبس أحسن ثيابه". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العيدين: ۳۵۱/۱، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: أمرنا النبي صلى الله عليه وسلم بسبع ... فذكر عيادة المريض ... ونصر المظلوم". (صحيح البخاري، أبواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم: ۳۳۱/۱، قديمي)

قال الحافظ رحمه الله: "هو فرض كفاية، وهو عام في المظلومين، وكذلك في الناصرين بناءً على أن فرض الكفاية مخاطب به الجميع، وهو الراجح". (فتح الباري، باب نصر المظلوم: ۱۲۵/۵، قديمي)

# باب صلوۃ الاستسقاء

## (نمازِ استسقاء کا بیان)

### نمازِ استسقاء کی شرائط

سوال [۴۱۵۷]: اکثر علاقوں میں بارش ہے لیکن کچھ ضلعے ایسے ہیں جہاں بارش نہیں ہے، مثلاً جیسے ضلع رہتک یا اس کے اردگرد بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہے اور مویشیوں کی حالت تو قابلِ عبرت ہے، سننے میں یہ آیا ہے کہ ہزاروں مویشی زمین چاٹ چاٹ کر مر گئے کیونکہ پچھلے سال بھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے کچھ پیداوار زیادہ نہ ہوئی تھی اور اس سال بھی بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ قحط کی صورت ہوگئی۔ ایسی حالت میں نمازِ استسقاء کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جب تک شرائط نہ پائی جائیں نمازِ استسقاء جائز نہیں اور "مالابد منہ" فارسی کی عبارت پیش کرتا ہے، مالابد منہ مطبع مجیدی کا نپور ص ۴۲ کے حاشیہ پر یہ عبارت موجود ہے جو نقل کی جاتی ہے وھو ھذا:

"واز شروطِ استسقاء آنست کہ در شدتِ ضرورت باشد یعنی بقدرِ کفِ دست ابر در آسمان نباشد، و مستسقیان را در یاھا و انہار و چاہہائے برائے آب نوشی خود ایشان و مواشی ایشان نباشد، و اگر باشد کافی نبود، والا جائز نیست"(۱)۔

و عالمگیری وغیرہ، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نہریں دریا کنویں نہ ہوں یا ہوں تو پانی کفایت نہ کرتا ہو تب نماز جائز ہے ورنہ نہیں (۲)۔ اب قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ تحت ضرورت میں بشرط عدم جملہ شرائط مثلاً ابر بھی کچھ

(۱) (مالابد منہ للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلوۃ، طلب باران - ۴۳، رقم الحاشیۃ: ۱، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

(۲) "إنما يكون الاستسقاء في موضع لا يكون لهم أودية ولا أنهار وآبار يشربون منها ويسقون مواشيهم أو زروعهم أو يكون لهم ولا يكفيهم ذلك. فأما إن كانت لهم أودية وآبار وأنهار، فإن الناس لا يخرجون ←

جب دنگل میں یہ حالت ہے تو شرعاً وہاں صلوٰۃ استسقاء درست ہے کیونکہ پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے جب جانور زمین چاٹ چاٹ کر مر رہے ہیں تو اس قدر حاجت کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۶/۵۸ھ۔

الجواب الصواب: بندہ عبد الرحمٰن غفر لہ۔

## ایضاً

سوال[۳۹۵۸]: مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قریب ہی موضع بینا پارہ واقع ہے، وہاں لوگوں نے نماز استسقاء ادا کی بمولانا بدر الدین اصلاحی نے نماز پڑھائی اور جامعہ فاروقیہ میں دعا خوانی کی گئی، نماز ادا نہیں کی گئی بلکہ مولانا محمد یسین قاسمی مہتمم جامعہ ہذا و مولانا ظفر علی قاسمی جو کہ قریب ۳۰/ سال سے مدرسہ میں عربی کی تعلیم دے رہے ہیں، انہوں نے اعلان کیا کہ استسقاء کی نماز ادا نہیں کی جائے گی، صرف دعا خوانی ہوگی اس لئے کہ شرائط نہیں پائے جاتے اور فضا کا اس وقت یہ عالم تھا کہ بادل خوب گھرا ہوا تھا مگر بارش ایک قطرہ نہیں ہوئی، بلکہ دھوپ سے کچھ وغیرہ سوکھ رہی تھی اور جو شرطیں مالا بدمنہ میں ذکر ہیں وہ بھی نہیں پائی جاتی تھیں، جیسا کہ مالا بدمنہ میں ۸ میں ہے:

"و از شرط استسقاء آنست کہ در دشت ضرورت باشد یعنی بقدرِ کفِ دست ابر در آسمان نباشد...... برائے آب نوشی خود ایشان و مواشی ایشان نباشد، و اگر باشد کافی نبود، والا جائز نیست"(۱)۔ عالمگیریہ أیضاً۔

---

= بصلوۃ الجمعۃ فی الاستسقاء ۱۳۸/۲، قدیمی)

"وإنما یکون الاستسقاء فی موضع لا یکون لهم أودیۃ ولا أنهار و آبار یشربون منها و یسقون مواشیهم أو زروعهم، أو یکون و لا یکفیهم ذلک، فأما إذا کانت لهم أودیۃ و آبار و أنهار، فإن الناس لا یخرجون إلی الاستسقاء؛ لأنها إنما تکون عند شدۃ الضرورۃ و الحاجۃ"۔ (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع عشر فی الاستسقاء: ۱۵۳/۱، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب الاستسقاء، ص: ۵۴۸، قدیمی)

(۱) (مالا بدمنہ للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلوۃ، بیان طلب باران، ص: ۶۳، رقم الحاشیۃ: ۱، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

حالانکہ اس وقت پانی وغیرہ کی کھانے پینے میں بہت فراوانی تھی اور آسمان ابر آلود بھی بہت تھا تو بھی نماز ادا کی۔ مفتیانِ دین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فتویٰ دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پانی کی قلت کی وجہ سے آدمیوں، جانوروں، کھیتوں کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو استسقاء درست اور ثابت ہے۔ اس کے لئے دعا بھی ثابت ہے اور نماز بھی۔ کسی اختلاف اور نزاع کی ضرورت نہیں، آپس کے نزاعات کو ایسے وقت میں مٹا کر استغفار کیا جائے ورنہ توجہ الی اللہ نہیں ہوتی تو دعا بے اساس ہی رہتی ہے۔

احادیث میں موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کے وقت کسی نے آکر پانی کی قلت کی شکایت کی جب آپ نے دعا فرمائی حالانکہ آسمان پر بالکل بادل نہیں تھا مگر فوراً بارش ہوئی اور ہفتہ تک بارش رہی(۱)۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن رجلاً دخل المسجد يوم الجمعة من باب كان نحو دار القضاء، ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم قائماً، ثم قال: يا رسول الله! هلكت الأموال وانقطعت السبل، فادع الله يغيثنا، فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه، ثم قال: "اللهم أغثنا، اللهم أغثنا". قال أنس رضي الله تعالى عنه: ولا والله! ما نرى في السماء من سحاب ولا قزعة، وما بيننا وبين سلع من بيت ولا دار، قال: فطلعت من ورائه سحابة مثل الترس، فلما توسطت انتشرت، ثم أمطرت، فلا والله! ما رأينا الشمس سبتاً. ثم دخل رجل من ذلك الباب في الجمعة ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبله قائماً فقال: يا رسول الله! هلكت الأموال وانقطعت السبل، فادع الله يمسكها عنا. قال: فرفع رسول الله يديه، ثم قال: "اللهم حوالينا ولا علينا، اللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر". قال: فانقطعت وخرجنا نمشي في الشمس". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء في خطبة الجمعة غير مستقبل القبلة: ۱۳۸/۱، قديمي)

"وشرعاً: طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بأن يحبس المطر ولم يكن لهم أودية وآبار وأنهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم، أو كان ذلك إلا أنه لا يكفي، فإذا كان كافياً لا يستسقى، كما في المحيط". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۱۸۴/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في الاستسقاء: ۱۵۳/۱، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء، ص: ۵۳۹، قديمي)

حاشیہ ملا جونت سے جو بادل ہونے کی شرط کو لکھا گیا ہے وہ شرط فتاویٰ عالمگیری میں مجھے نہیں ملی (۱)۔

جس وقت دعا کی گئی اس وقت کا حال راوی نے بیان کیا اور سرعت اجابت دعا کے ذیل میں ہے کہ بادل موجود نہ ہونے کے باوجود فوراً بارش شروع ہوگئی، نہ کہ یہ استسقاء کے لئے شرط ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۲/ ۹۳ھ۔

☆ ... ☆ ... ☆ ..... ☆ ...... ☆

---

(۱) "ظاہر عالمگیری کی یہ عبارت مراد ہے: "إنما يكون الاستسقاء في موضع لا يكون لهم أودية وأنهار وآبار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزروعهم، أو يكون لهم ولا يكفيهم ذلك، فإذا كانت لهم أودية وآبار وأنهار، فإن الناس لا يخرجون إلى الاستسقاء، لأنه إنما يكون عند شدة الضرورة والحاجة، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الاستسقاء: [illegible]، رشيدية)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: شكى الناس إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قحوط المطر، فأمر بمنبر ... فخرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين بدا حاجب الشمس، فقعد على المنبر، فكبر وحمد الله ... فصلى ركعتين، فأنشأ الله سحابة فرعدت وبرقت ثم أمطرت بإذن الله، فلم يأت مسجده حتى سالت السيول، فلما رأى سرعتهم إلى الكن ضحك حتى بدت نواجذه ... الخ".

"ضحك حتى بدت نواجذه: أي أواخر أضراسه، وكان ضحكه تعجباً من طلبهم المطر اضطراراً، ثم طلبهم الكن عنه فراراً، ومن عظيم قدرة الله تعالى وإظهار قربة رسوله، وصدقه بإجابة دعائه سريعاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: [illegible]، رشيدية)

# باب الجنائز

## کیا اچانک موت کا آنا بُری موت کی علامت ہے؟

سوال [۳۴۵۹]: ہارٹ فیل ہو جانا کیا بُری موت کی علامت ہے؟

حاجی عبدالمجید ڈار، نیروبی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ اس سے اکثر ادائے حقوق، توبہ، معافی وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (۱)۔ فقط۔

## روح نکلنے کے بعد میت کے پیر قبلہ کی طرف کرنا

سوال [۳۴۶۰]: کسی مسلمان کی روح نکلنے کے بعد اس کو کس سمت رکھا جائے؟ ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ روح نکلنے کے بعد اس کے پیر کو قبلہ رُخ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے چہرہ کا رخ قبلہ کی

---

(۱) "عن عبيد بن خالد السلمي رجل من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال مرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم قال مرة عن عبيد قال: "موت الفجأة أخذة أسف". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة: ۲/۸۹، إمدادية)

"أسف بفتح السين وكسرها، فبالفتح معناه: أخذة غضب، وبالكسر معناه: أخذة غضبان. ومعنى الكلام: موت الفجأة أثر غضبه تعالى حيث لم يتركه للتوبة، ولم يستعد لمعاده، ولم يمرضه ليكفر ذنوبه، ولذلك تعوذ صلى الله تعالى عليه وسلم من موت الفجأة". (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة: ۴/۱۸۹، إمدادية)

وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب تمني الموت وذكره، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۶۱۱: ۴/۴۴، رشيدية)

طرف او وجہ ہے جب کہ زندگی میں قبلہ کی جانب پیر پھیلا کر سونے یا بیٹھنے کی ممانعت کی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روح جسم سے نکل جانے کے بعد میت کے پیر کو قبلہ کی طرف کر دینے کا رواج شرعاً بے اصل اور غلط ہے، ہاں! موت سے پہلے جب موت کے آثار شروع ہو جائیں تو اس وقت اس کا سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف، رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، یہی افضل اور سنت طریقہ ہے، گر چہ کسی مصلحت کی خاطر کوئی دوسری صورت بھی درست ہے:

"ويسن توجيه المحتضر - وهو من قرب من الموت على يمينه، لأنه السنة، وجاز الاستلقاء على ظهره؛ لأنه أيسر للمعالجة، ولكن يرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء". مراقي الفلاح، ص: ۳۰۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۱۲ھ۔

## موت کے وقت سر کدھر ہو اور پیر کدھر ہو؟

سوال[۴۲۹۲]: موت کے وقت سر پورب اور پیر پچھم(۲) کی طرف کر کے لٹاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب أحكام الجنائز: ۵۵۹، قديمي)

"(ويوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة) على يمينه هو السنة، (وجاز الاستلقاء) على ظهره (و) قدماه إليها؛ وهو المعتاد في زماننا (و) لكن يرفع رأسه ليتوجه للقبلة (وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح) صححه في المبتغى، (وإن شق عليه ترك على حاله)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۸۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۸۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۵۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "پورب: مشرق"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور)

"پچھم: مغرب"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۰، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی گنجائش ہے کہ مرتے وقت سر پورب کی طرف کیا جائے لیکن سر کو تکیہ کے ذریعہ ذرا اونچا کردیا جائے، اصل بات یہ ہے کہ سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف کردیں اور چہرہ قبلہ کی طرف رہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

## میت کے پاس تلاوت کا حکم

سوال[۳۱۹۲]: زید کا انتقال ہوگیا اب اس کے سرہانے یا اس کے پاس تلاوتِ قرآن غسل کے وقت تک کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، کچھ فاصلہ پر تلاوت کی جائے، رد المحتار: ۱/۸۹۹ (۲)۔

---

(۱) "ویستحسن توجیه المحتضر: أی من قرب من الموت علی یمینه؛ لأنه السنة. وجاز الاستلقاء إلی ظهره؛ لأنه أیسر لمعالجته، ولکن یرفع رأسه قلیلاً لیصیر وجهه إلی القبلة دون السماء". (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، باب أحکام الجنائز، ص: ۵۵۸، قدیمی)

"(یوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدمیه واعوجاج منخره وانخساف صدغیه (القبلة) علی یمینه هو السنة (وجاز الاستلقاء) علی ظهره (وقدماه إلیها) وهو المعتاد فی زماننا (و) لکن (یرفع رأسه) یسیراً لیتوجه للقبلة (وقیل: یوضع کما تیسر علی الأصح) صححه فی المبتغی. (وإن شق علیه ترک علی حاله)". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۸۹/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۹۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی الجنائز، ص: ۵۷۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "وذکر ط أن محل الکراهة إذا کان قریباً منه، أما إذا بعد عنه بالقراءة فلا کراهة. الخ". (رد المحتار: ۱۹۳/۲، مطلب فی القراءة عند المیت، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱۵۷/۱، الفصل الأول فی المحتضر، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۵۷۷، فصل فی الجنائز، سهیل اکیڈمی لاهور)

## میت کے ارد گرد میں قرآن پڑھنا

سوال [۳۰۹۳]: اگر کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے دفن کرنے سے پہلے اس آدمی کو رکھ کر اس کے ارد گرد اور دور دور پر قرآن پاک کو پڑھا جاتا ہے، جس آدمی نے ساری عمر دین کا کوئی کام نہ کیا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ کی وجہ سے میری معافی ہوجائے گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ اور طریقہ غلط ہے، مستند نہیں ہے بلکہ خلاف اصول ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## میت کے قریب اگربتی سلگانا

سوال [۳۰۹۴]: میت کے قریب اگربتی سلگانا کیسا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کتب بالا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت میں بدبو پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے اس کو غسل دینے سے پہلے تختہ کو خوشبو کی دھونی دی

---

(۱) مضمون جو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب میت کی نزع کی حالت شروع ہوجائے تو اس وقت اس کے قریب بیٹھ کر آرام آرام سے سورۂ یسین کی تلاوت شروع کی جائے اس سے اس کی نزع روح میں آسانی ہوتی ہے:

"أخرج ابن أبي الدنيا والديلمي عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "ما من ميت يقرأ عند رأسه سورة "يس" إلا هون الله عليه". وفي رواية صحيحة أيضاً "يس قلب القرآن، لا يقرأها عبد يريد الله والدار الآخرة إلا غفر الله له ما تقدم من ذنبه، فاقرأوها على موتاكم" ذكره ابن حبان، والمراد به من حضره الموت، ويؤيده ما أخرجه ابن أبي الدنيا وابن مردويه: "ما من ميت يقرأ عنده يس، إلا هون الله عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثاني: ۹۰/۴، رقم الحديث: ۱۶۲۲، رشيدية)

(وكذا في إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيما يقال عند المريض إذا حضر، رقم الحاشية: ۶، ص: ۱۰۴، قديمي)

جاتی ہے، یہ مسئلہ عام کتب فقہ میں درج ہے، اس میں تشبہ بالکفار نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۹ھ۔

## مرنے کے بعد بیوی کا منہ دیکھنا

سوال[۴۰۹۵]: زید اپنی زوجہ کا انتقال کے بعد قبل از دفن چہرہ دیکھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیکھنے کا حق ہے، مگر جسم کو ہاتھ نہ لگائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۹ھ۔



## کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے

سوال[۴۰۹۶]: لوگوں میں مشہور ہے کہ جب کسی کافر کے مرنے کی خبر سنے یا لاش لے جاتے ہوئے دیکھے تو ﴿فی نار جہنم خالدین فیہا﴾ پڑھنا چاہئے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "(ويوضع) كما مات (كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمر وتراً) إلى سبع فقط". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: مجمر): أي مبخر، وفيه إشارة إلى أن السرير يجمر قبل وضعه عليه تعظيماً وإزالة للرائحة الكريهة" (باب الجنازة: ۲/۱۹۵، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "يوضع على سرير مجمر وتراً قبل وضع الميت عليه". (كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: باب صلاة الجنازة: ۲/۳۰۰، رشيديه)

(۲) قال الحصكفي رحمه الله: "ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح، منية". (الدر المختار على رد المحتار: ۲/۱۹۸، باب صلاة الجنازة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۶۰، الفصل الثاني في الغسل، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۱۴۸۴، باب صلاة الجنازة، ثانيا صفة الغاسل، رشيديه)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۲۲۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے نقل کسی کتاب میں نہیں دیکھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

## غیر مسلم میت کی خبر سننے پر کیا پڑھے؟

سوال [۳۹۰۷]: غیر مسلم کی میت کی خبر سن کر یا میت دیکھ کر کوئی مسلمان ﴿إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ پڑھتا ہے، درست ہے یا نہیں، یا اور کوئی کلمہ پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی میت کی خبر ملے یا کوئی بھی میت سامنے ملے، مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کو دیکھ کر اپنی موت کو یاد

---

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمد للہ پڑھنا چاہئے:

قال الله تعالى: ﴿فإذا استويت أنت ومن معك على الفلك، فقل الحمد لله الذي نجانا من القوم الظالمين﴾. (سورة مؤمنون، پ: ۱۸، آیت: ۲۸)

"فإن الحمد على الإنجاء منهم متضمن للحمد على إهلاكهم، وإنما قيل: ما ذكر، ولم يقل: فقل الحمد لله الذي أهلك القوم الظالمين؛ لأن نعمة الإنجاء أتم ..... وأنت تعلم أن الحمد هنا رديف الشكر، فإذا خص بالنعمة الواصلة إلى الشاكر، لا يصح أن يتعلق بالمصيبة من حيث أنها مصيبة، وهو ظاهر، وفي أمره عليه السلام بالحمد على نجاة أتباعه إشارة إلى أنه نعمة عليهم أيضاً". (روح المعاني: ۱۸/۲۴، ۲۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

قال الله تعالى: ﴿فقطع دابر القوم الذين ظلموا، والحمد لله رب العالمين﴾. (سورة الأنعام، پ: ۷، آية: ۴۵)

" على ما جرى عليهم من النكال والإهلاك، فإن إهلاك الكفار والعصاة من حيث أنه تخليص لأهل الأرض من شؤم عقائدهم الفاسدة وأعمالهم الخبيثة نعمة جليلة يحق أن يحمد عليها، فهذا منه تعالى تعليم للعباد أن يحمدوه على مثل ذلك، واختار الطبرسي أنه حمد منه عز اسمه لنفسه على ذلك الفعل" (روح المعاني: ۷/۱۵۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

# الفصل الأول في غسل الميت

## (میت کو غسل دینے کا بیان)

### میت کو غسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہو؟

سوال [۴۰۰۹]: میت کو غسل دیتے کے وقت اس کے پاؤں کس طرف کرنا چاہئے، اگر قبلے کی طرف کئے ہوئیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرف سہولت ہو، قبلے کی طرف پاؤں ہوجائیں تو بھی گناہ نہیں(۱)۔

"ويوضع الميت كما تيسر في الأصح، فإنه شمس الأئمة السرخسي. وقيل: عرضاً، وقيل: إلى القبلة، فيكون رجلاه إليها، كالمريض إذا أراد الصلاة بإيماء. وفي القهستاني عن المحيط وغيره: هو الأسنة اهـ". طحطاوي مص ... فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ۵۶۸، قديمي)

"(ويوضع كما مات كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمر وتراً)". (الدر المختار)

"(قوله: في الأصح) وقيل: يوضع إلى القبلة طولاً، وقيل: عرضاً كما في قبره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۵، سعيد)

"وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً كما يوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۰، رشيدية)

ایضاً

سوال[۴۰۰۶]: زید کہتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے پاؤں کو قبلہ رخ ہونا چاہئے کیونکہ جب مردے کو رکھنے جائیں گے تو ان کا رخ قبلہ رخ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دیتے وقت تختہ پر رکھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹانا، دوسرے قبلہ کی طرف منہ کر کے جیسے کہ قبر میں رکھتے ہیں، جو صورت بھی آسان ہو اس کو اختیار کر لیں تو دونوں درست ہیں:

"وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر، كذا في الظهيرية". عالمگیری: ۱/۱۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

## غسلِ میت کے وقت پیر کس طرف ہوں اور غیر مستحق کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۰۰۷]: مردہ کو غسل دینے کا کیا طریقہ ہے، اگر بعد مشرق ومغرب کو کھڑی تو سر پیر کس

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيدية)

"ثم لم يذكر في ظاهر الرواية كيفية وضع التخت أنه يوضع إلى القبلة طولاً أو عرضاً، فمن أصحابنا من اختار الوضع طولاً كما يفعل في مرضه إذا أراد الصلاة بالإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً كما يوضع في قبره، والأصح أنه يوضع كما تيسر؛ لأن ذلك يختلف باختلاف المواضع". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية الغسل: ۲/۴۵، رشيدية)

"(ويوضع كما مات، كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمر وتراً)". (الدر المختار).

"(قوله: في الأصح) وقيل: يوضع إلى القبلة طولاً، وقيل: عرضاً كما في قبره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۵، سعيد)

طرف ہونے چاہئے ، اور لحد جنوب وشمال کھودی جائے تو سر وپیر کس طرف ہونے چاہئے؟ جو آدمی استنجا نہیں سمجھتا ہے، کیا وہ شخص جانور حلال کرسکتا ہے یا نہیں؟ شرع کا پابند بھی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دینے کے لئے جس طرح سہولت ہو درست ہے، مشرق ومغرب ہو تو پیر مشرق کی طرف بھی رکھ سکتے ہیں، شمال وجنوب ہو تو پیر جنوب کی طرف مناسب ہے(۱)۔ ہر مسلمان کا ذبیحہ درست ہے جب کہ وہ شرعی قاعدہ سے ذبح کرے، احکامِ شرع جس قدر آدمی ترک کرتا ہے اسی قدر وہ جواب دہ اور گنہگار ہے اس لئے پابندی لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## میت کا غسل کے بعد پیر کدھر ہوں؟

سوال[۴۱۲۰]: (الف) میت کو غسل سے قبل چارپائی میں کس رخ لٹایا جائے یعنی سر اور پیر کس سمت ہو؟

(ب) غسل کے وقت کس سمت پیر رکھا جائے؟

(ج) غسل کے بعد جنازہ لے جانے سے قبل میت کو چارپائی پر کس رخ رکھا جائے یعنی سر اور پیر کس سمت ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) انتقال سے پہلے شمال کی طرف سر اور جنوب کی طرف پیر کرکے قبلہ رخ کردیا جائے قبر کی طرح پر ہے(۳)۔

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "میت کو غسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہوں؟")

(۲) "وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم". (الدر المختار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۶، سعيد)

"قوله: وحل ذبيحة مسلم وكتابي، لما تلونا الخ" (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۴۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ويوضع كما مات، كما تيسر في الأصح على سرير مجمر وتراً". (الدر المختار) "قوله: في الأصح) وقيل: يوضع إلى القبلة طولاً، وقيل: عرضاً كما في قبره". (رد المحتار، كتاب الصلاة،

(ب) جس رخ پر موقع کے لحاظ سے آسان ومناسب ہو۔

(ج) قبلہ رخ ہونا بہتر ہے جیسا کہ اوپر والے جواب میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۹۲ھ۔

## غسلِ میت کے لئے نیت ضروری نہیں

سوال [۳۹۷۴]: میت کو غسل دینے کے لئے نیت عربی میں تحریر فرمائیں، نیز میت کے غسل دینے والے پر ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت پر کسی نے پانی بہادیا اور کوئی حصہ اس کا خشک نہ رہا تو غسل ہوگیا، میت کی ہو یا نہ کی ہو(۲)، نیز

---

باب الجنائز: ۲/۱۹۵، سعید)

"وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً كما يوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۰، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۷۹، قديمي)

(۱) "(ويوضع كما مات، كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمر وتراً)". (الدر المختار). "(قوله: في الأصح) وقيل: يوضع إلى القبلة طولاً، وقيل: عرضاً كما في قبره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۵، سعيد)

(۲) "فالحاصل أنه لابد في إسقاط الفرض من الفعل، وأما النية فشرط لتحصيل الثواب، ولذا صح تغسيل الذمية زوجها المسلم مع أن النية شرطها الإسلام، فيسقط الفرض عن بفعلها بدون نية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۰، سعيد)

"ميت غسله أهله من غير نية الغسل، أجزأهم ذلك". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت وما يتعلق به الخ: ۱/۱۸۷، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۲، رشيدية)

کا خیال ہے کہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ عورتیں ایامِ عدت میں شوہر کی زوجیت میں چار ماہ اور دس دن اس کے نکاح میں رہتی ہیں، اس لئے ضرورت کے وقت شوہر کو غسل بھی دے سکتی ہیں تو پھر کس طرح چھونے سے پرہیز کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا یہ خیال غلط ہے بلکہ عورت کے لئے شرعاً جائز ہے کہ شوہر کو بعد موت کے کفن اور غسل دے، دلیل وہی ہے جو آپ نے لکھی ہے، کذا فی ردالمحتار ۵۷۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

سوال[۴۹۷۱]: بیوی کے مرنے کے بعد چونکہ شوہر سے زوجیت کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے بعض کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رشتہ منقطع ہو گیا تو بیوی کے مرنے کے بعد اس کو منہ کیوں دیکھتے نہ گھر میں اور نہ قبر میں اور نہ بیوی کو کاندھا دیتے ہیں اور نہ بیوی کو قبر میں اتارتے ہیں اور نہ بیوی کو چھوتے ہیں، یہ سب افعال شوہر کو بیوی کے مرنے کے بعد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا شوہر کا شمار بھی غیر محرم میں ہوجاتا ہے بیوی کے مرنے کے بعد یا اس کا شمار محرم میں رہتا ہے اور وہ سب افعال کر سکتا ہے مثلاً قبر میں اتارنا، منہ دیکھنا، کاندھا دینا، بوقتِ ضرورت غسل دینا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منہ دیکھنے کی اجازت ہے، ہاتھ لگانے کی نہیں، غسل دینا بھی درست نہیں، کاندھا دینا محرم اور غیر محرم سب

(۲) "عن ابن أبي مليكة: "أن امرأة أبي بكر غسلته حين توفي، أوصى بذلك". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز، باب المرأة تغسل الرجل، (رقم الحديث: ۶۱۱۴): ۳/۴۰۸، المكتب الإسلامي)

"ويمنع زوجها من غسلها ..... وهي لا تمنع من ذلك، ولو ذمية بشرط بقاء الزوجية"

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۸، سعيد)

"والمرأة تغسل زوجها دخل بها أو لا بشرط بقاء الزوجية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۶، رشيدية)

مزید دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان الكلام فيمن يغسل: ۲/۳۳، رشيدية)

کو درست ہے، اگر ضرورت ہو تو قبر میں اتارنا بھی شرعاً درست ہے۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک غسل دینا بھی درست ہے اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے، دلائل دونوں فریق کے پاس موجود ہیں، حنفیہ کا مسلک احتیاط کے زیادہ قریب ہے، کما فی رد المحتار: ۱/۵۷۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا؟

سوال [۴۱۷۷]: کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وفات بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا، اگر غسل دیا تھا تو کوئی خاص وجہ تھی، عام حکم ہے، یا بوجہ زوجیت ان کا رشتہ تا قیامت منقطع نہیں ہوا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً: اس روایت میں کلام ہے (۲)، ثانیاً: اس کا محمل انتظام واہتمام ہے، ثالثاً: یہ خصوصیت مقام ہے،

---

(۱) "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لا من النظر إليها على الأصح". (الدر المختار). "وقالت الثلاثة: يجوز؛ لأن علياً رضي الله تعالى عنه غسل فاطمة رضي الله تعالى عنها. قلنا: هذا محمول على بقاء الزوجية، لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "كل سبب ونسب ينقطع بالموت إلا سببي ونسبي"، مع أن بعض الصحابة أنكر عليه". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۱۹۸، سعيد)

"ولا يغسل الرجل زوجته، والزوجة تغسل زوجها دخل بها أو لا بشرط بقاء الزوجية" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۴، رشيدية)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان الكلام فيمن يغسل: ۲/۳۵، رشيدية)

(۲) "إن أحمد والشافعي يحتجان في جواز غسل زوجته بأن علياً رضي الله تعالى عنه غسل فاطمة رضي الله تعالى عنها ـ رداً على أبي حنيفة ... قلت: ورواه عبد الرزاق في مصنفه بسند ضعيف ومنقطع" (نصب الراية لأحاديث الهداية للعلامة الزيلعي، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۵۰، ۲۵۱، مؤسسة الريان المكتبة المكية)

"يجوز أن تغسل المرأة زوجها بالإجماع، أما غسله زوجته فغير جائز عندنا، وهو قول الثوري والأوزاعي خلافاً للثلاثة، احتجوا ... وروى البيهقي وأبو الفرج عن فاطمة رضي الله تعالى عنها قالت لأسماء بنت عميس: يا أسماء، إذا مت فغسليني أنت وعلي، فغسلاها. قال أبو الفرج في =

جس کا ذکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کذا فی رد المحتار:

"ألا ترى أن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه لما اعترض عليه بذلك أجابه بقوله: أما علمت أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن فاطمة رضي الله تعالى عنها زوجتك في الدنيا والآخرة". فادعاؤه الخصوصية دليل على أن المذهب عندهم عدم الجواز". شامي: ٢٧٦/١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۶۱ھ۔

## عورت کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو تو تیمم کرادیا جائے

سوال [۴۵۷۱]: عورت کے انتقال پر کوئی عورت نہ ہو تو اگر کسی مرد نے غسل کرادیا تو گنہگار ہوگا یا نہیں جب کہ ہاتھ میں کچھ فاصلہ بھی نہیں رکھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں، توبہ واستغفار لازم ہے، ایسی حالت میں تیمم کرادینے کا حکم ہے، اگر محرم ہو تو بلا کپڑے کے تیمم کرادے، ورنہ کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر تیمم کرائے۔ "ولو ماتت امرأة مع الرجال تيممها بخرقة، وإن وجد ذو رحم محرم يممها بلا خرقة اهـ". نور الإيضاح (٢)۔

---

= بإسناده عبد الله بن نافع، قال يحيى: ليس بشيء، وقال النسائي: متروك. وروي أحاديث أخر ليس فيها ما يعتمد عليه، على أنه لو ثبت لم يكن فيه دلالة؛ لأن الغسل منه بغسالة أي بسبب غسالته مشهورة، بقرب من الحقيقة في كثرة الاستعمال والشهرة الخ" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ٦٠٢، سهيل اكيدمي)

(١) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١٩٨/٢، سعيد)

(٢) (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ٥٧٣، ٥٧٤، قديمي)

"عن سعيد بن المسيب أنه قال: إذا ماتت المرأة مع الرجال ليس معهم امرأة، قال: يتيممونها =

## دائی کا میت کو غسل دینا

سوال[۳۹۷۹]: مسلمہ دائی سے مردہ عورت کو غسل کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمہ دائی سنت کے مطابق غسل دیتی ہے تو یہ درست ہے، اولیٰ بات یہ ہے کہ گھر کی مستورات خود ہی غسل دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۲ھ۔

## میت کو فقیروں کے ذریعہ غسل دلانا

سوال[۳۹۸۰]: ہمارے یہاں دستور ہے کہ میت کو فقیروں سے غسل دلاتے ہیں اور ان کو نماز و غسل کی خود بھی توفیق نہیں ہوتی، غسل بے دلی سے کرتے ہیں اور ان کو کافی معاوضہ دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

---

= بالصعید، ولا یغسلونها". (مصنف ابن أبي شیبة، کتاب الجنائز، ما قالوا في الرجل یموت مع النساء ولیس معهن رجل الخ، (رقم الحدیث: ۱۰۹۹۳)، ۲/۵۵۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ماتت بین رجال أو هو بین نساء یممه المحرم، فإن لم یکن فالأجنبي بخرقة". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۱، سعید)

"لو ماتت امرأة بین الرجال الأجانب، یممها رجل بخرقة ولا یمسها". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۵۷۷، سهیل اکیڈمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأما بیان الکلام فیمن یغسل: ۲/۳۴، رشیدیه)

(۱) "والأولی کونه أقرب الناس إلیه، فإن لم یحسن الغسل فأهل الأمانة والورع". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعید)

"وأما ما یستحب للغاسل فالأولی أن یکون أقرب الناس إلی المیت، فإن لم یعلم الغسل فأهل الأمانة والورع". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۱، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل فقیروں سے دلانا جب کہ وہ ناواقف ہوں، نتیجتاً مذموم ہے، میت کی حق تلفی ہے، اہلِ میت خود میت کو غسل دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

## فقیر کی بیوی کو غسلِ میت پر مجبور کرنا

سوال[۳۹۸۱]: اگر کسی بستی میں میت کو غسل دینے والا فقیر بستی سے دور رہتا ہو اور وہ زنانہ غسل پر مجبور ہو جائے کہ کسی کے پاس اس کا پتہ نہیں، بیوی کے سوا کوئی نہ ہو تو کیا دیگر دو شخص بیوی کو مجبوراً غسل دینے کے لئے بھیج سکتا ہے جب کہ وہ خود رضامند نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل دینا فرضِ کفایہ ہے(۲)، اگر دوسرے بھی غسل دے سکتے ہوں تو اس پر جبر جائز نہیں، غسل دینا مشکل کام نہیں کہ سب نے ایک کے سر رکھ دیا، سب کو سیکھ لینا چاہئے، لیکن اگر عورت موجود نہ ہو تو نامحرم غسل نہ دیں بلکہ تیمم کرادیں اور وہ بھی کپڑے کے ذریعہ سے، اگر کوئی محرم موجود ہو تو بلا کپڑے کے تیمم کرادے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان "[illegible] کو میت کو غسل دینا"۔)

(۲) "(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع ... (كدفنه) وغسله وتجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

"وأما كيفية وجوبه، فهو واجب على سبيل الكفاية إذا قام به البعض سقط عن الباقين الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية وجوبه الخ: ۲/۲۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(۳) "ونقل عن الخانية أنه إذا كان للمرأة محرم يممها بيده، وأما الأجنبي فبخرقة على يده ويغض بصره عن ذراعيها". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۱۹۸، سعيد)

## غسلِ میت کے بعد پاخانہ نکل آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۹۲]: میت کو غسل دیکر کفن بھی پہنا چکے، اس کے بعد پاخانہ نکل آیا، اس حالت میں کیا حکم ہے؟ دوبارہ غسل دیں گے اور نیا کفن دیں گے یا اسی کفن میں پہنچیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا حصہ بدن کا اور کپڑے کا ناپاک ہوگیا اس کو پاک کر دیا جائے، دوبارہ غسل دینے یا کفن کو بدلنے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۹/۹۳ھ۔

## مُردہ کے بدن سے ناپاکی نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۹۳]: جو مردہ عورت بعد مرنے کے ناپاکی دیکھے ایک بچی یا دو بچی تو کس طرح ناپاکی پاک ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مردہ کے بدن سے اگر کچھ ناپاکی نکلے تو اس کو پاک کر دیا جائے، بغیر پاک کئے نماز جنازہ نہیں ہوگی، اگر سوال کا کچھ اور مطلب ہے تو واضح کیجئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ويمسح بطنه رفيقاً، وما خرج منه يغسله ... ولا يعاد غسله ولا وضوءه بالخارج منه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۷، سعيد)

"ثم يمسح بطنه فإن سال منه شيء يمسحه، كيلا يتلوث الكفن، ويغسل ذلك الموضع تطهيراً له عن النجاسة الحقيقية، ولم يذكر في ظاهر الرواية سوى المسح، ولا يعيد الغسل ولا الوضوء عندنا". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية الغسل: ۲/۲۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۲، رشيديه)

(۲) "تکفین سے قبل نجاست نکلی تو اس کو دھونا ضروری ہے، اگر تکفین کے بعد نکلی تو دھونا ضروری نہیں، خواہ میت کے بدن پر ہو یا کفن پر، بدون دھوئے نماز جائز ہوگی، یہ حکم خود بدن میت سے نکلنے والی نجاست کا ہے، خارجی نجاست کا دھونا ضروری ہے، ورنہ نماز نہ ہوگی"۔ (احسن الفتاویٰ، باب الجنائز: ۴/۲۰۷، سعید)

## غسلِ میت میں ڈھیلے سے استنجا

سوال [۳۹۸۴]: میت کو بوقتِ غسل ڈھیلے سے استنجا کرایا جائے؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی سے استنجا کے متعلق زیلعی (۱) بحر (۲) طحطاوی (۳) وغیرہ میں طرفین کے نزدیک اس کی تاکید مذکور ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ اول ڈھیلے سے صفائی کی جائے پھر پانی سے، جیسا کہ زندگی میں ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۸/۸۹ھ۔

---

= "إذ تنجس الكفن بنجاسة الميت، لا يضر دفعاً للحرج، بخلاف الكفن المتنجس ابتداءً، وكذا لو تنجس بدنه بما خرج منه إن كان قبل أن يكفن غسل، وبعده لا، كما قدمناه في الغسل، فيقيد ما في القنية بغير النجاسة الخارجة من الميت" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

"ويشترط طهارة الكفن، إلا إذا شق ذلك لما في الخزانة أنه إن تنجس الكفن بنجاسة الميت، لا يضر دفعاً للحرج، بخلاف المتنجس ابتداءً" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۹۲، قديمي)

(۱) "واختلفوا في تنجيته عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد: كان يستنجى في حال حياته، ولا يمس عورته؛ لأن مس العورة حرام، ولكن يلف خرقة على يده فيغسل حتى يطهر الموضع. وقال أبو يوسف: لا يستنجى؛ لأن المسكة قد زالت، فلو استنجى ربما يزداد الاسترخاء فتخرج نجاسة أخرى، فيكتفي بوصول الماء إليه. ولأبي حنيفة رحمه الله تعالى أن موضع الاستنجاء لا يخلو عن النجاسة، فلا بد من إزالتها اعتباراً بحالة الحياة" (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۷۴، سعيد)

(۲) "ولم يذكر الاستنجاء للاختلاف فيه، فعندهما يستنجى، وعند أبي يوسف لا" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۳، رشيدية)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ۵۶۷، قديمي)

(۴) "(وهو سنة مؤكدة) مطلقاً، (وأركانه أربعة: شخص (مستنج) وشيء (مستنجى به) كماء وحجر ... فكان الجمع سنة على الإطلاق في كل زمان، وهو الصحيح، وعليه الفتوى ... ثم اعلم أن الجمع بين الماء والحجر أفضل" (الدر المختار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ۱/۳۳۵، ۳۳۸، سعيد)

## مجذوم کو بلا غسل دفن کرنا

سوال [۲۹۸۴]: زید کو جذام کا عارضہ تھا اور جذام کافی ترقی پر تھا، اسی حالت میں زید کا انتقال ہوگیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا، اب اس کی اس حالت کی وجہ سے کسی نے اس کو غسل دینا گوارہ نہیں کیا اور بلا کفن وبلا نماز کسی صورت سے اس کو ایک گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو ہاتھ لگا کر غسل دینا دشوار تھا تو اس پر لوٹے یا مشک سے پانی بہا دیا جاتا (۱)، اگر یہ بھی نہ ہو سکتا تھا تو ہاتھ پر تھیلی باندھ کر صرف تیمم کرا دیا جاتا تو پھر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا اور اس کے لئے قبر کا بنانا بھی ضروری تھا، گڑھے میں دھکیل دینا بھی غلط ہوا (۲)۔ جس میت کو بلا غسل و نماز دفن کر دیا جائے اس کی قبر پر نماز

---

= هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

قال العلامة المناوي تحته: "أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه ...... ما ليس منه. أي رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد). أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۱۱/۵۵۹۳، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبة نزار مصطفى الباز، رياض)

"وأما هي (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

(۱) "ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحه، كفى صب الماء عليه، كذا في التاتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر في بيان كيفية الغسل: ۲/۱۳۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) میت کے لئے قبر کھود کر دفن کرنا فرض کفایہ ہے، ادا نہ کرنے کی وجہ سے سب گناہگار ہیں۔

"دفن الميت فرض على الكفاية، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۵، رشيديه)

"والكلام في الدفن في مواضع في بيان وجوبه ...... أما الأول فالدليل على وجوبه توارث =

جنازہ پڑھنے کا حکم ہے جب تک اس کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا ظن غالب نہ ہو(۱)۔ بہر حال اب اس کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے تاکہ اس کے حقوق ادا کرنے میں جو کوتاہی ہوئی اس کی کچھ مکافات ہو سکے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۱/۹۹ھ۔

---

= الناس من لدن آدم صلى الله تعالى عليه وسلم إلى يومنا هذا مع النكير على تاركه، وهذا دليل الوجوب إلا أن وجوبه على سبيل الكفاية، حتى إذا قام به البعض سقط عن الباقين لحصول المقصود". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في الدفن: ۲/۲۰۰، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقم المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فسأل عنه فقيل: مات، فقال: "ألا آذنتموني به؟" قال: "دلوني على قبره" فدلوه، فصلى عليه". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۲/۱۰۲، مكتبہ امدادیہ، ملتان)

"(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل، أو ممن لا ولاية له (صلي على قبره) ما لم يغلب على الظن تفسخه الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۶، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيدية)

(۲) "صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها ... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات، لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۳، سعيد)

"إن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۶، قديمي)

## غسالِ میت کو نقد دینا

سوال [۳۱۹۸]: بعض جگہ دستور ہے کہ جس وقت کوئی میت ہوتی ہے تو اس میت کے وارث میں یا دوسرے نقد رقم میں سے نکال کر ایک طرف کونے میں ڈال دیتے ہیں، میت کے دفن سے پہلے وہ نقد غسل دینے والے کو دیتے ہیں۔ یہ طریقہ اس طرح سے کیونکر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پابندی سے نقد کو ول جدا کر دیتے ہیں، بے اصل ہے(۱)، غسل مفت دینے سے بہت ثواب ہوتا ہے، تاہم بوقتِ ضرورت اجرت دے کر غسل دلوانا بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"فإنها أي البدعة ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "والأفضل أن يغسل الميت مجاناً، فإن ابتغى الغاسل الأجر جاز الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعيد)

"والأفضل أن يغسل الميت مجاناً، وإن ابتغى الغاسل الأجر، فإن كان هناك غيره يجوز أخذ الأجر، وإلا فلا يجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۰۲، رشيدية)

# الفصل الثاني في تكفين الميت

## (میت کے کفن کا بیان)

### کفن کے کپڑوں کی تعداد

سوال [۴۱۸۹]: میت مرد کا کفن مسنون شرعاً کیا ہے؟ فقہ کی کتب عامہ میں قمیص، ازار، لفافہ کی تصریح ہے، اب بعض اہلِ علم فرماتے ہیں کہ قمیص کے اوپر کپڑے کی حاجت ہے تاکہ ستر علی وجہ الکمال ہو، اور اپنے اس قول کے لئے حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کا قول دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے تجاوز کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہ کی کتابوں میں تین کپڑوں کی تصریح ہے وہی صحیح ہے، جن دو بزرگوں کا قول اس کے خلاف نئے کپڑے کے لئے پیش کیا جاتا ہے وہ قول میرے علم میں نہیں: "ويسن في الكفن له إزار و قميص ولفافة، اهـ". درمختار، ص: ۷۸، ج (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے۔ حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اگر تحریر فرمایا ہے تو کہاں ہے، اس کے حوالے سے مطلع فرمائیں۔ فقط: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كفن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في ثلاثة أثواب سحولية بيض". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب كفن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲۹۸/۱، قديمي)

"السنة أن يكفن الرجل في ثلاثة أثواب: قميص و إزار ولفافة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثالث في تكفينه، ص: ۵۸۰، سهيل اكيدمي)

"كفن الرجل سنة إزار و قميص ولفافة، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۰/۱، رشيديه)

## کفن کے کپڑے اور طریقہ

**سوال [۲۹۱۰]:** کل ایک میت کو کفن اس طریقے سے پہنایا گیا کہ پہلے لمبی چادر بچھا کر ڈال، پھر اس کے اوپر ازار یعنی تہبند ڈال، پہلے بغل سے لیکر پیروں تک تہبند لپیٹا، اس کے اوپر کفنی پہنادی، پھر چادر لپیٹ کر باندھ دی گئی۔ لہٰذا اس طریقے سے کفن پہنانا صحیح ہے یا غلط، یا گناہ ہوا؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

اول لفافہ بچھا دیا جائے پھر اس پر ازار بچھائی جائے۔ پھر اس پر بلا آستین کا کرتہ ہو، کرتہ میں میت کو داخل کر کے ازار کو بائیں جانب لپیٹیں پھر داہنی جانب سے، اس کے بعد اسی طرح لفافہ کو لپیٹیں اور تین بند لگادیں، ایک پیر سے اوپر اور ایک سر کے نیچے، ایک درمیان میں تاکہ کفن نہ کھل جائے، پھر ایک زائد چادر اوپر ڈالدی جائے جو کہ جنازہ کی نعش کے ساتھ ہے، قبر میں رکھنے کے بعد بند کھول دیئے جائیں کہ اب ضرورت نہیں رہی (۱)۔

(تنبیہ) ازار ولفافہ دونوں سر سے پیر تک بچھا ہوتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۸ھ۔

## کفن کے کپڑے

**سوال [۲۹۱۱]:** مردہ کو کتنے کپڑوں کے ساتھ قبر میں دفن کرنا مستحب ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

---

(۱) "(وتبسط اللفافة) أولاً (ثم يبسط الإزار عليها، ويقمص، ويوضع على الإزار، ويلف يساره، ثم يمينه، ثم اللفافة كذلك) ليكون الأيمن على الأيسر". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/ ۲۰۳، سعيد)

"وكيفيته أن تبسط اللفافة أولاً، ثم الإزار فوقها، ويوضع الميت عليهما مقمصاً، ثم يعطف عليه الإزار وحده من قبل اليسار، ثم من قبل اليمين ليكون الأيمن فوق الأيسر، ثم اللفافة كذلك". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل أما كيفية التكفين: ۲/ ۳۰۷، رشيديه)

(۲) "وفي البدائع: فإن كان الإزار طويلاً حتى يعطف على رأسه وسائر جسده، فهو أولى". (البحر الرائق، المصدر السابق)

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

مرد کو تین کپڑوں میں: ازار، قمیص، لفافہ۔ عورت کو پانچ کپڑوں میں: درع، ازار، خمار، لفافہ، خرقہ، کذا فی التنویر (۱)۔

## میت کے لئے کتنے کپڑے ہیں؟

سوال [۳۹۰۲]: ایک گاؤں کے امام صاحب گاؤں والوں کو کہتے ہیں کہ میت مذکور کے کفنانے میں میت کو تین والے کپڑے لفافہ، ازار اور کفنی، یہ کپڑے دیئے جائیں اور کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ دیں گے تو گناہ گار رہوں گے، اور اسی طرح سے عورت کے کفنانے میں پانچ کپڑے بتاتے ہیں اس سے زیادہ دینے میں گنہگار رہتے ہیں اور گاؤں والے کہتے ہیں کہ مرد کی میت کو ایک صافہ اور ایک تہبند یا لنگی بھی ہونی چاہئے اور

---

(۱) "(ويسن في الكفن له إزار، وقميص، ولفافة) ... (ولها درع): أي قميص (وإزار وخمار ولفافة وخرقة)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، ۲۰۳، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: كفن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في ثلثة أثواب نجرانية، الحلة ثوبان وقميصه الذي مات فيه". (أبو داود، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۹۳/۲، امداديه ملتان)

"عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له داؤد وقد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الآخر ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جالس عند الباب ومعه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۹۳/۲، امداديه ملتان)

"وكفنه سنة: إزار وقميص ولفافة ... وكفنها سنة: درع وإزار ولفافة وخمار وخرقة تربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ۳۰۸، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

اس طرح عورت کے لئے بھی ایک شلوار یا تہبند بھی ضروری بتاتے ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ تو اس مسئلہ کا مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کے کفن میں تین کپڑے مسنون ہیں: ایک قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں، ایک چادر کو ازار کہتے ہیں، دوسری چادر کو لفافہ کہتے ہیں، اس سے زائد کپڑا کفن میں دینا سنت نہیں (۱)۔ عورت کے کفن میں دو کپڑے زائد ہیں: ایک خمار جس میں اس کے بالوں کو لپیٹا جائے، دوسرا سینہ بند، ازار عورت کے لئے شلوار کی جگہ ہے، مرد کے لئے تہبند کی جگہ ہے (۲)، علیحدہ سے شلوار سنت ہے نہ تہبند، گاؤں والوں کا اعتراض غلط ہے، مرد کو

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: كفن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في ثلاثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان، وقميصه الذي مات فيه". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في الكفن ۹۳/۲، امدادیہ ملتان)

"وسن في الكفن له إزار وقميص ولفافة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعید)

"وكفنه سنة إزار وقميص ولفافة". (ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۲۰۸/۱، ۲۰۹، رشیدیہ)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين ۱۶۰/۱، رشیدیہ)

(۲) "عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له داود، قد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم بنت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الآخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جالس عند الباب معه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة ۹۳/۲، امدادیہ ملتان)

"ولها درع: أي قميص، وإزار وخمار ولفافة وخرقة تربط بها ثدياها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعید)

عمامہ بھی کفن میں ضروری نہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفراللہ لہ دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۱/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۱/ ۹۳ھ۔

## میت مرد اور عورت کے کفن کا عدد

سوال[۴۰۱۳]: میت بالغ مرد اور بالغ عورت کو کتنے کپڑے دینے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو تین کپڑے اور عورت کو پانچ کپڑے دینا کفن میں مسنون طریقہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفراللہ لہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۸۸ھ۔

---

= "وكفنها سنة درع وإزار ولفافة وخمار وخرقة تربط بها ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۰۶، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/ ۱۶۰، رشيدية)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: دخلت على أبي بكر رضي الله تعالى عنه فقال: في كم كفنتم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قالت: في ثلاثة أثواب بيض سحولية، ليس فيها قميص ولا عمامة" الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب موت يوم الاثنين: ۱/ ۱۸۶، قديمي)

"(وتكره العمامة) للميت (في الأصح)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۰۲، سعيد)

"وتكره العمامة في الأصح". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۰۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/ ۱۶۰، رشيدية)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: كفن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في ثلاثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان، وقميصه الذي مات فيه". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۲/ ۹۳، إمدادية ملتان) =

## کفن کی مقدار

سوال[۳۰۰۴]: کفن کے بارے میں اختلاف ہورہا ہے، آپ تفصیل سے واضح فرمائیں کہ کفن کتنا کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن میں چادر تو ایک تو ہوتی ہے جس کو عربی میں "رداء" اور "لفافہ" کہتے ہیں اور دو سرے پیر تک ہوتی ہے جس پر دونوں طرف بند باندھتے ہیں۔ دوسری چادر جس کو عربی میں "ازار" کہتے ہیں وہ حقیقۃً چادر نہیں، اس کو بعض فقہاء نے لنگی کے قائم مقام قرار دیا ہے، بعض نے کاندھے سے قدم تک لکھا ہے اور اکثر حضرات نے سر تک چادر ہونے کو لکھا ہے اور یہی معمول ہے۔ تیسرا کپڑا قمیص ہے جو کاندھے سے قدم تک ہوتا ہے۔ بس ان تین کپڑوں سے کفن مکمل ہوجاتا ہے۔ اوپر ڈالنے کے لئے جو چادر ہوتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں، مکان کی کوئی بھی اور چادر ڈال سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۱ھ۔

---

"(ويسن في الكفن له إزار وقميص ولفافة) ... (ولها درع): أي قميص (وإزار وخمار ولفافة وخرقة) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعيد)

"وكفنه سنة إزار وقميص ولفافة ... وكفنها سنة درع وإزار ولفافة وخمار وخرقة لربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷/۲، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۰/۱، رشيديه)

"عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له داؤد - وقد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم - أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الآخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جالس عند الباب ومعه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۹۳/۲، امداديه ملتان)

(۱) "ويسن في الكفن له إزار وقميص ولفافة". (الدر المختار). "(قوله: إزار الخ) هو من القرن إلى ..."

## نابالغ کا کفن

سوال[۳۹۱۵]: میت نابالغ کو کتنے کپڑے دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بلوغ کے قریب ہے تو وہ بالکل بالغ کے حکم میں ہے، اگر اس سے بھی کم ہو جب بھی بہتر یہی ہے کہ پورا کفن دیا جائے، تاہم ایک کپڑے میں دفن کرنے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

---

= "القميص: من أصل العنق إلى القدمين بلا دخاريص وكمين، واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلف فيها الميت وتربط من الأعلى والأسفل" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، سعيد)

"(قوله: وكفنه سنة إزار وقميص ولفافة) والإزار واللفافة من القرن إلى القدم، والقرن هنا بمعنى الشعر، واللفافة هي الرداء طولاً. وفي نسخ المختار: أن الإزار من المنكب إلى القدم، هذا ما ذكروه، وبحث فيه في فتح القدير بأنه ينبغي أن يكون إزار الميت كإزار الحي من السرة إلى الركبة؛ لأنه صلى الله تعالى عليه وسلم أعطى اللاتي غسلن ابنته حقوه وهو في الأصل معقد الإزار، ثم سمي به الإزار للمجاورة. والقميص من المنكب إلى القدم الخ" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۲/۲، رشيدية)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل في تكفينه: ۱۱۵/۲، مصطفى البابي)

(۱) "عن الحسن قال: يكفن الفطيم والرضيع في الخرقة، فإن كان فوق ذلك كفن في القميص وخرقتين" (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث: ۱۱۰۹۷، كتاب الجنائز، قالوا: في الصبي في كم يكفن: ۴۶۶/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"والمراهق كالبالغ، ومن لم يراهق إن كفن في واحد جاز" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۴/۲، سعيد)

"والصبي المراهق في التكفين كالبالغ، والمراهقة كالبالغة، وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوب واحد، والصغيرة ثوبان" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۰/۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۱/۲، رشيدية)

## مردہ بچہ کو بلا غسل وکفن ہنڈیا میں رکھ کر دفن کر دینا

سوال [۳۹۹۶]: ایک مسلمان نے اپنے بچے کو جو پیدا ہونے کے بعد چار گھنٹے تک زندہ رہا، بلا غسل وکفن ونماز کے ایک ہنڈیا (۱) میں بند کر کے دفن کر دیا ہے، گاؤں والے اس سے بے خبر ہیں، گاؤں والوں کو دو ماہ بعد یہ خبر ملی کہ اس نے یہ فعل کیا ہے۔ قانونِ شریعت اس مسلمان کے واسطے کیا حکم دیتا ہے؟ باقی لوگ اس مسئلہ سے لاعلمی رکھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شخص نے نہایت بیجا حرکت اور غلطی کی ہے، اس کے ذمہ لازم تھا کہ اس بچہ کو باقاعدہ غسل اور کفن دیکر اس کی نماز پڑھ کر شریعت کے موافق قبر میں دفن کرتا (۲)، اب اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے اور پختہ عہد کرے کہ آئندہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۹/۶۲ھ۔

---

(۱) "ہنڈیا: مٹی کی ہنڈیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم صلى على ابنه إبراهيم وهو ابن سبعين ليلة". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على الطفل: ۲/۹۸، امدادیہ)

"ويصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة الخ: ۱/۱۶۳، رشیدیہ)

"والصبي المراهق في الكفن كالبالغ، والمراهقة كالبالغة، وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوب واحد، والصبية ثوبان". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في التكفين، ص: ۱۶۰، رشیدیہ)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۱، رشیدیہ)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾. (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لله أشد =

## کفن وغیرہ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟

سوال [۳۹۹۷]: ہندہ کے مرنے کے بعد عرفاً وشرعاً جو اخراجات، مثلاً کفن، خیرات وغیرہ کئے جاتے ہیں، وہ ہندہ کے ترکہ میں سے ہوں گے یا خاوند کے ذمہ لازم ہوں گے؟

المستفتی: بندہ محمد عرفان مغل عفا اللہ عنہ، شیخ مظفر آباد، کوکاتہ چناری کشمیر، ۲۳/محرم/۱۳۹۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ کا کفن مفتیٰ بہ قول پر زوج کے ذمہ لازم ہے: "ویختلف فی الزوج، والفتوی علی وجوب کفنها علیه" الخ۔ تنویر: ۱/۵۰۹(۱)۔

خیرات کے متعلق یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں اس کو نافذ کرنا ضروری ہوگا اور اس سے زائد میں ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں اور اجازت دیدیں تو زائد میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر وصیت نہیں کی تو انتقال کے بعد سے تمام ترکہ میت کے ملک سے خارج ہو کر ورثہ کی ملک میں آ گیا، ورثہ کو اختیار ہے جس قدر چاہیں خیرات کر کے میت کو ثواب پہنچائیں، لیکن اگر کوئی وارث

---

= لفرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

قال العلامة النووي: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة بالشرع". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۶، سعيد)

"وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالى يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالاً، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۱، رشيدية)

نابالغ بھی ہے تو اس کے حصہ کو صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ زوج کے ذمہ تجہیز لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

## عورت کا کفن کس کے ذمہ ہے؟

سوال [۴۹۱۸]: عورت کو کفن اس کے والدین کی طرف سے دیا جاتا ہے، کیا یہ حکم شرعی ہے کہ کفن عورت کے سسرال والوں کی طرف سے نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، یہ شریعت کا حکم نہیں، بلکہ غلط فہمی و رسم ورواج ہے، شرعاً کفن شوہر کے ذمہ ہے، اگر وسعت نہ ہو تو پھر عورت کے ترکہ سے کفن دیا جاوے گا، کذا فی کتب الفقہ مثل الدر المختار والطحطاوی وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(وتجوز بالثلث للأجنبي) عند عدم المانع (وإن لم تجز الوارث ذلك، لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته) ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلاً، بل بعد وفاته (وهم كبار)". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥٠، ٦٥١، سعيد)

"فإن الموصي إذا ترك ورثة، فإنما لا تصح وصيته بما زاد على الثلث إن لم يجز الورثة، وإن أجازوه صحت وصيته به". (البحر الرائق، كتاب الوصايا: ٩/٢١٢، رشيديه)

"ثم تصح الوصية لأجنبي من غير إجازة الورثة، ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها الخ: ٦/٩٠، رشيديه)

(٢) "واختلف في الزوج، والفتوى على وجوب كفنها عليه عند الثاني (وإن تركت مالاً)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٠٦، سعيد)

"ويلزمه أبو يوسف بالتجهيز مطلقاً (ولو كان الزوج معسراً) وهي موسرة (في الأصح) وعليه الفتوى". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٥٧٣، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣١١، رشيديه)

## کفن میں متبرک کپڑا

سوال [۴۰۰۱]: بہشتی زیور اختری: ۲/۵۵ کفنانے کے بیان میں صفحہ ۹ میں لکھا ہے:

''کعبہ کا غلاف یا اپنے پیر کا رومال وغیرہ کوئی کپڑا تبرکاً رکھ دینا (قبر میں) درست ہے''(۱)۔

اس سے فائدہ کیا ہے اور اس کی افادیت کی کیا دلیل ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین میں اس کی کوئی نظیر نہیں، عبداللہ ابن اُبی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ جو دیا گیا تھا وہ محض بدلہ تھا اس کرتے کا جو اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن کی تنگی کے وقت اپنا کرتہ دے دیا تھا (۲) ورنہ جہاں تک فائدہ کا تعلق ہے خود ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معالم التنزیل میں یہ نقل کیا ہے کہ ''میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا''(۳)۔ یہ بات کچھ بریلوی رنگ کی معلوم ہوتی ہے، کیا اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے؟

محمد عبداللہ دہلوی غفرلہ، حضرت نظام الدین دہلی، ۱۳/۱۰/۱۳۹۸ھ۔

---

☆ مکمل اسی پرچے ملاحظہ: (کفایت المفتی، کتاب الجنائز، فصل اول تجہیز وتکفین: ۴/۳۰، دار الاشاعت)

"والقمیص من أصل العنق إلی القدمین بلا دخریص". (رد المحتار، کتاب الصلوٰة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعید)

"والقمیص من المنکب إلی القدم بلا دخریص". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۷، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۰۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بست وچہارم، کفنانے کا بیان، ص: ۱۲۳، دار الاشاعت کراچی)

(۲) لم أجد هذه الواقعة فی حمزة رضی الله تعالیٰ عنه، و لکن راجع لتخریجه متعلقة بالعباس رضی الله تعالیٰ عنه، ص: ۵۱۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) "وفی معالم التنزیل للبغوی ... فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "وما یغنی عنه قمیصی وصلاتی من الله، والله إنی کنت أرجوان یسلم به ألف من قومه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت وتکفینه، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۱۶۳۵: ۴/۱۳۰، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکرم محترم زیدت مکارمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مشکوٰۃ شریف باب غسل المیت وتکفینہ، ص: ۱۴۳ میں متفق علیہ حدیث ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاحبزادی صاحبہ کو غسل دیتے وقت ارشاد فرمایا کہ جب غسل دے چکو تو مجھ کو خبر دینا: "فلما فرغنا آذناه، فألقى إلينا حقوه، فقال: "أشعرنها إياه". الحديث (۱)۔ اس پر محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: "وهذا الحديث أصل في التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما يفعله بعض مريدي المشايخ من لبس قمصهم في القبر. والله أعلم". هامش المشكوٰة (۲)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: "قال الطيبي: أي اجعلن هذا الحقو تحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها، والمراد إيصال البركة إليها" اهـ. مرقاة: ۲/۴۴ (۳)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری: ۳/۱۵۵ میں لکھا ہے: "وهو أصل في التبرك بآثار الصالحين" (۴)۔

بخاری شریف کی روایت ہے: "عن سهل رضي الله تعالى عنه أن امرأة جاءت النبي صلى

---

(۱) والحديث بتمامه: "عن أم عطية رضي الله تعالى عنها قالت: "دخل علينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ونحن نغسل ابنته فقال: "اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك وسدر، واجعلن في الآخرة كافوراً، فإذا فرغتن فآذنني". فلما فرغنا آذناه، فألقى إلينا حقوه، فقال: "أشعرنها إياه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، أو شيئاً من كافور، باب ما يستحب أن يغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قديمي)

(ومشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت وتكفينه: ۱/۱۴۳، قديمي)

(۲) (لمعات التنقيح شرح مشكوٰة المصابيح للإمام عبدالحق المحدث الدهلوي، كتاب الجنائز، باب غسل الميت وتكفينه، (رقم الحديث: ۱۶۳۴)، ۴/۱۸، مكتبة المعارف العلمية لاهور)

(۳) (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت وتكفينه، (رقم الحديث: ۱۶۳۴): ۴/۱۱۸، رشيدية)

(۴) (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر: ۳/۱۶۵، قديمي)

الله تعالى عليه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها، أتدرون ما البردة؟ قالوا: الشملة، قال: نعم. قالت: نسجتها بيدي، فجئت لأكسوكها، فأخذها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم محتاجاً إليها، فخرج إلينا وإنها إزاره، فحسنها فلان، فقال: اكسنيها ما أحسنها، فقال القوم: ما أحسنت لبسها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم محتاجاً إليها، ثم سألته وعلمت أنه لا يرد، قال: إني والله! ما سألته لألبسه، وإنما سألته لتكون كفني، قال سهل: فكانت كفنه"(۱)۔

اس پر حافظ عینی تحریر فرماتے ہیں: "وفيه التبرك بآثار الصالحين" اهـ. كذا في عمدة القاري: ۸/ ۴۰۷(۲)۔

کفر کے موجود رہتے ہوئے کوئی تبرک ذریعۂ نجات نہیں بن سکتا، اس لئے ابن ابی رئیس المنافقین کو قمیص مبارک سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا: ﴿إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار﴾ الآیۃ(۳)۔

مومن کو کافر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس کی حسنات پر اجر وثواب آخرت میں موعود ہے(۴) اور کافر کے حسنات پر آخرت میں وعدہ نہیں بلکہ اس کی شان: ﴿كسراب بقيعة يحسبه الظمآن ماء﴾(۵)۔

مومن کیلئے تو: "شوكة يشاكها" پر بھی اجر ہے(۶) عبداللہ ابن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فلم ينكر عليه: ۱/ ۱۷۰، قديمي)

(۲) (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فلم ينكر عليه، ذكر ما يستفاد منه: ۸/ ۲۳، مطبعة منيرية بيروت)

(۳) (سورة النساء: ۱۴۵)

(۴) قال الله تعالى: ﴿إن الذين آمنوا وعملوا الصلحت أولئك هم خير البرية. جزاؤهم عند ربهم جنت عدن تجري من تحتها الأنهر خلدين فيها أبداً، رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذلك لمن خشي ربه﴾ (سورة البينة: ۷، ۸)

(۵) (سورة النور: ۳۹)

(۶) "عن الزهري قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما من مصيبة تصيب المسلم إلا كفر الله بها عنه حتى الشوكة يشاكها". (صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب ما جاء في كفارة المرض: ۲/ ۸۴۳، قديمي)

تعالیٰ عنہ کو کرتہ دیا تھا جب کہ وہ بدر سے اسیر کرکے لائے گئے تھے، کما صرح بہ البخاری فی کتابہ ۳۰۰۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۱ھ۔

## پردۂ کعبہ کا ٹکڑا میت کی پیشانی پر رکھنا

سوال [۲۰۰۲]: بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا یعنی کپڑا اگر میت کی پیشانی کے اوپر برائے تبرک وموجب برکت کے لئے رکھ دیا جائے تو علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے (۲) بشرطیکہ اس پر کلمہ وغیرہ تحریر نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/رمضان/۶۲ھ۔

---

(۱) "وروی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: لما کان یوم بدر وأتی بالعباس، ولم یکن علیہ ثوب، فوجدوا قمیص عبد اللہ بن أبی یقدر علیہ، فکساہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إیاہ، فلذلک نزع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قمیصہ الذی ألبسہ. قال ابن عیینة: کانت لہ عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ید، فأحب أن یکافئہ". (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الکسوة للأساری: ۱/۴۲۲، قدیمی)

(ورواہ الملا علی القاری فی المرقاة فی کتاب الجنائز، باب غسل المیت وتکفینہ، الفصل الثالث، تحت حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: ۱۶۴۵: ۴/۲۰۲، رشیدیہ)

(۲) "عن أم عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ، فقال: "اغسلنہا ثلاثاً أو خمساً أو أکثر من ذلک بماء وسدر، واجعلن فی الآخرة کافوراً، فإذا فرغتن فآذنّنی". فلما فرغنا آذناہ، فألقی إلینا حقوہ، فقال: "أشعرنہا إیاہ"". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب أن تغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت وتکفینہ: ۱/۱۴۳، قدیمی)

"قال الطیبی: أی اجعلن ہذا الحقو تحت الأکفان بحیث یلاصق بشرتہا، والمراد إیصال البرکة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت وتکفینہ، رقم الحدیث: ۱۶۳۴: ۴/۱۸، رشیدیہ)

"قال ابن حجر العسقلانی: "وہو أصل فی التبرک بآثار الصالحین". (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب أن یغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قدیمی)

(۳) "وقد أفتی ابن الصلاح بأنہ لا یجوز أن یکتب علی الکفن یس والکہف ونحوہما خوفاً من صدید

## کفن کو آبِ زمزم سے تر کرنا

سوال [۴۰۰۲]: کفن کو آبِ زمزم سے تر کرنا یا چھڑکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں میت کا جسم پھٹتا ہے نجاست بھی کفن کو لگتی ہے، زمزم شریف قابلِ احترام ہے اس کو نجاست سے بچانا چاہیے، اسلئے کفن کو زمزم سے تر کرنا مناسب نہیں۔ امداد الفتاویٰ میں ایسا ہی لکھا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۲ھ۔

---

= المیت ... وقد قدمنا قبیل باب المیاه عن الفتح أنه تکره کتابة القرآن وأسماء الله تعالیٰ علی الدراهم والمحاریب والجدران وما یفرش، وما ذاک إلا لاحترامه وخشیة وطئه ونحوه مما فیه إهانة، فالمنع هنا بالأولیٰ ما لم یثبت عن المجتهد أو ینقل فیه حدیث ثابت". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

(۱) "الجواب: جزئیہ مصرحہ نظر نگذشتہ، لیکن بحکم قواعد فقہاء بجہت احتیاط ازیں آب زمزم را کہ مرتبہ احترامش ... وجوب احترام ... و در دیگر جا تصریح کردہ اند بوجوب صیانت اشیائے محترمہ از تعریض بجائے محل نجاست، چنانچہ در کتاب الطہارت و کتاب ... و نیز در کتاب الجنائز از رد المحتار مصرح مذکور است، و از مجموعہ مستفاد می شود حرمت این فعل، البتہ اگر بچیزے باشد کہ صیانتش واجب نباشد و بوجہ من الوجوہ ازاں رجائے برکت باشد مضائقہ نیست"۔ فقط واللہ اعلم، ۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ۔
(امداد الفتاویٰ: ۱/۶۷۴)

**خلاصہ سوال:** تر کفن مبلول بآب زمزم۔

**خلاصہ جواب:** عدم جواز۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۷۸۴، دار العلوم کراچی)

لیکن بعد میں حضرت حکیم الامتؒ نے مندرجہ ذیل صریح جزئیہ کی وجہ سے اپنے قول سے رجوع فرما کر جواز کا فتویٰ دیا ہے: "آب زمزم تر کفن مبلول، ہمانا بدن انسان خشک فوائد شدہ است از غیر موجود است، و تبرک او معنوی است۔" "ولهذا قال فی الأسرار المحمدیة: لو وضع شعر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أو عصاه أو سوطه علی قبر عاص، لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرة من العذاب، ومن هذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول به وبطانة أستار الکعبة والتکفن بها. انتهی". تفسیر روح البیان، ص: ۵۵۹، مصر". (امداد الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۷۸۴، مکتبہ دار العلوم، کراچی)

(وکذا فی فتاوی رحیمیہ، کتاب الجنائز، باب ما یتعلق بالغسل والکفن: ۷/۱۰۶، دار الاشاعت، کراچی)

## میت پر آبِ زمزم چھڑکنا

سوال [۴۰۰۵]: آبِ زمزم کا کفن یا میت کے جسم پر چھڑکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن پاک کپڑے کا دیا جاتا ہے اور غسل کے بعد میت پاک ہے، لہٰذا آبِ زمزم کا میت پر (غسل کے بعد) اور کفن پر تبرک کے لئے چھڑکنا جائز ہے:

"ويجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم على وجه التبرك، ولا يستعمل إلا على شيء طاهر، فلا ينبغي أن يغتسل به جنب أو محدث، ولا في مكان نجس، لباب وشرحه. وفي مياه سحر: ويرفع الحدث بماء زمزم بلا كراهة. وفي الدر أيضاً: ويكره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال اهـ، فاستفيد منه أن نفي الكراهة خاص في رفع الحدث، اهـ". غنية الناسك، ص: ۱۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

## ریشمی کپڑے کا کفن اور اس پر نماز جنازہ

سوال [۴۰۰۶]: قبلہ محترم جناب مفتی اعظم صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، دام ظلکم!

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

---

(۱) "ولذا قال في الأسرار المحمدية: لو وضع شعر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أو عصاه أو سوطه على قبر عاصٍ، لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب، ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة أستار الكعبة والتكفن بها جائز". (تفسير روح البيان، ص: ۵۵۹)

"ثم يمسح به رأي بماء زمزم وجهه ورأسه، ويصب على رأسه قليلاً منه إن تيسر له ذلك، والتوضؤ بماء زمزم والاغتسال به جائز". (مناسك الملا علي القاري، كتاب أدعية الحج والعمرة، الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۳۲۰، إدارة القرآن، كراچي)

زید بہت بزرگ، عالم اور متقی پرہیزگار تھا، عرصہ سے عمر کے یہاں مقیم تھا، بقضائے الٰہی فوت ہوگیا۔ زید کے تعلقات بکر سے دیرینہ وقدیمانہ تھے اور بہت خوشگوار تھے، بکر بھی اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور شیخ الحدیث ہے۔ زید کے انتقال پر عمر نے بذریعہ تار بکر کو زید کے مرنے کی اطلاع دی، چنانچہ تجہیز وتکفین سے پیشتر بکر معہ دیگر مولویوں کے آیا، زید کا جنازہ تیار تھا اور بکر کا انتظار کیا جارہا تھا۔ بکر سے شرکائے میت نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے کہا مگر بکر نے صاف انکار کردیا کہ اس پر کفن ولایتی لٹھا کا ہے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ حاضرین نے مکرر التماس کیا کہ جنازہ پر کفن ڈالنے والا عمر ہے، نہ زید نے اپنی زندگی میں کوئی ہدایت کی کہ بعد مرنے کے میرے اوپر بدیشی کفن ملبوس کرنا مگر بکر نے کوئی جواب نہیں دیا اور بکر کے ہمراہ جو چند مولوی آئے تھے، ان میں ایک بہت بڑا عالم وبزرگ تھا اس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بریں وجہ بصورت فتویٰ چند باتیں دریافت طلب ہیں

۱... کہ ولایتی لٹھا کا اس وقت کفن جائز ہے یا ناجائز؟

۲... کیا مردہ پر بدیشی کفن ڈالنا شرعاً ممنوع ہے؟

۳... کیا اس بدیشی کفن کے باعث مردہ پر قبر میں عذاب نازل رہے گا؟

۴... بکر کا یہ فیصلہ بوجہ بدیشی(۱) کفن زید کی نماز جنازہ نہ پڑھانا احکام شرعیہ کے ماتحت موجب ثواب کا ہے یا عذاب کا؟

۵... اور نیز بکر جب کہ خالص ولایتی اشیاء مثلاً گھڑی، چشمہ استعمال کرتا ہے اور اکثر موٹر کی سواری میں چلتا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ فقط والسلام۔

خادم اسلام جمیل احمد صدیقی از میرزی، ڈاکخانہ خاص ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲... جس کپڑے کا زندگی میں پہننا جائز ہے اس کا کفن بھی جائز ہے جس کا زندگی میں پہننا جائز نہیں اس کا کفن بھی پہنانا جائز نہیں(۲)۔ لٹھے میں اگر کوئی نجس مادہ وغیرہ نہیں ہے بلکہ پاک ہے تو اس

(۱) "بدیشی: غیر ملک کا، دوسرے دیس کا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته، يجوز أن يكفن فيه بعد موته، حتى يكره أن

کا کفن بھی جائز ہے اور اگر اس میں کوئی نجس شے ہے تو اس کا کفن جائز نہیں، اس کی تحقیق کر لی جائے(۱)۔

۳... مردے کے جب کسی فعل کو اس میں دخل نہیں تو وہ بری الذمہ ہے، اگر میت نے وصیت کی تھی کہ ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے یا اس کا علم تھا کہ ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے گا، پھر بھی جان بوجھ کر منع نہیں کیا تو وہ گنہگار ہے(۲)۔

---

= يكفن الرجل في الحرير والمعصفر والمزعفر، ولا يكره للنساء، ذلك اعتباراً باللباس في حال الحياة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما صفة الكفن: ٣٠٧/٢، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢٠٥/٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٣٠٨/٢، رشيدية)

(١) "وفي القنية: الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن ومكان وستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعاً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢٠٨/٢، سعيد)

"وشرطها إسلام الميت وطهارته ...... وفي القنية: الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان وستر العورة شرط في حق الإمام والميت جميعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٣٠٥/٢، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ٥٨٢، قديمي)

(٢) "قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: فلما مات عمر رضي الله تعالى عنه، ذكرت ذلك لعائشة رضي الله تعالى عنها، فقالت: رحم الله عمر، والله ما حدث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إن الله ليعذب المؤمن ببكاء أهله عليه، ولكن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الله ليزيد الكافر عذاباً ببكاء أهله عليه". وقالت: حسبكم القرآن ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته": ١٧١/١، قديمي)

"وقد جمع كثير من أهل العلم بين حديثي عمر وعائشة رضي الله تعالى عنهما بضروب من الجمع ...... ثانيها: وهو أخص من الذي قبله ما إذا أوصى أهله ...... قال أبو الليث السمرقندي: إنه قول عامة أهل العلم ...... قال ابن المرابط: إذا علم المرء بما جاء في النهي عن النوح، وعرف أن أهله من شأنهم يفعلون ذلك، ولم يعلمهم بتحريمه ولا زجرهم عن تعاطيه، فإذا عذب على ذلك عذب بفعل نفسه لا بفعل غيره". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه" الخ: ١٤٨/٣، قديمي)

۴۔ جنازہ کی نماز پڑھانا فرضِ عین نہیں بلکہ یہ نماز فرضِ کفایہ ہے، جب اور لوگ بھی پڑھنے پڑھانے والے ہیں تو صورتِ مسئولہ میں ہرگز گناہ نہیں (۱)۔

۵۔ اول بکر سے تحقیق کرلی جائے کہ زید کی نماز نہ پڑھانے کی وجہ صرف والی کی نفی ہے یا اس کی ناپاکی یا اور کوئی وجہ ہے؟ تو اگر صرف والی کی نفی ہے تو شئے مذکورہ کا فرق بکر ہی سے دریافت کیا جائے کیونکہ وہ بھی آپ کے لکھنے کے مطابق اپنے وقت کا بہت بڑا عالم و شیخ الحدیث ہے۔ اگر اس کی وجہ اس نفی کی ناپاکی ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ہوتے میں بعض نجس چیزیں پڑجاتی ہیں اور اس میں نماز پڑھانا برا ہے، اگر کوئی اور وجہ ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم لکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

## کفن پر خوشبو لگانا

سوال [۴۰۰۷]: خوشبو کفن میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب ہے، "وصفة تكفين الرجل أن يجمر الكفن أولاً بالبخور الطيبة، ويرش عليه

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۱/۲۷۳، قديمي)

"والصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

"(وهي فرض) أي الصلاة عليه للإجماع على فرضها، وكونها على الكفاية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۲، رشيدية)

الحنوط إلى وجهه، و يبسط اللفافة ثم الإزار –وهو من القرن إلى القدم– ثم يجعل عليه حنوط إلى وجهه، ويضع بالكافور مساجده، الخ". (رسائل الأركان، ص: ۱۵۴) (۱)۔

البتہ جو خوشبو مرد کے لئے حالتِ حیات میں منع ہے یعنی ورس اور زعفران، اس کا کفن میں لگانا بھی منع ہے، اسی کو درمختار میں لکھا ہے کہ یہ جہل ہے:

"ویجعل الحنوط و هو العطر المرکب من الأشياء الطيبة غير زعفران وورس لكراهتهما للرجال، انتهى. ولا يكره للنساء، أبو السعود عن العيني. قوله: وجعلها في الكفن عند رأس الميت كما يفعل في زماننا جهلٌ، الخ". بحر: ۱/ ۳۶۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## کفن کس رنگ کا ہو؟

سوال [۴۰۰۸]: کفن کے لئے سفید کپڑا اچھا ہے یا اس کے سوا اور رنگ کا، اور اگر زمین سفید ہو دھاری سرخ وغیرہ ہوں تو کیسا ہے؟

رحمت اللہ، رتن پور، معرفت مولوی محمد ابراہیم رتن پوری متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن کے لئے سفید کپڑا افضل ہے، اس کے علاوہ بھی جائز ہے جو رنگ اور کپڑا حالتِ حیات میں جائز

---

(۱) (رسائل الأركان لأبي العياش عبدالعلي محمد بحر العلوم، الرسالة الأولى في الصلوة، فصل في حكم الجنازة، بيان سنة التكفين للرجل، ص: ۱۵۳، مطبع يوسفي لكهنؤ)

" عن أبي وائل قال: عند علي رضي الله تعالى عنه مسک، فأوصى أن يحنط به، وقال: "هو فضل حنوط رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". قال النووي إسناده حسن". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل (رقم الحديث: ۲۰۹۰)، ۲/ ۲۵۹، المكتبة المكية جده)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۳۷۴، دار المعرفة، بيروت)

"(وجعل الحنوط على رأسه ولحيته)؛ لأن التطيب سنة. و ذكر الرازي أن هذا الجعل مستحب، والحنوط مركب من أشياء طيبة، و لا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس اعتباراً بالحياة، و قد ورد النهي عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران في الكفن عند رأس الميت في زماننا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۰۳، رشيديه)

ہے، وہ کفن کے لئے بھی جائز ہے اور جو رنگ اور کپڑا حالتِ حیات میں ناجائز ہے، وہ کفن کے لئے بھی ناجائز ہے۔

"فالأفضل أن يكون تكفينه بالثياب البيض". وبعد عبارة: "والبرد والكتان والقصب كل ذلك حسن". وبعد عبارة: "والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته يجوز أن يكفن فيه بعد موته، حتى يكره أن يكفن الرجل في الحرير والمعصفر والمزعفر، ولا يكره للنساء ذلك اعتباراً باللباس في حال الحياة"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۰/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/شوال/۵۲ھ۔

## عورت کے جنازہ پر سرخ چادر

سوال [۴۰۰۱]: جو عورت شادی والی مرتی ہے اس کے جنازہ پر ایک سرخ چادر ڈالتے ہیں، ان کے جنازہ پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ اس پر بھی درست ہے، سرخ چادر کی پابندی کہیں ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما صفة الكفن: ۲/۴۹، رشيديه)

"عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "البسوا من ثيابكم البيض، وكفنوا فيها موتاكم". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۹۵۹۱، أحاديث سمرة بن جندب: ۵/۶۳۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"ولم يبين لون الأكفان لجواز كل لون، لكن أحبها البياض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۸، رشيديه)

"ولا بأس في الكفن ببرود وكتان وفي النساء ... لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة، وأحبه البياض". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۵، سعيد)

(۲) عورت کی جنازہ کے اوپر کسی رنگ کی بھی چادر ڈھکنے کے لئے بچھانا درست ہے، کسی ایک رنگ کے ساتھ اس کو خاص کرنا خلافِ شرع ہی تخصیص اور تقیید ہے جو کہ شرعاً مذموم ہے، خصوصاً جب اس کو ضروری یا مندوب و ثابت بھی سمجھا جائے، اور اس پر التزام بھی کیا جائے: "من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من =

## کفن کے اوپر کی چادر

سوال[۴۰۱۰]: میت کے اوپر کفن پر کس قسم کی چادر ڈھانک کر لے جانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چادر ڈھانک کر لے جانا درست ہے جس کا زندگی میں پہننا درست ہے(۱) اور وہ چادر جزو کفن نہیں(۲)، بعض جگہ دستور ہے کہ وہ چادر گورکن کا حق تصور کرتے ہیں، یہ بے اصل ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۳/۷/۹۰ھ۔

---

= الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيدية)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل أكيدمي)

(۱) "الجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۵، سعيد)

"ويكفن الميت كفن مثله، وتفسيره: أن ينظر إلى ثيابه في حياته لخروج الجمعة والعيدين، فذلك كفن مثله". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، الباب الثالث في التكفين: ۱/۱۶۱، رشيدية)

(۲) اس لئے کہ مرد کو تین کپڑوں میں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے، ان سے زائد ہے نہیں۔ (وقد تقدم تخريجه في أوائل الفصل تحت عنوان: "کفن کے کپڑے")

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"قال العلامة القاري رحمه الله: أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه . . . ما ليس =

## اپنے کفن کے لئے اپنی زندگی میں سامان خرید کر رکھنا

سوال [۱۱۰۲]: زید چاہتا ہے کہ اپنی کمائی سے زندگی میں مکمل کفن دفن کا سامان خرید کر محفوظ کر لے، کیا ایسا عمل جائز ہے؟ مع دلیل کے لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کفن کا محفوظ رکھنا ثابت ہے جیسا کہ صحاح کی روایت میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۳ھ۔

---

منه: ای رأیاً لیس له فی الکتاب والسنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أی مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض)

وعرفها الشمنی "بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

(۱) "عن سهل رضی الله تعالی عنه أن امرأة جاءت النبی صلی الله تعالی علیه وسلم ببردة منسوجة فیها حاشیتها، أتدرون ما البردة؟ قالوا: الشملة، قال: "نعم". قالت: نسجتها بیدی، فجئت لأکسوکها، فأخذها النبی صلی الله تعالی علیه وسلم محتاجاً إلیها، فخرج إلینا وإنها إزاره، فحسنها فلان، فقال: اکسنیها، ما أحسنها! قال القوم: ما أحسنت، لبسها النبی صلی الله تعالی علیه وسلم محتاجاً إلیها، ثم سألته وعلمت أنه لا یرد، قال: إنی والله ما سألته لألبسه، وإنما سألته لتکون کفنی. قال سهل: فکانت کفنه". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم فلم ینکر علیه: ۱/۱۷۰، قدیمی)

(ورواه ابن ماجة فی سننه فی کتاب اللباس، باب لباس رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم، ص: ۲۵۴، قدیمی)

## غیر مسلم کی رقم سے مسلم کی تجہیز وتکفین

سوال [۴۰۱۲]: ایک زید مسلمان کی میت کو ایک غیر مسلم کی رقم دی ہوئی جائز ہے یا ناجائز؟ میت کا وارث کوئی نہیں ہے، اس صورت پر یہاں تک صحیح ہے، یہ شخص مستقل چار سال تک ملازم تھا اور اس کے خورد ونوش کا انتظام وہیں پر تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسلمان میت کا کوئی وارث نہیں اور اس کے کفن دفن کے لئے کسی غیر مسلم نے رقم دی تو اس رقم کو میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا درست ہے، مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی طرف سے اس کا انتظام کریں، غیر مسلم سے نہ مانگیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۷/۸۹ھ۔

## ہندو مسلم کے جنازے میں تمیز نہ ہو تو کفن دفن کی کیا صورت ہوگی؟

سوال [۴۰۱۳]: ایک مکان کے اندر ایک ہندو اور ایک مسلمان تھے، مکان میں آگ لگ گئی، دونوں جل گئے جس کی کوئی بھی شناخت نہیں ہو سکی تو اب ان کی نماز جنازہ اور کفن دفن کس طرح ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شناخت نہیں تو دونوں کو غسل کفن دے کر سب ساتھ مسلمان کی نیت رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جائے، روایت

---

(۱) "وإن لم يكن معه من تجب عليه نفقته، ففي بيت المال، فإن لم يكن (بيت المال معمورًا أو منتظمًا) فعلى المسلمين تكفينه، فإن لم يقدروا سألوا الناس، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۶، سعيد)

"فإن لم يكن له من تجب عليه نفقته ففي بيت المال، فإن لم يكن فعلى المسلمين تكفينه، فإن لم يقدروا سألوا الناس ليكفنوه الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۱، رشيديه)

جنازۂ مسلم کی کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

## جس میت کے متعلق مسلم اور غیر مسلم ہونے کا علم نہ ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟

سوال [۴۰۱۴]: ہمارے یہاں ایک کمیٹی ۱۸۹۷ء سے لاوارث مسلمانوں کی میت تجہیز و تکفین کی ذمہ داری لئے ہوئے ہے، ہر مہینہ میں ۳۰، ۴۰ لاشیں شہر کے مختلف ہسپتالوں سے ادارہ کو دی جاتی ہیں، اور اس کیساتھ ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ ہوتا ہے، نام کی جگہ نا معلوم لکھا ہوتا ہے، ادارہ کا کام پہلے لاش کو شناخت کرنا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ شناخت کا واحد ذریعہ مسلمان مرد کا صرف ختنہ ہے اور لباس وضع قطع سے کچھ علم نہیں ہوتا سوائے غالب گمان کے کہ میت مسلمان کی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ختنہ یہودی بھی کراتے ہیں اور بہت سے غیر مسلم بھی حفظانِ صحت کی وجہ سے ختنہ کرانے لگے۔ سوال یہ ہے کہ ان میتوں کو مسلمان سمجھ کر ان کی تجہیز و تکفین کرنا نمازِ جنازہ ادا کرنا، مسلم قبرستان میں دفن کرنا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "ولو اجتمع موتی المسلمون والكفار، ينظر: إن كان بالمسلمين علامة يمكن الفصل بها، يفصل وعلامة المسلمين أربعة أشياء: الختان والخضاب ولبس السواد وحلق العانة. وإن لم يكن بهم علامة، ينظر: إن كان المسلمون أكثر، غسلوا وكفنوا ودفنوا في مقابر المسلمين، ويصلى عليهم وينوى بالدعاء المسلمين ...... وأما إذا كانوا على السواء، فلا يشكل أنهم يصلون لما ذكرنا ...... يصلي عليهم وينوي بالصلاة والدعاء المسلمين؛ لأنهم إن عجزوا عن تعيين الشخص للمسلمين، لم يعجزوا عن تمييز القصد في الدعاء لهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: شرائط وجوب الغسل: ۳۰۱/۲، رشيديه)

"اختلط موتانا بكفار ولا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا. واختلف في الصلاة عليهم". (الدر المختار). "(قوله: واختلف في الصلاة عليهم) ...... يصلي، ويقصد المسلمين؛ لأنه إن عجز عن التعيين، لا يعجز عن القصد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۰/۲، ۲۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۵/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات میں ظن غالب پر عمل کیا جاسکتا ہے لیکن مناسب ادارہ کو تو اس کی تحقیق سے یا خبر سے یا کسی اور علامت سے اس بات کا ظن غالب حاصل ہو جائے کہ یہ میت مسلمان ہے تو اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو مسلم میت کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، جب حقیقت حال پر اطلاع پانا دشوار ہو تو ظن غالب شرعاً کافی ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) "اختلط موتانا بكفار ولا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا غسلوا، واختلف في الصلاة عليهم ومحل دفنهم الخ". (الدر المختار). "(قوله: اعتبر الأكثر) ...... قال في الحلية: فإن كان بالمسلمين علامة، فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، وإلا فلو المسلمون أكثر صلّي عليهم، وينوى بالدعاء المسلمين، ولو الكفار أكثر ...... فعلى هذا ينبغي أن يصلى عليهم في الحالة الثانية أيضاً: أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر، لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصلياً على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضاً مع أن الاتفاق على الجواز، ينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاثة، وهو أوجه قضاءً لحق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

"ولو وجد ميت أو قتيل في دار الإسلام، فإن كان عليه سيما المسلمين، يغسل ويصلى عليه ويدفن في مقابر المسلمين، وهذا ظاهر. وإن لم يكن معه سيما المسلمين، ففيه روايتان، والصحيح أنه يغسل، ويصلى عليه ويدفن في مقابر المسلمين لحصول غلبة الظن بكونه مسلماً بدلالة المكان، وهي دار الإسلام. ولو في دار الحرب، فإن كان معه سيما المسلمين، يغسل، ويصلى عليه، ويدفن في مقابر المسلمين بالإجماع. وإن لم يكن معه سيما المسلمين، ففيه روايتان ...... والحاصل أنه لا يشترط الجمع بين السيما ودليل المكان، بل يعمل بالسيما وحده بالإجماع، وهل يعمل بدليل المكان وحده؟ فيه روايتان، والصحيح أنه يعمل به لحصول غلبة الظن عنده". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل، وأما شرائط وجوب الغسل: ۲/۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

## دریا سے بہہ کر آئی ہوئی عورت کی لاش کے متعلق اختلاف

سوال[۴۰۱۵]: ایک عورت کسی دریا میں بہتی ہوئی چلی آئی ہے، جہاں وہ نکلی ہے وہاں مسلم وغیر مسلم دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہے، ایک پارٹی دفنانے کو کہتی ہے دوسری آگ لگانے کو کہتی ہے۔ آپ فرمائیں مذکورہ عورت کی شناخت کیسے ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندو عورت کا لباس بھی خاص ہوتا ہے اور بدن پر کہیں گودنے کا نشان بھی ہوتا ہے، اگر اس قسم کی کوئی علامت نہ ہو اور مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے غسل وکفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کریں تو ان کو حق ہے، مگر جھگڑا فساد نہ کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۹/۱۳۹۹ھ۔

## کفن کے بند کا حکم

سوال[۴۰۱۶]: کفن پہنانے کے بعد میت کو تین گرہ کفن میں دے دی جاتی ہیں خواہ مرد ہو یا عورت: سرہانے، کمر میں پاؤں، جانب۔ قبر میں اتارنے کے بعد میت کی تینوں گرہیں کھول دی جاتی ہیں اور عورت کی صرف سر کی طرف کھول دی جاتی ہے اور کمر پاؤں کی جانب بدستور گرہ لگی رہتی ہے اور بعض لوگ بند

---

(۱) "لو لم یدر أمسلم أم کافر و لا علامة، فإن في دارنا، غسل و صلي علیه، و إلا لا". (الدر المختار)

"(قوله: فإن في دارنا) أفاد بذکر التفصیل في المکان بعد فقد العلامة أن العلامة مقدمة، و عند فقدها یعتبر المکان في الصحیح؛ لأنه یحصل به غلبة الظن ...... أن علامة المسلمین أربعة: الختان والخضاب الخ". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ۲/۲۰۰، سعید)

"و من لا یدری أنه مسلم أو کافر، فإن کان علیه سیما المسلمین أو في بقاع دار الإسلام، یغسل، وإلا فلا". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشیدیه)

(وکذا في التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الباب الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۸۱، إدارة القرآن، کراچی)

ڈھیلے کر دیتے ہیں۔ حدیث وفقہ سے بند کا باندھنا، قبر میں گرہ کا کھولنا وغیرہ ثابت ہے یا نہیں اور اس طریقہ کو کب، کس نے اور کس طرح ایجاد کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تین جگہ باندھنے سے یہ فائدہ ہے کہ جنازہ اٹھاتے اور لے جاتے وقت کفن نہ کھل جائے، اور قبر میں رکھنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں رہتا، اس لئے کھول دیتے ہیں، عورت مرد سب کے کفن کی تینوں بند کھول دیئے جاتے ہیں، ہر دو کے باندھنے کی بھی مصلحت ایک ہے اور کھولنے کی ایک، لہٰذا تفریق کی ضرورت نہیں، اگر کفن کھلنے کا اندیشہ نہ ہو تو بند باندھنے کی بھی ضرورت نہیں، کبیری شرح منیہ، ص: ۵۸۱ میں بند باندھنے کو اسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے(۱)۔ اسی طرح عالمگیری: ۱/۱۶۰(۲) زیلعی: ۱/۲۳۸(۳) مجمع الانہر: ۱/۱۸۲(۴) میں ہے۔ اور قبر میں رکھنے کے بعد بند کھولنے کا حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا

---

(۱) "فيقمص ويبسط، ثم يعطف عليه الإزار من جهة اليسار، ثم من اليمين، ثم اللفافة كذلك، ويربط إن خيف انتشاره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثالث في تكفينه، ص: ۵۸۱، سهيل اكيدمي، لاهور)

"ويوجه الميت في القبر إلى القبلة على جنبه الأيمن، ولا يلقى على ظهره، وتحل عقدة". (الحلبي الكبير، السادس في الدفن، ص: ۵۹۴، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۲) "وكفن المرأة سنة: درع، وإزار، وخمار، ولفافة، وخرقة يربط بها ثدياها". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

(۳) "قال: (وعقد): أي الكفن (إن خيف انتشاره) صيانة عن الكشف ... ثم يعطف الإزار ثم اللفافة كما ذكرنا في حق الرجل، ثم الخرقة فوق الأكفان لئلا تنتشر، وعرضها ما بين الثدي إلى السرة، وقيل: ما بين الثدي إلى الركبة لئلا ينتشر الكفن بالفخذين وقت المشي". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۷۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) "(ويعقد الكفن إن خيف أن ينتشر) صيانة عن الكشف". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۶۸، غفاريه كوئٹه)

مگر عامۂ فقہاء قولِ اول ہی کو لیتے ہیں، لہٰذا اس شئی کو علیحدہ کرکے مستقل ازار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱/۸۹ھ۔

## کفن کا مصلی مسجد میں دینا

سوال [۴۰۱۸]: مردوں کو کفنانے کے لئے جو کپڑا خریدا جاتا ہے اس میں سے بعض حضرات ایک مصلی کی صورت میں تھوڑا سا کپڑا بچا کر مسجد میں دیتے ہیں۔ آیا اس مصلی کا استعمال اہلِ مسجد کرسکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس کو مصلی کے طور پر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کپڑا جزوِ کفن نہیں، ورثاء کی ملک ہے، اس کا رواج ختم کیا جائے۔ ورثاء اگر بالغ ہوں اور میت کو ثواب پہونچانے کے لئے کوئی چیز مصلی وغیرہ مسجد میں دیں تو اس کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "أن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها" (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب إذا قال: أرضي أو بستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها ... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات، لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحج، ... الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۲، إدارة القرآن كراچی)

## کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال[۴۰۱۱]: کیا مردے کے کفن پر عہد نامہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن وحدیث سے تو عہد نامہ لکھنا ثابت نہیں، بعض دیگر کتب میں اس کی اجازت دی ہے، مگر روشنائی سے نہیں بلکہ انگلی سے، اور یہ اجازت بھی مجتہدین فقہاء کی طرف سے نہیں ہے، اس لئے اس سے احتیاط ہی بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۵ھ۔

## کفن پر عہد نامہ لکھنا اور تلقین بعد الدفن

سوال[۴۰۲۰]: بہشتی زیور میں ہے: "شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں"۔ اور درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے، اور فرمایا

---

- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۲، دار المعرفة

(۱) "كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهدنامه، يرجى أن يغفر الله للميت". (الدر المختار)

"فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد، أو ينقل فيه حديث ثابت، فتأمل، نعم! نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس"

الاستبشار: "هو استهانة بالقرآن، لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوى اللكنوي المسماة بنفع المفتي والسائل، ما يتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۲۰۳، دار ابن حزم)

بے ادبی نہیں، مگر ثابت بھی نہیں، اگر کوئی اشارہ سے لکھ دے تو اس سے نزاع نہ کریں نہ تاکید کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## ایضاً

سوال [۴۰۲۲]: عرصے سے ہمارے ملک میں تحریر کفنی کا جواز عدم جواز کا مسئلہ چل رہا ہے، ایک صاحب نے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے لکھا ہے کہ کفن پر لکھنا ثواب ہے، جس کے ثبوت میں درمختار کی عربی عبارت بھی مع ترجمے کے ساتھ لکھی ہے اور کچھ کتابوں کا بلا عبارت جواز کے بارے میں ثبوت دیا ہے، کتابوں کے نام یہ ہیں: کفایہ، تاتارخانیہ، الفتویٰ الامامی، اخبار الاخیار، لمعات، یہ کتابوں کے نام ہیں۔ مفتی صاحب کا نام قاضی عبدالسبحان ہے۔ اور کچھ صاحب کہتے ہیں کہ کچھ بھی لکھنا جائز نہیں ہے۔ آپ مذکورہ فتویٰ کے متعلق تحریر فرمائیں کہ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن میت پر کچھ لکھنا قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت، قیاس مجتہد سے ثابت نہیں، غیر مجتہد کا عمل قابل احتجاج نہیں۔ درمختار میں جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے، علامہ شامی نے اس کی تردید کی ہے

---

(۱) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت ... وقد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت ....... أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلى الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۹، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوى اللكنوي المسماة لنفع المفتي والسائل، ما يتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۳۰۳، دار ابن حزم)

... ابن الصلاح سے بھی عدمِ جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے لکھنے میں حروفِ قرآن کریم اور اسمائے الٰہیہ کی بے ادبی ہے۔ مگر لکھنا ہو تو محض انگلی سے بغیر روشنائی کے میت کی پیشانی پر کچھ لکھ دیا جائے، یہ لکھنا بھی دلیل سے ثابت نہیں، تاہم اس طرح بے ادبی نہیں ہوگی۔ غور کا مقام ہے، اگر لکھنا دلیل سے ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ضرور منقول ہوتا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۵ھ۔

## کلمہ طیبہ وغیرہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دینا

سوال[۴۰۰۳]: روشنائی سے کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت اور آیۃ الکرسی مع بسم اللہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں اور اس کو کارِ ثواب تصور کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے، کسی حدیث، فقہائے امت کے قول سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا شریعت سے ثابت نہیں، ہرگز ایسا نہ کیا جائے، قبر میں میت کا بدن پھٹے اور اس کی آلائش لگے

---

(۱) "كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهد نامه يرجى أن يغفر الله للميت". (الدر المختار).

"وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت ...... وقد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت. ...... أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلى الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوى اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بتعصب اسم الله واسم حبيب الله، ص: ۳۰۲، دار ابن حزم)

سے اس لکھے ہوئے کا احترام باقی نہیں رہتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

## کلمہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا

سوال [۴۰۰۲]: چادر جس پر کلمہ شریف اور آیات قرآنی لکھی ہوتی ہیں میت پر ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ شریف اور آیات قرآنیہ کے احترام کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کفن پر کلمہ لکھنا")

(۲) "وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه يكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"بساط أو غيره كتب عليه "الملك لله" يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة".

(رد المحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، قبيل باب المياه: ۱/۱۷۹، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "كتابة القرآن على ما يفرش ويبسط مكروهة". (كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/۳۲۳، رشيديه)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن، لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب غضب الله" ... قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التي كتب فيها اسم الله تعالى أو سورة القرآن على جميع القبور وإن لم يكن المقبور من أهل الزهد والورع". (فتاوى اللكنوي المسماة بنفع المفتي والسائل، ما يتعلق بكتابة اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۳۰۳، دار ابن حزم)

## پرچہ پر دعاء لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا

۲۱/ مارچ ۱۹۸۶ء محترم قبلہ مفتی دارالعلوم دیوبند!

سوال [۴۰۲۵]: ۱... بعد آداب کے گزارش ہے کہ میں نے ایک پرچہ لکھا ہے اس پرچہ کو الفاظ میں بھیج رہا ہوں اور چند باتیں میرے قصبہ میں مجھ کو نئی معلوم ہوتی ہیں اس وجہ سے میں نے اپنے بزرگوں کو تکلیف دی ہے جس کی معافی چاہتا ہوں ہمارے قصبہ کھیری میں میت کو قبر میں اتارتے ہیں اور مردے کے جسم پر یعنی سینہ پر یہ پرچہ رکھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ منکر نکیر قبر میں حساب نہیں کرسکتے اور نہ مردے کو قبر میں منکر نکیر دکھائی پڑیں گے اور اس کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور علمائے دیوبند کو بھی اس کا ایجاد کردہ بتلاتے ہیں اس سے بہت خلفشار قصبہ میں مچا ہوا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم، الله رب محمد والصلوة عليه صلى الله عليه وسلم، امام ترمذی حکیم الہی سیدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پرنور سید عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كتب هذا الدعاء بين صدر الميت وكفنه في رقعة، لم ينله عذاب القبر، ولا يرى منكراً ونكيراً، وهو هذا" ۔ جو یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینے پر کفن کے نیچے رکھ دے اسے عذاب قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں وہ دعا یہ ہے:

"لا إله إلا الله والله أكبر، لا إله إلا الله وحده لاشريك له، لا إله إلا الله، له الملك وله الحمد، لا إله إلا الله ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم" (۱)۔

دعائے ثانی: سبحان من هو بالجلال موحد وبالتوحيد معروف وبالمعارف موصوف وبالصفة على لسان كل قائل رب وبالربوبية للعالم قاهر وبالقهر للعالم جبار وبالجبروت عليم حليم وبالعلم والحلم رؤف رحيم، سبحنه كما هم يقولون وسبحنه كما هم يقولون تسبيحاً تخشع له السموات والأرض ومن عليها ويحمدون من حول عرشي اسمي الله وانا اسرع الحاسبين، امين صلى الله على حبيبه سيدنا محمد وآله وسلم. منقول از فتاویٰ شامی ورد المحتار جلد اول، ص: ۶۰۷۔

مطبع دیوبند فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص: ۱۴۸

شائع کردہ منشی عبداللہ صاحب قلندرپور ضلع کھیری لکھیم پور۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت: ۲۴۶/۲، سعيد)

۲- یہ کہ جب قبر میں مردے کو دفن کر دیتے ہیں اور چند حافظ قرآن وہاں ٹھہر جاتے ہیں وہ بعد میں قبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں اور قرآن شریف کی سورہ یٰسین پڑھتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

۱- مطبوعہ پرچہ میں جو عبارت شامی کی ہے اس کا تو شامی (ردالمحتار) میں وجود ہی نہیں ہے یہ تو بالکل غلط ہے اور جھوٹ ہے البتہ [illegible] (1) موجود ہے لیکن وہاں تو اس میں یہ نہیں کہ اس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لہذا یہ نسبت کرنا پہلے جھوٹ سے بڑھ کر جھوٹ ہے اس لئے کہ اس میں شامی پر جھوٹ ہے اور حکیم ترمذی پر جھوٹ ہے اور سب سے بڑھ کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جھوٹ ہے، شامی نے اس کو ابن حجر مکی سے نقل کیا ہے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے نقل نہیں کیا، ابن حجر مکی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، دوسرے اس میں یہ نہیں ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھدے لہذا یہ بھی جھوٹ ہے بلکہ اس میں کفن پر لکھنے کیلئے کہا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ابن حجر مکی شافعی ہیں حنفی نہیں ہیں ان کا قول حنفیہ کیلئے حجت نہیں، چوتھی بات یہ ہے کہ شامی نے اسی صفحہ میں ابن صلاح سے نقل کیا ہے کہ کفن پر لکھنا جائز نہیں ابن صلاح بھی شافعی ہیں اور ان کا درجہ شافعیہ میں ابن حجر مکی سے بہت بلند ہے، پانچویں بات یہ ہے کہ علامہ شامی نے ان سب کو نقل کر کے رد کر دیا ہے اور وجہ بیان کی ہے کہ اس سے اللہ پاک کے نام کی اہانت ہوتی ہے کیونکہ جب میت کا بدن گلتا سڑتا ہے اور اس سے نجاست برآمد ہوتی ہے تو اللہ کے نام کو بھی وہ لگے گی تو اس کو نجس کرنا ہرگز جائز نہیں، جب تک کوئی حدیث ثابت نہ ہو اس کو منع ہی کیا جائے گا۔ جس چیز کو شامی نے لکھ کر مردود قرار دیا ہو اس کی ترغیب شامی کی طرف منسوب کرنا خیانت ہے:

"وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت ... والأسماء المعظمة باقية على حالها، فلا يجوز تعريضها للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود؛ لأن مثل ذلك لا يحتج به إلا إذا صح عن النبي صلى الله عليه وسلم طلب ذلك، وليس كذلك. وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، والله

---

(1) الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، ۲/۲۴۶، سعید

إلا لاحترام وخشية وطئه ومروره ... مسافه إهانة، فالمنع هنا بالأولى حتى يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت". رد المحتار: ۱/۶۰۷(۱)۔

۲... میت کو دفن کرنے کے بعد ایک شخص سورۂ بقرہ کا اول سرہانے اور دوسرا شخص سورۂ بقرہ کا آخر پیروں کی طرف پڑھے یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے(۲) باقی قبر پر اذان دینا ثابت نہیں بدعت ہے، ردالمحتار ۱/۲۵۸ باب الاذان میں لکھ کر اس کو رد کیا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۰ھ۔

☆......☆......☆....☆.....☆

---

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)
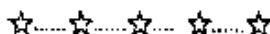
"الاستفسار: "قد تعارف في بلادنا أنهم يلقنون على قبر الصلحاء مكتوباً فيه سورة الإخلاص".

الاستبشار: "هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (مجموعة رسائل اللكهنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخ: ۳/۱۵۹، إدارة القرآن)

(۲) "وعن عبد الله بن عمر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۷۱۷): ۱/۱۴۹، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها". (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت، ۲/۲۳۷، سعيد)

(۳) "(ولا يسن لغيرها) كعيد (الدر المختار). "قوله: كعيد ووتر وجنازة وكسوف واستسقاء الخ".
(رد المحتار، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، ۱/۳۸۵، سعيد)

"وليس لغير الصلوات الخمس ... وصلاة الجنازة الخ" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۵۵، رشيديه)

اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کی مشروعیت کے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ اسی امت کی خصوصیت ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد مشروع ہوئی ہے، دوسرا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ملائکہ نے صلوٰۃ جنازہ پڑھی ہے اور بعد والوں کیلئے بھی اس کو مقرر کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ذیقعدہ/۱۳۵۷ھ۔

## نماز جنازہ حاضرین پر فرض کفایہ ہے یا فرض عین؟

سوال [۷۰۰۲]: صلوٰۃ جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر کوئی حاضر ہو جائے تو اس کے اوپر بھی فرض کفایہ ہے یا نہیں؟ ایک عالم صاحب فرماتے ہیں اس پر بھی فرض عین ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور حاشیہ شرح وقایہ میں مولانا عبد الحی صاحب نے فرض کفایہ لکھا ہے، ان کے حق میں بھی، کتاب کا حوالہ نہیں دیا (۱)، اگر دیگر کتب سے یہ مسئلہ معلوم ہو تو ارسال فرمائیے مع حوالہ کے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وهي فرض كفاية: أي الصلوة عليه، لقوله عليه الصلاة والسلام: "صلوا على صاحبكم". والأمر للوجوب. ولو كانت فرض عين لصلى عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ولأن المقصود يحصل بإقامة البعض، فتكون فرض كفاية، وكذا تكفينه فرض على

---

— ونزلت الملائكة فغسلته وكفنته في وتر من الثياب وحنطوه، وتقدم ملك منهم فصلى عليه" إلى آخر ما بسط من الكلام على ذلك. (لامع الدراري على جامع البخاري، كتاب الجنائز، متى شرعت صلاة الجنازة: ۳/۸۰۳، المكتبة الإمدادية مكة المكرمة)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز: ۲/۱۹۱، إدارة تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) "هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين. وإن لم يؤد واحد منهم، يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز: (رقم الحاشية: ۱۱): ۱/۲۰۶، سعيد)

الکفایۃ، و لہذا یقدم علی الدین الواجب علیہ، و یجب علی من تجب علیہ نفقتہ. و کذا غسلہ ودفنہ فرض علی الکفایۃ، اھ". زیلعی: ۱/۲۳۸(۱)۔

"وإذا أرادوا أن یصلوا علی جنازۃ بعد غروب الشمس بدأوا بالمغرب؛ لأنہا أقوی، فإنہا فرض عین علی کل واحد. والصلوۃ علی الجنازۃ فرض علی الکفایۃ، والبداءۃ بالأقوی أولی؛ لأن تاخیر صلوۃ المغرب بعد غروب الشمس مکروہ، وتأخیر الصلوۃ علی الجنازۃ غیر مکروہ ...... وإذا صلوا علی جنازۃ و الإمام غیر طاہر، فعلیہم إعادۃ الصلوۃ؛ لأن صلوۃ الإمام فاسدۃ بعدم الطہارۃ، فتفسد صلوۃ القوم بفساد صلوتہ. وإن کان الإمام طاہراً والقوم علی غیر طہارۃ، لم یکن علیہم إعادتہا؛ لأن صلوۃ الإمام قد صحت، وحق المیت بہ تأدی، فالجماعۃ لیست بشرط فی الصلوۃ علی الجنازۃ اھ". مبسوط: ۲/۶۸ (۲)۔

"والصلوۃ علی الجنازۃ فرض علی الکفایۃ، تسقط بأداء الواحد إذا کان ھو الولی، و لیس للقوم أن یعیدوا بعد ذلک. ولو أن جنازۃ تشاجر فیہا قوم کلہم یصلی علیہ، فوثب رجل غریب، فصلی علیہا و صلی معہ بعض القوم، فصلوتہم تامۃ، وإن أحب الأولیاء أعادوا الصلوۃ؛ لأن حق الصلوۃ علی الجنازۃ للأولیاء، فلا یکون لغیرہم أن یبطل حقہم....... فإن کان حین افتتح الرجل الغریب صلوۃ الجنازۃ اقتدی بہ بعض الأولیاء، فلیس لمن بقی منہم حق الإعادۃ؛ لأن الذی اقتدی بہ رضی بإمامتہ فکأنہ قدمہ. و لکل واحد من الأولیاء حق الصلوۃ علی الجنازۃ کأنہ لیس معہ غیرہ؛ لأن ولایتہ متکاملۃ، فإذا سقط بأداء أحدہم لم یکن للباقین حق الإعادۃ". مبسوط: ۲/۱۱۶ (۳)۔

---

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۱/۵۸۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) (کتاب المبسوط للسرخسی، باب غسل المیت: ۲/۱۰۹، ۱۱۰، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۳) (کتاب المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی الجنازۃ: ۲/۱۲۹، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کو مقتدی کی نیت کرنا ضروری نہیں (۱)، اسی نیت کو زبان سے کہنا ضروری بلکہ نیت میں عزمِ قلب کا اعتبار ہے اور زبان سے کہنا مستحب ہے:

"والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، وهو أن يعلم بداهة أي صلوة يصلي، والتلفظ بها مستحب، هو المختار". تنویر، ص: ۴۲۱ (۲)۔

اور نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے: "ويصلي الجنازة ينوي الصلوة لله والدعاء للميت؛ لأنه الواجب عليه، فيقول: أصلي داعياً للميت". درمختار، ص: ۴۲۹ (۳)۔

جنازہ کے مشتبہ ہونے کی صورت میں یہ نیت کرے کہ جس میت پر امام نماز پڑھتا ہے، میں بھی امام

---

(۱) "أما كيفية النية فالمصلي لا يخلو إما أن يكون منفرداً وإما أن يكون إماماً ... وإن كان إماماً، فكذلك الجواب؛ لأنه منفرد فينوي ما ينوي المنفرد. وهل يحتاج إلى نية الإمامة؟ أما نية إمامة الرجال فلا يحتاج إليها، ويصح اقتداؤهم به بدون نية إمامتهم الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، البحث في النية: ۱/ ۳۳۰، رشيدية)

"والإمام ينوي صلاته فقط، و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدي) الخ".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۲۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/ ۶۶، رشيدية)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۱۵، سعيد)

"النية إرادة الدخول في الصلاة، والشرط أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي، وأدناها ما لو سئل لأمكنه أن يجيب على البديهة، وإن لم يقدر على أن يجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته. ولا عبرة للذكر باللسان، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/ ۶۵، رشيدية)

"أما الأول فالنية هي الإرادة، فنية الصلاة هي إرادة الصلاة لله تعالى على الخلوص، والإرادة عمل القلب" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، البحث في النية: ۱/ ۳۳۰، رشيدية)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۲۳، سعيد)

کے ساتھ اس میت پر پڑھتا ہوں۔ "وإن اشتبه عليه الميت ذكر أنه يقول: نويت أن أصلي مع الإمام على من يصلي" (هامش الدر المختار)(۱)۔ اگر تعیین نہ کی بلکہ مطلق صلوۃ جنازہ کی نیت کی تب بھی درست ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵/صفر/۶۵ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ۔

## کیا نماز جنازہ صرف تکبیرات سے ادا ہو جاتی ہے؟

سوال [۴۰۳۰]: اگر کسی کو نماز جنازہ کی دعا نہ آتی ہو تو وہ صرف تکبیر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف چار تکبیرات کہنے سے نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے، جو شخص تکبیر کہنا جانتا ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، دعا کا پڑھنا مسنون ہے، کذا فی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلاۃ: ۱/۴۲۳، سعید)

"وفي صلاة الجنازة ينوي الصلاة لله تعالى والدعاء للميت" الخ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۶، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط السادس النية، ص: ۲۴۹، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "وأركانها التكبيرات والقيام ... وسننها أربع ... والرابع من السنن الدعاء للميت".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، قديمي)

"ومن لا يحسن الدعاء ... وهو لا يقتضي ركنية الدعاء؛ لأن نفس التكبيرات رحمة للميت وإن لم يدع له" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيدية)

## نمازِ جنازہ میں صرف تین تکبیر کہنا

سوال[۴۰۲۱]: ایک شخص نے نمازِ جنازہ پڑھائی، چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہنے کی بجائے تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہا اور چوتھی مرتبہ "حی علی الصلوۃ" کہہ گیا، نمازِ جنازہ ہوگئی یا نہیں؟ میت کو دفن کرنے کے بعد کب تک نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، اگر پہلے نماز غلط ہو جائے تو بعد میں قبر پر نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار دفعہ "اللہ اکبر" کہنا نمازِ جنازہ میں فرض ہے اور سلام واجب ہے(۱) جب کہ تین دفعہ "اللہ اکبر" کہا گیا اور چوتھی دفعہ "حی علی الصلوۃ" کہا گیا تو فریضہ ادا نہیں ہوا۔ قبر پر چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہہ کر نمازِ جنازہ پڑھی جائے جب تک اس میں میت سلامت ہو، جس کی مدت عادتاً تین دن ہے، اس کے بعد نمازِ قبر پر نہ پڑھی جائے(۲)۔ اگر چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہہ کر "حی علی الصلوۃ" کہا گیا اور سلام نہیں کیا گیا تو واجب

---

(۱) "(وركنها) شيئان (التكبيرات) الأربع ... (والقيام) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعيد)

"وركنها القيام ... والتكبيرات الخ" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع الصلاة على الميت، ص: ۵۸۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقم المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فسأل عنه، فقيل: مات، فقال: "ألا آذنتموني به" قال: "دلوني على قبره". فدلوه فصلى عليه" (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۲/۱۰۱، امداديه)

"وإن دفن بغير صلاة، صلي على قبره ما لم يغلب على الظن تفسخه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

"وإن دفن بلا صلوة، صلي على قبره ما لم يتفسخ؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

## تیسری تکبیر پر سلام پھیرنے کا حکم

سوال [۴۰۳۳]: ایک شخص نے صلوۃ جنازہ کے اندر چوتھی تکبیر کو بھولے سے نہیں کہی اور ایک طرف سلام پھیر دیا تب یاد آیا، اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب چوتھی کہہ لے اور پھر سلام پھیر دے "إذا سلم علی ظن أنه أتم فكبر، ثم علم أنه لم يتم، قضاه يبني؛ لأنه سلم في محله وهو للقيام، فيكون معذوراً". بحر: ۱۸۴/۱(۱)۔ "ولو سلم الإمام بعد ثلاث ناسياً، كبر الرابعة ويسلم الخ". مراقي الفلاح، ص: ۳۴۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۷/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

## چوتھی تکبیر کے بعد مقتدی نے سلام پھیر دیا

سوال [۴۰۳۴]: مقتدی نماز جنازہ میں چار تکبیر کے بعد امام کا انتظار کریں یا سلام پھیر دیں، یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہی سلام پھیریں، خواہ امام پانچویں تکبیر کہہ دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام پانچویں تکبیر کہے تب بھی مقتدیوں کو سلام کا انتظار کرنا چاہیے، بغیر پانچویں تکبیر کہے امام کے ساتھ سلام پھیرے، اگر امام سے پہلے سلام پھیر دیا تب بھی نماز ادا ہوگئی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل، السلطان أحق بصلاته: ۳۲۲/۲، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل الصلاة عليه، ص: ۵۸۶، قديمي)

(۳) "ولو كبر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى".
(الدر المختار). "(قوله: به يفتى) . . . وروي عن الإمام أنه يسلم للحال ولا ينتظر تحقيقاً —

## نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد کیا پڑھے؟

سوال[۴۰۳۵]: نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخری تکبیر میں تکبیر کے بعد فوراً سلام ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر روایت تو یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے درمیان میں کچھ نہ پڑھا جائے لیکن دوسری روایات میں بعض دعائیں پڑھنا بھی منقول ہے، چنانچہ بحر ۱۸۳/۲ میں ہے:

"وأشار بقوله: (وتسليمتين بعد الرابعة) إلى أنه لاشيء بعدها غير هما، وهو ظاهر المذهب، وقيل: يقول: "ربنا آتنا في الدنيا" الخ، وقيل: ربنا لاتزغ قلوبنا الخ. وقيل: يخير بين السكوت والدعاء"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## نمازِ جنازہ میں پانچویں تکبیر

سوال[۴۰۳۶]: نمازِ جنازہ میں سہواً بجائے چار تکبیر کے پانچ تکبیر پر سلام پھیرا تو نمازِ جنازہ ادا ہوگی یا نہیں؟

---

= المخالفة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۳/۲، سعيد)

"فلو كبر الإمام خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، ولا متابعة، ولم يبين ماذا يصنع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى روايتان: في رواية: يسلم للحال ولا ينتظر تحقيقاً للمخالفة. وفي رواية: يمكث حتى يسلم معه إذا سلم، فيكون متابعاً فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتى". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۳۲۳/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۵۱/۲، ۵۲، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۲۱/۲، رشيديه)

"وليس في ظاهر المذهب بعد التكبيرة الرابعة دعاء سوى السلام، وقد اختار بعض مشايخنا ما يختم به سائر الصلوات: اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل كيفية الصلاة على الجنازة: ۵۱/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۸۶، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## نمازِ جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟

سوال [۳۰۳۷]: ایک کتاب جس کا نام خلاصۃ الفتاویٰ ہے، اس کی جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر: ۲۲۵ میں مذکور ہے (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) عبارت یہ ہے:

"ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد، فالصحيح أنه يحل اليدين، ثم يسلم تسليمتين، هكذا في الذخيرة" (۲)۔

"وهو سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون، فيضع حالة الثناء وفي القنوت وتكبيرات الجنازة" در مختار (۳)۔

ان دونوں عبارتوں کی تشریح فرمائیں اور ان عبارات کی روشنی میں اس کا حکم بھی بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے، کیونکہ کوئی ذکرِ مسنون باقی نہیں رہا جس کے لئے ہاتھ باندھے جائیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھول دے پھر دونوں سلام پھیرے، ایسا ہی خلاصہ وغیرہ میں ہے (۴)۔

---

(۱) "ولو كبر إمامه خمساً لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى". (الدر المختار). "(قوله: وبه يفتى) وروي عن الإمام أنه يسلم للحال، ولا ينتظر تحقيقاً للمخالفة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۳، سعيد)

"ولو كبر الإمام خمساً لم يتبع؛ لأنه منسوخ ولا متابعة، ولم يبين ماذا يصنع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى روايتان: في رواية يسلم للحال، ولا ينتظر تحقيقاً للمخالفة، وفي رواية: يمكث حتى يسلم معه إذا سلم ليكون متابعاً فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتى". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، ۵۲، رشيديه)

(۲) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع ... : ۱/۴۸۷، ۴۸۸، سعيد)

(۴) (خلاصة الفتاوى، المصدر السابق)

اور دو ہاتھ باندھنا ایسے قیام کی سنت ہے جس کو قرار ہو (کچھ طویل ہو) اس میں ذکر مسنون ہو، پس ثنا وقنوت اور تکبیرات جنازہ میں ہاتھ باندھے رکھے، در مختار (۱)۔

عبارت نمبر: ۱ سے متعلق خلاصۃ الفتاویٰ کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ قلمی نسخہ میں موجود نہیں (۲)۔

عبارت نمبر ۳ سے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بھی ذکر مسنون ہے اور وہ سلام ہے، پس تکبیر رابع کے بعد وضع یدین ممنوع کہنا اور ارسال یدین کو حتمی طور پر لازم کہنا صحیح نہیں۔ فتاویٰ سعدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں طرح عمل درست ہے۔ ایک یہ کہ تکبیر رابع کے بعد ارسال یدین کرکے سلام پھیرے۔ دوسرے یہ کہ داہنے طرف سلام پھیرتے وقت داہنا ہاتھ چھوڑ دے، بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بایاں ہاتھ چھوڑ دے۔ تیسرے یہ کہ دونوں طرف سلام پھیر کر دونوں ہاتھ چھوڑ دے (۳)۔ یہ تیسری صورت عامۃً معمول بہا ہے، اکابر کو اسی طرح دیکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۲ھ۔

## نماز جنازہ میں تکبیر رابع کے بعد ہاتھ کب چھوڑے؟

سوال [۴۲۸۰]: صلوٰۃ جنازہ کے اندر تکبیرات کے ختم ہو جانے کے بعد ہاتھ کو کب چھوڑنا چاہیے، قبل السلام یا بعد السلام یا مع السلام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوٰۃ جنازہ میں تکبیر رابع کے بعد قبل السلام بھی ہاتھ چھوڑنا درست ہے، مع السلام بھی اور بعد السلام بھی، تینوں طرح گنجائش ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) (راجع الدر المختار، کتاب الصلوٰۃ، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۴۸۷، ۴۸۸، سعید)

(۲) لم أجده

(۳) لم أجد هذا الكتاب

(۴) (سيأتي تخريجه تحت المسألة الآتية)

## نماز جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑے

سوال[۴۰۳۹]: زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز ختم کرکے داہنی طرف سلام پھیر کر داہنا ہاتھ چھوڑ دے اور بائیں طرف سلام پھیر کر بایاں ہاتھ چھوڑ دے اور بکر کہتا ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر ہاتھ چھوڑے۔ قول زید صحیح ہے یا قول بکر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں تین قول ہیں: ایک یہ کہ چوتھی تکبیر پر دونوں ہاتھ چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد۔ تیسرے یہ کہ داہنی طرف سلام پھیر کر داہنا ہاتھ چھوڑ دے، بائیں طرف سلام پھیر کر بایاں ہاتھ چھوڑ دے۔ کذا فی السعایۃ(۱)۔ فقط۔

---

(۱) مسئلہ مذکورہ میں شدید اختلاف ہے، حضرت مفتی صاحب، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑنے کو مستحب اور اکثر کا عمل کہا ہے، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

"وهو سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفي القنوت وتكبيرات الجنازة".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الشروع الخ، ۱/۴۸۷، سعيد)

چونکہ نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد ذکر مسنون سلام ہے، لہذا ہاتھوں کو باندھے رکھنا چاہیے۔

"وفي الهداية: فيعتمد في حالة القنوت وصلاة الجنازة". (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۲، شركة علمية)

ظاہر یہی ہے کہ تمام نماز جنازہ میں ہاتھ باندھے رہے۔

"ويسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسليمتين". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

پس سلام تک ہاتھ باندھے رہے۔

ان تمام دلائل کے علاوہ مشاہیر کا معمول بھی سلام تک ہاتھ باندھے رہنے کا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (فتاوی رحیمیہ، کتاب الجنائز، صلوۃ الجنازۃ: ۷/۲۸، دار الاشاعت)

(وفتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس، نماز جنازہ، سوال نمبر: ۲۸۲۳: ۵/۲۰۸، دار الاشاعت)

=

## نماز جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے؟

سوال [۴۰۰۱]: نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے وقت ہاتھ باندھا ہوا رکھیں یا چھوڑ دیں، یا دائیں طرف سلام پھیرنے کے وقت دونوں ہاتھ چھوڑ دے، یا صرف دائیں ہاتھ، یا بالکل نہ چھوڑیں بعد سلام کے دونوں ہاتھ چھوڑ دے؟ مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ فقط۔

بمعرفت محمد یونس حاجی ۱۶/رجب/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یعتمد فی حالة القنوت و صلوة الجنازة" هدایة: ۱/۸۶ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الجنازہ میں ہاتھ چھوڑے نہیں بلکہ باندھے رہے اور ظاہر یہ ہے کہ قیام نماز جنازہ کا حکم یہی ہے یعنی جب تک

---

حضرت مفتی رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہما اللہ تعالیٰ ارسال کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

وفی الخلاصة: "ولا یعقد بعد التکبیر الرابع، لأنه لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد، فالصحیح أنه یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین". (کتاب الصلوٰة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیه)

"ومن ههنا یخرج الجواب عما سئلت فی سنة ثمان وتسعین أیضاً من أنه هل یضع مصلی الجنازة بعد التکبیر الأخیر من تکبیرات ثم یسلم أو یرسل ثم یسلم، وهو أنه لیس بعد التکبیر الأخیر ذکر مسنون، فیسن فیه الإرسال". (سعایه، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، بیان إرسال الیدین .... بعد التکبیر الأخیر من تکبیرات صلاة الجنازة: ۲/۱۵۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

ان کے علاوہ درمختار کے مذکورہ قاعدہ کلیہ کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تردید اس کے جوابات دیئے ہیں جو (سوال بعنوان "نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے") مذکور ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاوی، کتاب الصلوٰة، باب الجنائز: ۴/۲۲۹، سعید)

(۱) (الهدایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

نماز تمام کرے، اس وقت تک بھی حکم ہے اور نماز جنازہ سلام سے تمام ہو جاتی ہے (اگرچہ سلام فرض یا واجب نہیں)"ویسلم بلا دعاء بعد التسلیمتین". درمختار: ۲/۲۱۲ (۱)۔ حتیٰ کہ سلام تک ہاتھ بندھے رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۱/رجب/۵۶ھ۔

## نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ

سوال [۳۰۰۱]: کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو کیا اس کی نماز جنازہ صحیح نہیں ہوتی؟ ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ جو لوگ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے وہ میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے ہی قبر میں دفن کر دیتے ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اگر نہیں پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوتی، صحیح کیا ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں، ثناء اور دعا کی نیت سے کوئی اس کو پڑھ لے تو ممنوع بھی نہیں، لیکن یہ کہنا کہ بغیر فاتحہ پڑھے نماز جنازہ ہوتی ہی نہیں غلط ہے، بلا فاتحہ نماز جنازہ درست ہو جاتی ہے، یہی حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، کذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۵۸۴ (۲)۔ اور یہ کہنا کہ اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھتا ہو تو بلا نماز پڑھے ہی دفن کر دیا،

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۲/۲۱۲، سعید)

(۲) "ولیس فیہا قراءۃ القرآن عندنا، وھو قول عمر وابنہ وعلی وأبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ولو قرأ الفاتحۃ بنیۃ الثناء والدعاء جاز" (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجنائز، الرابع فی الصلاۃ، ص: ۵۸۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

"(ولا قراءۃ ولا تشہد فیہا)، وعین الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ الفاتحۃ فی الأولیٰ، وعندنا تجوز بنیۃ الدعاء" (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۱۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشیدیہ)

ہوچکی ہیں، بذل المجہود(۱)، اوجز المسالک(۲) وغیرہ میں دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

= الإمام" قال: إذا صلى أحدكم خلف الإمام، حسبه قراءة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ. قال: وكان عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما لا يقرأ خلف الإمام". (موطا الإمام مالك، كتاب الصلاة، ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر فيه، ص: ٦٨، مير محمد كتب خانه)

(١) "من صلى خلف الإمام، فقراءة الإمام قراءة له". قلت: هذا الحديث رواه جماعة من الصحابة، منهم: جابر بن عبد الله وابن عمر وأبو سعيد الخدري وأبو هريرة وابن عباس وأنس بن مالك رضي الله تعالى عنهم ... ومع هذا روي منع القراءة خلف الإمام عن ثمانين من الصحابة الكبار، منهم: المرتضى والعبادلة الثلاثة، وأساميهم عند أهل الحديث، فكان اتفاقهم بمنزلة الإجماع، لهذا قال صاحب الهداية من أصحابنا: وعلى ترك القراءة خلف الإمام إجماع الصحابة، فسماه إجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته: ٢/٥٣، إمدادية)

(٢) "عند الحنفية الآثار الدالة على ترك القراءة مطلقاً أرجح، لا نظيرها. قال الإمام محمد رحمه الله تعالى في موطاه: لا قراءة خلف الإمام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر فيه، بذلك جاءت عامة الآثار. ثم أخرج الإمام محمد الآثار في ذلك المعنى، فروى عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه قال: من صلى خلف الإمام كفته قراءته. وأخرج عن القاسم بن محمد أنه كان لا يقرأ خلف الإمام، وتقدم الكلام عليه. وروي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه بطرق، وألفاظ مختلفة، منها أنه قال: أنصت بأن الصلوة شغلاً سيكفيك الإمام. وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة ... فإنه ثابتة بالكتاب والسنة وإجماع جمهور الصحابة والقياس، ونشير إليها استطراداً. أما الكتاب، فثبت بالروية الكثيرة أن نزول قوله عز وجل: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ في القراءة خلف الإمام الخ". (أوجز المسالك شرح موطا إمام مالك، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام: ٢/٤٢، إدارة تأليفات اشرفيه ملتان)

## نمازِ جنازہ کا درود شریف

سوال [۳۰۰۲]: نمازِ جنازہ میں دوسری تکبیر میں درود شریف جو نماز پڑھتے ہیں اس کو بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا نمازِ جنازہ کا ہی درود شریف یاد کرنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے، نمازِ جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد اس کو پڑھ لیا جائے (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

## نمازِ جنازہ کی دعا مادری زبان میں

سوال [۳۰۰۳]: بالغ کے جنازہ میں تین تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے: "اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا" اگر کسی کو یہ دعا عربی میں نہ آتی ہو تو مقتدی اپنی مادری زبان جیسے اردو یا بنگلہ میں اس دعا کو ترجمہ کر سکتا ہے؟ جیسے "اے اللہ! بخش دے ہمارے تمام زندوں کو اور تمام مردوں کو" اس پوری دعا کو ترجمہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح پڑھنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) لیکن کوئی دعا مثلاً "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة،

---

(۱) "ویصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كما في التشهد أي المراد الصلوة الإبراهيمية التي يأتي بها المصلي في قعدة التشهد". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

"وإذا كبر الثانية، يأتي بالصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وهي الصلاة المعروفة، وهي أن يقول: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد ... إنك حميد مجيد". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشيدية)

(۲) غیر عربی میں نماز کے اندر دعا پڑھنا مکروہ ہے اور خارج نماز میں بھی کراہت کا قول ہے:

"ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً في الصلاة، وتنزيهاً خارجها".

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع إلخ، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/۵۲۱، سعيد)

وفي الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار" عربی میں پڑھنا بھی ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۷/۹۳ھ۔

## الترتيب بين المكتوبة والجنازة

سوال[۴۰۴۴]: إذا حضرت الجنازة في المسجد وقت صلوة، وبقي للإقامة خمس دقيقة أو عشرة دقيقة، فبأي صلوة يقوم من الصلوتين؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تقدم المكتوبة على صلوة الجنازة في هذه الصورة(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "وإذا كبر الثالثة يستغفرون للميت ويشفعون ..... والدعاء أن يقول: "اللهم اغفر لحينا وميتنا" الخ. إن كان يحسنه، وإن لم يحسنه يذكر ما يدعو به في التشهد الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، رشيديه)

"ويدعو بعد الثالثة بأمور الآخرة، والمأثور أولى" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "عن الحسن وابن سيرين رحمهما الله تعالى قالوا: إذا حضرت الجنازة والصلاة المكتوبة، يبدأ بصلاة المكتوبة". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب في الجنازة تحضر وصلاة المكتوبة بأيهما يبدأ، (رقم الحديث: ۱۱۳۲۹): ۲/۴۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"يبدأ بصلاة المغرب، ثم يصلون على الجنازة، ثم يأتون ..... أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، وهي منه، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۳۰۳، رشيديه)

"ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب، ثم تصلى الجنازة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

## نماز جنازہ سنتوں سے پہلے یا بعد میں؟

سوال[۴۰۳۵]: نماز جنازہ کو سنتوں سے پہلے ادا کیا جائے یا سنتوں کے بعد؟ "وتقديم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتمعا لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية. وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها". در مختار، باب العيدين۔ "(قوله: وعلى الخطبة) أي خطبة العيد، وذلك لفرضيتها وسنية الخطبة، كذا يقال في سنة المغرب (قوله: وغيرها) كسنة الظهر والجمعة والعشاء". شامی، ص: ۵۵۵(۱)۔

عبارت مذکورہ کا کیا مفہوم ہے اور کیا حکم نکلتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو یہی ہے کہ نماز جنازہ کو سنتوں پر مقدم کیا جاوے جیسا کہ آپ نے درمختار سے نقل کیا ہے، لیکن حلبی اور بحر کے حوالے سے درمختار میں ص: ۵۵۶ پر یہ بھی لکھا ہے:

"لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلاة، لكن في آخر أحكام دين الأشباه: ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته، فتأمل، اهـ"(۲)۔

لہذا اگر سنتیں پہلے پڑھ لیں جو کہ فرض عین کے تابع ہیں اور پھر نماز جنازہ ادا کریں تب بھی اعتراض اور بحث کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## نماز جنازہ اور سنت ونوافل میں ترتیب

سوال[۴۰۳۶]: چند دن قبل کا ذکر ہے کہ مسجد میں میت آ گئی تھی اور نماز جنازہ پڑھانا تھا، فرض نماز

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۷/۲، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۷/۲، سعيد)

"أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب، لأنها آكد" (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۴۳۰/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات: ص ۶۰۷، سهيل اكيدمي، لاهور)

جماعت ادا ہونے کے بعد لوگوں نے سنن ونوافل پڑھنی شروع کردی اور بعد سنن ونوافل کے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ میں نے پیش امام مسجد سے دریافت کیا کہ سنن ونوافل سے پہلے فرض کفایہ مقدم نہیں تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی ضروری نہیں کہ سنن ونوافل سے پہلے فرض کفایہ ادا کی جائے، ہم کو یہ طریقہ ترک کرنا ہے اس لئے ہم نے عمداً سنن ونوافل پہلے پڑھ لئے ہیں۔ میں عقلی طور پر یہ محسوس کرتا ہوں کہ فرض کے بعد فرض کفایہ ادا کی جانی چاہیے، اس کے بعد سنن ونوافل۔ امام کا یہ جواب کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وتقدم (صلاة الجنازة على الخطبة) وعلى سنة المغرب [illegible]، لكن في البحر: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة" در مختار (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کو سنت مؤکدہ سے پہلے پڑھنا چاہیے، لیکن اگر سنت مؤکدہ کو پہلے پڑھیں اور نماز جنازہ کو بعد میں پڑھیں تب بھی منع نہیں بلکہ فتویٰ اسی پر ہے۔ ورنہ نماز جنازہ پڑھ کر [illegible] قبرستان لے جایا جاتا ہے، اگر سنت مؤکدہ پہلے نہ پڑھی تو وہ بالکل ہی ترک ہوجانے کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۲ھ۔

## سنتِ مؤکدہ مقدم ہے یا نماز جنازہ؟

سوال [۴۲۰۲]: ہمیں جوانی پرانہ بدھ کو ایک میت ہوئی، نماز جنازہ مغرب کی نماز کے بعد ادا کی، امام مسجد فرض پڑھا کر نماز جنازہ کے لئے بڑھنا چاہتے تھے مگر چند لوگ اعتراض کرنے لگے کہ سنت نماز پڑھنے کے بعد ہی جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ چند دنوں کے بعد امام مسجد نے اعلان کیا کہ فرض پڑھنے کے بعد ہی فرض کفایہ

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة وهي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد" (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۲/۲۸۴، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، السادس في المتفرقات، ص: ۶۰۲، سهيل اكيدمي)

مختار شامی مختصراً، باب العیدین، ص: ۵۵۶،۵۵۵ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## نمازِ جنازہ سنتوں پر مقدم ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۰۴۹]: اگر بعد نماز جمعہ نماز جنازہ پڑھی جاوے تو پہلے ظہر کی سنتیں پڑھیں یا نماز جنازہ پڑھیں؟ اس مسئلہ میں کتاب کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے نماز جنازہ پڑھیں، سنتیں بعد میں پڑھیں: "وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها كسنة الظهر والجمعة والعشاء اهـ". درمختار و شامی: ۱/۵۸۰ (۲)۔

بعض نے سنتوں کی تقدیم کا حکم دیا ہے: "لكن في البحر الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن السنة أي سنة الجمعة". شامی: ۱/۵۸۰ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۷۶، سعید)

"لیکن اس زمانہ میں نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ لوگوں پر غفلت کا غلبہ ہے، فرض کے بعد نماز جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنت مؤکدہ کے ترک کا خطرہ ہے"۔ (احسن الفتاویٰ، باب الجنائز: ۴/۲۲۷، سعید)

"أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، وهي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب، لأنها آكد". (البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۲/۳۰۲، رشیدیہ)

"ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب، يقدم صلوة المغرب، ثم تصلى الجنازة، ثم سنة المغرب، وقيل: تقدم سنة أيضاً على الجنازة، الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، فصل في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۶۷، سعید)

(۳) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۶۷، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۲/۳۰۲، رشيديه)

## نمازِ عید اور جنازہ میں ترتیب

سوال[۴۰۵۰]: عید کے دن اگر جنازہ آجائے تو نمازِ عید و جنازہ و خطبہ میں کیا ترتیب رکھنا چاہیے؟ فقط والسلام۔

المستفتی: عبد الرزاق، ۲۳/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وتقدم صلاتها (أي صلوة العيد) على صلوة الجنازة إذا اجتمعا؛ لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة: أي خطبة العيد، وذلك لفرضيتها وسنية الخطبة". در مختار وشامی: ۱/۸۶۵(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اول نمازِ عید ہی ہوگی، پھر نمازِ جنازہ، پھر خطبۂ عید۔ فقط والله سبحانه تعالیٰ أعلم۔

## تعلیمِ قرآن کے وقت نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۵۱]: اگر کوئی معلم قرآن شریف کی تعلیم دے رہا ہو اور جنازہ کی نماز تیار ہو اور دوسرا معلم وہاں جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے موجود ہو تو اب اس معلم کے واسطے نماز جنازہ کے لئے جانا بہتر ہے یا قرآن شریف پڑھانا اچھا ہے؟

---

ـ "اس زمانہ میں نمازِ جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ دین سے غفلت کا غلبہ ہے، فرض کے بعد نمازِ جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنت نہ پڑھیں گے اور ترک کا خطرہ ہے"۔ (احسن الفتاویٰ، باب الجنائز: ۴/۲۱۴، سعید)

"ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب ثم تصلى الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضاً على الجنازة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمي)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"ولو حضرت وقت العيد قدمت العيد عليها، ثم هي على الخطبة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً۔

اگر کوئی عذر نہ ہو تو نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہیے، اگر کوئی عذر ہو تو تعلیم میں مشغول رہنے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ جمادی الثانی/ ۵۶ھ۔

## اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ

سوال [۲۰۵۲]: زید کہتا ہے کہ جن وقتوں میں نفل نماز مکروہ ہے ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ ہے اور بکر کہتا ہے کہ ان وقتوں میں جنازہ کی نماز مکروہ نہیں۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن وقتوں میں مطلقاً نماز ممنوع ہے ان وقتوں میں نماز جنازہ بھی ممنوع ہے (نفل کی قید صحیح

---

(۱) "عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن أخاکم قد مات، فقوموا فصلوا علیہ"۔ (سنن النسائي، کتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة علی المیت ۱/۲۷۵، قدیمی)

"(والصلاة علیہ) صفتها (فرض کفایة) بالإجماع"۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"والإجماع منعقد علی فرضیتها أیضاً، إلا أنها فرض کفایة، إذا قام به البعض، یسقط عن الباقین، لأن ما هو الفرض -وهو قضاء حق المیت- یحصل بالبعض، ولا یمکن إیجابها علی کل واحد من آحاد الناس"۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: والکلام في صلاة الجنازة الخ: ۲/۳۶، رشیدیہ)

"وهذا هو حکم فرض الکفایة، فإنه یکون فرضاً علی کل واحد واحد، لکن بحیث إن أدی بعض منهم، سقط عن الباقین، وإن لم یؤد واحد منهم یأثم الجمیع بترک الفرض۔ وإن أدی الکل وجدوا ثواب الفرض"۔ (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، رقم الحاشیة: ۹، ۱/۲۰۶، سعید)

قال الشامی: "(قوله: وجبتا فيها) بأن تليت الآية في تلك الأوقات أو حضرت فيها الجنازة" اھـ. رد المحتار، ص: ۳۸۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

## نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بوقت غروب آفتاب

سوال [۴۰۵۴]: جنازہ کی نماز یا سجدۂ آیت اگر عصر کے بعد وقت ناقص میں ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت سورج غروب ہو جائے تو وہ بھی عصر یوم کی طرح ناقص ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آیت سجدہ بھی اسی وقت پڑھی اور جب ہی سجدہ کر لیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ناقص ادا ہوگیا اور اگر وقت کامل میں آیت پڑھی اور سجدہ بوقت غروب میں کیا تو یہ عصر یومہ کے طرح نہیں بلکہ یہ ادا ہی نہیں ہوا، اسی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ: ۱/۳۷۴، سعید)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالى عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"تكره الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وغروبها ونصف النهار لما روينا من حديث عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه أنه قال: ثلاث ساعات نهانا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، الحديث. والمراد من قوله: "أن نقبر فيها موتانا" الصلاة على الجنازة دون الدفن، إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: بيان ما تفسد الصلوة وما يكره: ۲/۵۷، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات: ۱/۵۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، ۴۳۳، رشيدية)

طرح اگر جنازہ وقتِ ناقص میں آیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ہے، اگر وقتِ کامل میں آیا تو نماز جنازہ وقتِ ناقص میں ادا نہیں ہوئی

"ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة المتلوة في غير هذه الأوقات، وصلوة الجنازة حضرت قبلها؛ لأن ما وجب كاملاً لا يتأدى بالناقص. وأما المتلوة أو المحاضرة فيها لا يكره: أي تحريماً؛ لأنها وجبت ناقصةً، أديت فيها كما وجبت، اهـ". سكب الأنهر: ۱/۷۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟

سوال[۴۰۵۵]: نمازِ جنازہ کے لئے بھی کیا کوئی وقت حرام یا مکروہ تحریمی کا ہے، اگر ہے تو اس کے درجے سے آگاہی بخشیں۔ اس کے علاوہ کیا دن رات میں ہر وقت نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ سنت مؤکدہ وغیرہ مکروہ تحریمی، تنزیہی، مستحب ہر ایک کا درجہ کیا ہے؟ اردو کی کتابوں میں "ممنوع، ناجائز" لکھا رہتا ہے جس سے

---

(۱) (سكب الأنهر (الدر المنتقى في شرح الملتقى) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلوة: ۱/۱۰۱، غفاريه كوئته)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالى عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"المراد من قوله: "أن نقبر فيها موتانا" الصلاة على الجنازة دون الدفن، إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، باب الجنائز، فصل في بيان ما يكره فيها: ۲/۵۷، رشيديه)

"ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلوة جنازة ولا سجدة تلاوة ......... وهذا إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة في وقت مباح، وأخرتا إلى هذا الوقت، لا يجوز قطعاً، أما لو وجبتا في هذا الوقت وأديتا فيه، جاز؛ لأنها أديت ناقصةً كما وجبت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، ۴۳۳، رشيديه)

کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

حضرت والا کا خادم مجبور حقیر ناچیز: عبدالصبور ۳۶ھ۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

جن اوقاتِ ثلثہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ان میں نمازِ جنازہ بھی مکروہ تحریمی ہے، باقی سب اوقات میں درست ہے (۱)۔

چونکہ عوام "موکدہ غیر موکدہ، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض وواجب وغیرہ" کے درمیان فرق کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ درجات "نص، ظاہر، مفسر، محکم، قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ" وغیرہ دلائل پر متفرع ہیں اور عوام کی فہم سے یہ اصطلاحات بالاتر ہیں، اس لئے اردو کی کتابوں میں ہر جگہ ان سب کی تصریحات نہیں کرتے بلکہ ممنوع اور ناجائز وغیرہ الفاظ پر اکتفاء کرتے ہیں اور اہلِ علم درجات کو سمجھتے ہیں وہ کتبِ عربیہ سے ان درجات کو معلوم کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۷/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "عن عقبۃ بن عامر الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ثلاث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینہانا أن نصلی فیہن وأن نقبر فیہن موتانا: حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع، وحین یقوم قائم الظہیرۃ حتی تمیل، وحین تضیف للغروب حتی تغرب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراہیۃ الصلاۃ علی الجنازۃ الخ: ۱/۲۰۰، سعید)

"ویکرہ الصلاۃ علی الجنازۃ عند طلوع الشمس ........ وغروبہا ونصف النہار لما روینا من حدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: ثلاث ساعات ... الحدیث. والمراد من قولہ: "أن نقبر فیہا موتانا" الصلاۃ علی الجنازۃ دون الدفن، إذ لا بأس بالدفن فی ہذہ الأوقات". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل فی بیان ما یکرہ فیہا: ۲/۵۷، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ: ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ: ۱/۴۳۲، ۴۳۳، رشیدیہ)

## ولی جنازہ باپ ہے یا شوہر

**سوال**[۴۰۵۷]: عورت کے انتقال پر اس کی نماز جنازہ کی اجازت کس سے لی جائے یعنی شوہر سے یا اس کے باپ بھائی سے؟ لوگ کہتے ہیں کہ شوہر سے زوجیت کا تعلق ختم ہو چکا ہے اس سے اجازت لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقط۔

عبدالحق مدرسہ حسینیہ العلوم فرخ آباد۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

"ثم الولي بترتيب عصوبة النكاح، إلا الأب، فيقدم على الابن اتفاقاً، إلا أن يكون عالماً والأب جاهلاً، فالابن أولى، فإن لم يكن له ولي فالزوج، ثم الجيران، الخ". الدر المختار: ١/٥٩٠ (١)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب تک ولی عصبہ موجود ہو، شوہر جنازہ کا ولی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۱۳۹۵ھ۔

## ولی میت سے نماز جنازہ کی اجازت

**سوال**[۴۰۵۸]: کیا جنازہ کی نماز کے لئے ولی میت سے اجازت لینی ضروری ہے؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

اصل حق ولی کا ہے اس سے اجازت لی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۲۰، ۲۲۱، سعید)

"ثم الترتيب في الأولياء كترتيب العصبات في النكاح، لكن إذا اجتمع أبو الميت وابنه، كان الأب أولى بالاتفاق على الأصح؛ لأن للأب فضيلة على الابن وزيادة سن ... وسائر القرابات أولى من الزوج والجار أحق من غيره". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۳، ۳۱۴، رشیدیہ)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۰، قدیمی)

(۲) "(قوله أي للولي) ومثله كل من يقدم عليه من باب أولى (والإذن لغيره فيها) لأن حقه فيملك ۔

## امامِ محلہ کی امامت ولی کے مقابلہ میں

سوال[۴۰۵۹]: محلہ کا امام میت کے وارث کے ہوتے ہوئے بغیر اس کی اجازت کے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مناسب نہیں، بہتر یہ ہے کہ اگر امام صالح دیندار ہو تو خود ہی امام سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے ورنہ ولی کا خود نماز جنازہ پڑھانا اولیٰ ہے، الدر المختار: ۱/ ۸۲۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## کسی متعین شخص سے جنازہ پڑھوانے کی وصیت

سوال[۴۰۶۰]: کسی مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد جنازہ کی نماز فلاں آدمی پڑھائے اور اس فلاں کے آنے میں تین دن یا زیادہ دن لگ جائے تو آیا اس نعش کو فلاں کے آنے تک باقی رکھا جائے یا کسی دوسرے آدمی سے نماز جنازہ پڑھوا کر دفن کر دیا جائے؟

---

= إبطاله". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۲۲، سعيد)

"قال" (وله أن يأذن لغيره): أي للولي أن يأذن لغيره في الصلاة على الجنازة؛ لأن التقدم حقه فيملك إبطاله بتقديم غيره". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۱/ ۵۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۱۶، رشيديه)

(۱) "وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي وإلا فالولي كما في المجتبى وشرح المجمع للمصنف". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۲۰، سعيد)

"إنما يستحب تقديم إمام مسجد حيه على الولي إذا كان أفضل من الولي ذكره في الفتاوى وهو قيد حسن". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۱۹، رشيديه)

"(ثم إمام الحي) المراد به إمام مسجد محلته، لكن بشرط أن يكون أفضل من الولي، وإلا فالولي أولى منه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۸۹، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز فلاں آدمی سے پڑھائے تو اگر اس وقت موجود نہیں اس کے آنے میں تین دن لگیں گے تو اس کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ دوسرا مناسب آدمی نماز جنازہ پڑھادے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## نماز جنازہ بلا وضو

سوال [۴۰۱۱]: جنازہ کی نماز امام نے بلا طہارت پڑھادی تو اس صورت میں مقتدیوں کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جنازہ کی نماز امام نے بلا وضو پڑھادی تو درست نہ ہوگی نہ امام کی، نہ اس کے مقتدیوں کی(۲)۔

---

(۱) "والفتوی علی بطلان الوصیة بغسله والصلاة علیه". (الدر المختار). "لو أوصی بأن یصلی علیه غیر من له حق التقدم أو بأن یغسله فلان، لا یلزم تنفیذ وصیته، ولا یبطل حق الولی بذلک". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی تعظیم أولی الأمر واجب: ۲۲۲/۲، سعید)

"إذا أوصی أن یصلی علیه فلان، فالوصیة باطلة". (التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات: ۱۸۰/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "فلو أمّ بلا طهارة والقوم بها، أعیدت وبعکسه لا". (الدر المختار). "(قوله: أعیدت) لأنه لا صحة لها بدون الطهارة، وإذا لم تصح صلاة الإمام لم تصح صلاة القوم". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۸/۲، سعید)

"ولو صلی الإمام بلا طهارة أعادوا، لأنه لا صحة بدون الطهارة، فإذا لم تصح صلاة الإمام لم تصح صلاة القوم الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ۱۶۴/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل وأما بیان ما تصح به وما تفسد وما یکره: ۵۴/۲، رشیدیه)

اگر دفن کر دیا گیا ہے تو قبر پر پڑھ لی جاوے جب تک میت کے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، ورنہ استغفار کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## نمازِ جنازہ میں میت کی سمتِ قبلہ بدل گئی

سوال[۴۰۱۲]: عورت کا جنازہ جس کا سر جنوب کی طرف اور پیر شمال کی طرف تھا، نماز پڑھا دی گئی تو جائز ہوا یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

اگر غلطی سے جنازہ کا سر جنوب کی طرف اور پیر شمال کی طرف ہو گیا اور اس پر نماز جنازہ پڑھا دی گئی تو بھی درست ہو گئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن أسود رجلاً أو امرأة كان يكون في المسجد يقم المسجد، فمات ولم يعلم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بموته، فذكره ذات يوم فقال: "ما فعل ذلك الإنسان"؟ قالوا: مات يا رسول الله، قال: "أفلا آذنتموني"؟ فقالوا: إنه كان كذا وكذا قصته، قال: فحقروا شأنه، قال: "فدلوني على قبره" قال: فأتى قبره فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن: ۱۷۸/۱، قديمي)

"وإن دفن (وأهيل عليه التراب بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلي على قبره) استحساناً (ما لم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۳/۲، سعيد)

"ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم، بل يصلى عليه ما لم يعلم أنه قد تمزق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس على الميت: ۱۶۵/۱، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين، وأساؤوا إن تعمدوا". (الدر المختار، كتاب الصلاة =

## نمازِ جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

سوال[۴۰۹۳]: ایک مولانا صاحب بی اے منشی فاضل نے اس طور پر نمازِ جنازہ پڑھائی، امام [میت] یعنی مولانا صاحب بی اے منشی فاضل وہاں کھڑے ہوئے جہاں امام لکھا ہے۔ حدیث بخاری، پارہ پانچ، کتاب الجنازۃ سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ "حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت پر نماز پڑھی جو نفاس میں مرگئی تھی، آپ اس کے بیچوں بیچ کھڑے ہوئے (۱) اس طور پر مولانا صاحب بی اے نے بھی عورت کا جنازہ پڑھایا۔ کیا اب شریعت بدل گئی جو مولانا صاحب نے اس طور پر جنازہ پڑھایا؟ کیا اب ایسے جنازہ ہونا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ويقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر لما روى أحمد: أن أبا غالب قال: صليت خلف أنس رضي الله تعالى عنه على جنازة، فقام حيال صدره" ولأن الصدر محل الإيمان ومعدن الحكمة والعلم، وهو أبعد من العورة الغليظة، فيكون القيام عنده إشارة إلى أن الشفاعة وقعت لأجل إيمانه. وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وأبي يوسف أنه يقوم من الرجل بحذاء صدره ومن المرأة بحذاء وسطها؛ لأن أنساً رضي الله تعالى عنه فعل كذلك، وقال: هو سنة

---

= باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعيد)

"وإذا أخطأوا بالرأس وقت الصلاة، فجعلوه في موضع الرجلين فصلوا عليها، جازت الصلاة، فإن فعلوا ذلك عمداً، جازت صلاتهم وقد أساؤوا". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان ما تصح به الصلاة وما تكره: ۲/۵۳، رشيديه)

(۱) "عن سمرة بن جندب قال: صليت وراء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على امرأة ماتت في نفاسها، فقام عليها وسطها". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب أين يقوم من المرأة والرجل: ۱/۱۷۷، قديمي)

"وعن سمرة بن جندب رضي الله تعالى عنه أنه قال: صليت وراء رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على امرأة ماتت في نفاسها، فقام وسطها، قلنا: الوسط هو الصدر، فإن فوقه يديه ورأسه، وتحته بطنه ورجليه". زيلعي، ص: ۲۴۲ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام کو میت کے سر یا پیروں کی جانب نہیں کھڑا ہونا چاہیے بلکہ سینہ کے مقابلے میں کھڑا ہونا چاہیے اور جس روایت میں آتا ہے کہ میت کو سامنے رکھ کر اس کے بیچا بیچ کھڑے ہو کر نماز پڑھائی ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے، کیونکہ سر اور ہاتھ سینہ سے اوپر ہیں اور پیٹ اور پیر سینے سے نیچے ہیں لہٰذا سینہ وسط میں ہوا، دوسرے سینہ محلِ ایمان وحکمت وعلم ہے، اس لئے سینہ کو فوقیت ہے اور ایسا کرنا مستحب ہے۔

اگر کسی نے گھٹنے کے مقابل یا کندھے کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا دی تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن صحتِ نماز جنازہ کے لئے میت کے کسی حصہ کے سامنے اور مقابلہ میں ہونا شرط ہے، اگر میت کا کوئی حصہ بھی امام کے سامنے نہ ہوگا تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی۔

"كونه (أي الإمام) بالقرب من الصدر مندوب، وإلا فمحاذاة جزء من الميت لا بد منها، قهستاني وغيره". رد المحتار: ۱/۵۹۵ (۲)۔

"وإذا غلطوا بالرأس، فوضعوها في موضع الرجلين وصلوا عليه، جازت الصلاة؛ لأن ما هو شرط، وهو كون الميت أمام الإمام، فقد وجد. إنما التغير في صفة الوضع، وذلك لا يمنع جواز ذلك، إلا أنهم تعمدوا ذلك، فقد أساؤوا لتغيير الوضع عما توارثه الناس". مبسوط سرخسی: ۲/۶۹ (۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۴، سعيد)

(۳) (كتاب المبسوط للسرخسي، باب غسل الميت: ۲/۱۱۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "يقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر، وهذا أحسن مواقف الإمام من الميت للصلاة عليه الخ". (كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان كيفية الصلاة على الجنازة الخ: ۲/۴۹، رشيديه)

اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ جس طرح مستحکم ہو چکی ہے وہ منسوخ نہیں ہو سکتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

## ناپاک زمین پر نماز جنازہ

سوال [۴۰۰۴]: پکی زمین ہو یا کچی لیکن اس پر گوبر کے نشانات بلکہ ٹکڑے بھی ہیں لیکن خشک ہیں تو ایسی حالت میں اس زمین پر نماز جنازہ پڑھی جائے تو کیا ادا ہو سکے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لید اور گوبر کے ٹکڑے پیروں کے نیچے نہیں (آس پاس ہیں) تو نماز جنازہ درست ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۰ھ۔

## جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۴۰۰۵]: جنازہ کی نماز جوتا پہن کر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نیچے کا حصہ نجس ہو تو پیر سے نکال کر اس پر پیر رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ اوپر کا حصہ پاک ہو، "ولو افترش نعله وقام عليهما جاز، فلا يضر نجاسة ما تحتهما لكن لابد من طهارة نعليه مما

---

(۱) "الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن ومكان، وستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعاً".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۵، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

على أن جعل لا سبب بين الأرض ونعله"، طحطاوی (۱)۔

اور اگر اوپر کا حصہ نجس ہو تو پھر نکالنا اور پیر سے علیحدہ کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز درست نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۲/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ربیع الاول/۶۲ھ۔

## ایضاً

سوال[۵۰۶۲]: نماز جنازہ جوتا پہن کر درست ہے یا نہیں؟ جوتا اس کے نیچے موجود گندگی نجاست ہوتی ہے، اگر جائز ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جوتے کے نیچے گندگی ہے اور جوتہ پہن کر نماز جنازہ پڑھی جائے تو وہ درست نہیں اور اگر جوتہ نہیں پہنا بلکہ جوتے کے اوپر پیر رکھ کر نماز پڑھی اور نجاست جوتے کے نیچے ہے اوپر نہیں تو نماز درست ہو جائے گی (۲)، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے نجس زمین پر تختہ یا موٹا مصلیٰ بچھا کر اس پر نماز پڑھی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه: ص ۵۸۲، قديمي)

"ولو افترش نعليه وقام عليهما، جازت، وبهذا يعلم ما يفعل في زماننا من القيام على النعلين في صلاة الجنازة، لكن لا بد من طهارة النعلين، كما لا يخفى". (البحر الرائق، باب الجنائز: ۲/۳۱۵، رشيدية)

"ولو افترش نعليه وقام عليهما، جازت صلاته، بمنزلة ما لو بسط الثوب الطاهر على الأرض النجسة وصلى عليه، فإنه يجوز". (مجموعة رسائل اللكنوي، غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، فصل: أحكام النعال المتعلقة بالصلاة: ۱/۴۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "جوتا پہن کر نماز جنازہ")

(۳) "في مفسدات الصلاة: وصلاته على مصلي مضرب نجس البطانة، بخلاف غير مضروب و –

## جنازہ کو جمعہ تک موخر کرنا

سوال [۴۰۹۸]: اگر کسی کے یہاں بروز جمعہ وقتِ صبح میت ہوجائے اور اس کے وارث اس کو بعد نماز جمعہ کے اس لئے دفن کرتے ہیں کہ جمعہ میں نماز جنازہ پڑھی جاوے تو زیادہ ثواب ہے، یہ عقیدہ یا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو محض اس لئے اتنی دیر تک روکے رکھنا مکروہ ہے، مستحب اور افضل یہی ہے کہ اس کے دفن میں جلدی کی جائے، اگر ایسے وقت انتقال ہوا ہے کہ اس کے دفن کرنے میں جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر نماز جمعہ تک موخر کردیں، کذا فی الطحطاوی، ص: ۳۳۵ (۱)۔

## نماز جنازہ میں دوسرے شہر والوں کا انتظار کرنا

سوال [۴۰۹۹]: ہمارے یہاں یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو تمام گاؤں میں جا کر اطلاع دیتے ہیں اور جب تک سب لوگ نہ آجائیں نماز جنازہ کا انتظار کرتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

---

= مبسوطاً على محل إن لم يظهر لون أو ريح". (الدر المختار). "(قوله: مبسوطاً على محل الخ):

وكذا الحكم إذا قام على الجنازة النجسة، فإن كان رقيقاً يشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة، لا يجوز الصلاة عليه. وإن كان غليظاً بحيث لا يكون كذلك، جازت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۲۹، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها، وإن تك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة: ۱/۱۷۶، قديمي)

"ولو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة، يكره تأخير الصلاة عليه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة، ولو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه يؤخر الدفن". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قديمي)

"وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة، إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۵، رشيديه)

## صغیرہ اور کبیرہ کے جنازوں کی نماز یکدم پڑھنا

سوال [۷۰۰۳]: مقتدیوں میں جنازے ایک سے زیادہ ہوں اور تنہا تنہا پڑھنے میں زیادہ حرج کا خیال ہے، جس میں نابالغ بالغ لڑکا، نابالغ لڑکی، مرد، عورت سب کے جنازے شامل ہیں تو کس طرح ان سب کی نماز ایک دفعہ سے پڑھے اور کون سی دعا پڑھے جس میں سب جنازے کی نماز ادا ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں اس طرح کرے کہ سب کو برابر برابر رکھ کر اس طرح کہ اول امام کے قریب مردوں کے جنازے ہوں، پھر لڑکوں کے، پھر عورتوں کے، پھر لڑکیوں کے۔ ایک ہی مرتبہ سب پر نماز پڑھ لی جائے اور بالغوں کی دعا کے بعد نابالغوں کی دعا بھی پڑھی جاوے کذا فی الطحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

---

= "عن أبي مالك رضي الله تعالىٰ عنه أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجيء بتسعة، فصلى عليهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فرفعوا و ترك حمزة، ثم جيء بتسعة فوضعوا، و صلى عليهم سبع صلوات، حتى صلى على سبعين، وفيهم حمزة رضي الله تعالىٰ عنه في كل صلاة صلاها". (مراسيل أبي داؤد الملحق بسننه، في الصلوة على الشهداء: ۱۸، سعيد)

"ولم يذكر المصنف رحمه الله تعالىٰ ما إذا اجتمعت الجنائز للصلوة، قالوا: الإمام بالخيار إن شاء صلى عليهم دفعة واحدة، وإن شاء صلى على كل جنازة صلاة على حدة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيدية)

(۱) "(إذا اجتمعت الجنائز، فالإفراد بالصلاة لكل منها أولى) ...... (وإن اجتمعن) وصلى مرة واحدة ...... (فيجعل الرجال مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعدهم): أي بعد الرجال (ثم الخنثى، ثم النساء، ثم المراهقات)". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۲، ۵۹۳، قديمي)

## نمازِ جنازہ مکرر پڑھنا

سوال [۴۰۷۲]: ایک جنازہ کی نماز باجماعت دوبارہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں کچھ نئے لوگ اور کچھ پرانے بھی شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نمازِ جنازہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر پڑھ لی گئی تو ولی کو دوبارہ پڑھنا درست ہے اور اس میں نئے لوگ شریک ہوسکتے ہیں اور جو لوگ پہلے پڑھ چکے ہیں وہ شریک نہ ہوں: "فإن صلی غيره: أي غير من له حق التقدم، أعادها إن شاء، ولا يعيد معه من صلی غيره الخ". كذا في مراقي الفلاح، ص: ۴۸۶، مصري (۱)۔

---

- "عن يحيى بن صبيح قال: حدثني عمار مولى الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم وابنها، فجعل الغلام مما يلي الإمام، فأنكرت ذلك وفي القوم ابن عباس وأبو سعيد الخدري وأبو قتادة وأبو هريرة رضي الله تعالى عنهم، فقالوا: هذه السنة". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب إذا حضر الجنائز رجال ونساء من يقدم: ۹۸/۲، امداديه)

"فإذا اجتمعت الجنائز، فالإمام بالخيار، إن شاء صلى عليهم دفعة واحدة، وإن شاء صلى على كل جنازة على حدة ......... ثم كيف توضع الجنائز إذا اجتمعت؟ فنقول: لا يخلو إما إن كانت من جنس واحد أو مختلف الجنس، أما إذا اختلف الجنس بأن كانوا رجالاً ونساءً، توضع الرجال مما يلي الإمام والنساء خلف الرجال مما يلي القبلة ...... ولو اجتمع جنازة رجل وصبي وخنثى وامرأة وصبية، وضع الرجل مما يلي الإمام، والصبي وراءه، ثم الخنثى، ثم المرأة، ثم الصبية". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما تصح به وما تفسده وما يكره: ۵۶/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۱۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۲۸/۲، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۵۹۰، ۵۹۱، قديمي)

"(فإن صلى غيره) أي الولي (ممن ليس له حق التقدم) على الولي (ولم يتابعه) الولي (أعاد الولي) ولو على قبره إن شاء لأجل حقه، لا لإسقاط الفرض، ولذا قلنا: ليس لمن صلى عليها أن يعيد مع الولي؛ لأن تكرارها غير مشروع الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۲/۲، ۲۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۴/۱، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۰۷۳]: میت کی نماز ادا کرنے کے کچھ دیر بعد تین چار شخص آ گئے تو ان کے لئے میت کی نماز دوبارہ پڑھنے کے لئے علمائے دین کیا حکم فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی نے اول نماز جنازہ پڑھی ہے، یا اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہے تو پھر دوبارہ پڑھنا درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/رمضان/۶۲ھ۔

نماز جنازہ متعدد دفعہ

سوال[۴۰۷۴]: جنازہ کی نماز دو دفعہ یا تین دفعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز ایک دفعہ ہے، اس سے زیادہ نہیں(۲)، ہاں! اگر ولی جنازہ نے اگلی نماز نہیں پڑھی بلکہ

---

(۱) "(وإن صلی هو) الولي (بحق) بأن لم يحضر من يقدم عليه (لا يصلي غيره بعده)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۳، سعيد)

"فإن صلى عليه الولي، لم يجز أن يصلي عليه أحد بعده". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۲) "ولا يصلي على ميت واحد إلا مرة واحدة، والتنفل بصلاة الجنازة غير مشروع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

"(قوله: ولم يصل غيره بعده)، أي بعد ما صلى الولي؛ لأن الفرض قد تأدى بالأولى، والتنفل -

کسی اور نے پڑھ لی ہے، پھر ولی پڑھنا چاہے تو اس کو اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جو شخص ساتھ نہ دے اس کے جنازہ میں عدم شرکت

سوال [۴۰۷۵]: جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد نہ کرے بلکہ تماشائی بن کر دیکھتا رہے اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ ہم لوگوں نے عہد کیا تھا کہ جو مسلمان ہماری امداد نہ کرے اس کو برادری میں شریک نہیں کریں گے۔ کیوں کہ انہوں نے ہمارے اوپر کیے گئے غلط اور جھوٹے مقدمہ میں ہماری امداد نہیں کی اس وجہ سے ہم نے قطع تعلق کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس دور میں ان لوگوں کی لڑکی فوت ہوگئی جس کے جنازہ میں ہم شامل نہیں ہوئے کیوں کہ ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان کو شریک برادری نہیں کریں گے، جو ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔ تو شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے معاملہ میں جو مقابلہ عامہ کے لئے ہو سب کو ہی ساتھ دینا چاہیے۔ ان آدمیوں کا الگ رہنا اور ساتھ

---

= بها غير مشروع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۳، سعيد)

(۱) "فإن صلى غيره: أي الولي ممن ليس له حق التقدم على الولي ولم يتابعه الولي، أعاد الولي، وإلا لا يعيد. وإن صلى هو - أي الولي بحق، لا يصلي غيره بعده". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۲۲، ۲۲۳، سعيد)

"فإن صلى عليه غير الولي والسلطان، أعاد الولي؛ لأن الحق له". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۴، سهيل اكيدمي، لاهور)

دینا بہت بُری بات ہے۔ اگر کسی ناجائز بات میں شریک نہ ہوں، الگ رہیں تو ٹھیک ہے۔ اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کر کے نادم ہوں تو ان کو برادری میں شامل کرلیا جائے (۱)۔ جو کسی کی فوت ہوگئی اس کے جنازہ میں شریک نہ ہونا بھی غلطی ہے، آئندہ ایسا نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۸۹۶، قديمي)

قوله: "ولا يحل لمسلم الخ": فيه التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام، وهذا فيمن لم يجن على الدين جناية، فأما من جنى عليه وعصى ربه، فجاءت الرخصة في عقوبته بالهجران كالثلاثة المتخلفين عن غزوة تبوك، فأمر الشارع بهجرانهم، فبقوا خمسين ليلة حتى نزلت توبتهم الخ". (عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر الخ: ۲۲/۱۳۴، مطبعة منيرية، بيروت)

قال الملا علي القاري تحت هذا الحديث: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك ... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح للملا علي القاري، كتاب الأدب، باب التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، تحت حديث أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۵۰۲۷: ۹/۵۸۸، رشيدية)

(۲) اس لئے کہ نماز جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، جنہوں نے نہیں پڑھی وہ ثواب سے محروم ہوگئے نیز انہوں نے ایک مسلمان کی حق تلفی بھی کی۔

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد لكن بحيث إن أدى بعض منهم سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحد منهم يأثم الجميع بترك الفرض، وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، رقم الحاشية: ۱۶: ۱/۲۰۲، سعيد)

## چلتے ہوئے مسافر پر نمازِ جنازہ میں شریک ہونا لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۴۱۰۰]: اگر کوئی مسافر چلا جا رہا ہے تو اس کے راستہ میں مسلمانوں کا جنازہ دفناتے ہوئے ہو تو اب اس مسافر کے واسطے آگے چلنا حرام ہے یا نہیں، کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مسافر جنازہ کی نماز ادا نہ کرے اور مٹی وغیرہ نہ ڈالے تو اس مسافر کے واسطے آگے چلنا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے یعنی اگر بعض ادا کرلیں تو سب کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، پس اگر اس جنازہ پر نماز پڑھی جاچکی ہے تو مسافر کے لئے نماز کا سوال ہی نہیں رہا اور اگر نہیں پڑھی گئی تو بہتر یہ ہے کہ یہ مسافر بھی نماز میں شریک ہوجائے، ہاں! اگر کچھ دشواری ہو، بس کو جانے کی جلدی ہو اور نماز میں تاخیر ہو تو یہ مسافر جنازہ نہ پڑھنے سے بھی گنہگار نہ ہوگا (۱)۔ یہی حال دفن کرنے کا ہے یعنی اگر اسے موقع اور گنجائش ہے تو دفن

---

— "والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً إلا أنها فرض كفاية إذا قام به البعض يسقط عن الباقين، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۲/۲۲، رشيديه)

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: أمرنا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز، وعيادة المريض، وإجابة الداعي، ونصر المظلوم، وإبرار القسم، ورد السلام، وتشميت العاطس" الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱/۱۶۶، قديمي)

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۱/۲۷۵، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن يحصل إن أدى بعض سقط عن الباقين. وإن لم يؤد واحد منهم يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۲): ۱/۲۰۶، سعيد)

"والصلوة عليه: أي على الميت فرض كفاية بالإجماع". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل والكلام في صلاة الجنازة: ۲/۲۹، رشيديه)

کرنے میں شریک ہوجائے ورنہ گناہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۶۵ھ۔

## نمازِ جنازہ میں چند لوگوں کا، بقیہ تماشبینوں کی طرح کھڑے رہنا

سوال [۴۰۷۷]: جنازہ کے وقت چار پانچ سو آدمیوں کا مجمع ہے لیکن صلوٰۃ الجنازہ ادا کرنے کے وقت صرف دس پندرہ آدمی نماز پڑھتے ہیں اور باقی شخص تماشائیوں کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔ یہ بقیہ لوگ مسلمان تارکِ فرض کفایہ ہوں گے یا نہیں، اور ان پر کچھ گناہ ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ کوئی عذر مانع شرکت نماز سے بھی نہیں۔ کراہت وغیرہ مفصل ومدلل فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کچھ لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو فرض کفایہ ہونے کی وجہ سے سب کے ذمہ سے ساقط ہوگئی لیکن ثواب صرف ان کو ملا جنہوں نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے وقت باقی لوگوں کا تماشبینوں کی طرح کھڑے رہنا اور نماز میں شریک نہ ہونا انتہائی بے حسی اور بے مروتی ہے، حقوقِ میت اور احترامِ نمازیوں کے خلاف ہے (۲)۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من شهد الجنازة حتى يصلي عليه فله قيراط، ومن شهد حتى يدفن كان له قيراطان". قيل: وما القيراطان؟ قال: "مثل الجبلين العظيمين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من انتظر حتى يدفن: ۱/۱۷۷، قديمي)

"فقد استدل على وجوبه بتوارث الناس من لدن آدم صلى الله تعالى عليه وسلم إلى يومنا هذا مع النكير على تاركه، وهو دليل الوجوب، إلا أن وجوبه على سبيل الكفاية حتى إذا قام به البعض، سقط عن الباقين لحصول المقصود". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل في الكلام في الدفن في مواضع الخ: ۲/۲۰، رشيدية)

"دفن الميت فرض على الكفاية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۵، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

علیہ: أي على تشييعه فرض كفاية إن احتاج". درمختار: ۲/۲۰۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

## ضعیف امام کو نمازِ جنازہ کے لئے سواری میں لے جانا

سوال [۷۸۰۲]: امام صاحب ضعیف العمر ہیں، قبرستان ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے، جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے لوگ سواری میں بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ متولی صاحب کا کہنا ہے کہ امام صاحب پیدل چل کر جائیں یا اپنی طرف سے رقم خرچ کر کے جنازے کی نماز پڑھانے کے لئے جائیں۔ متولی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی صاحب کا یہ کہنا اور اصرار کرنا بالکل غلط اور بے جا ہے۔ ضعیف کی معذوری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ خاص کر امام کا (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه" (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۱/ ص: ۲۷۵، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد وحده، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحد منهم، أثم الجميع بترك الفرض، وإن أدى الكل، وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول" (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۶): ۱/۲۰۹، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين؛ لأن ما هو الفرض وهو قضاء حق الميت، يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة في: ۲/۳۲، رشيدية)

(۲) "عن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن من —

## مسبوق نمازِ جنازہ کس طرح پڑھے؟

سوال[۴۰۷۹]: ایک شخص نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد شریک ہوا ہے، اب وہ کس نوعیت سے جنازہ کی نماز پوری کرے گا؟ کیا وہ ثناء سے پڑھنا شروع کریگا اور بقیہ تکبیر کو سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسری تکبیر کہہ کر امام کیساتھ شریک ہو کر درود پڑھے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد جب امام نماز پوری کردے تو ایک تکبیر کہہ کر ثناء پڑھے، دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف۔ اگر جنازہ جلدی اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو تو صرف دو تکبیر میں نماز ختم کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

## صفوفِ جنازہ میں کونسی صف افضل ہے؟

سوال[۴۰۸۰]: نمازِ جنازہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں صفِ اول کا ثواب آخری صف والوں کو ملتا ہے اور دوسروں کی دلیل میں: "خیر الصفوف آخرها" پیش کرتے ہیں، یہ صحیح ہے

---

= وإجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم أو حامل القرآن غير الغالي فيه والجافي عنه وإكرام ذي السلطان المقسط". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، ۲/۳۱۲، امداديه)

(۱) "والمسبوق (ببعض التكبيرات لا يكبر في الحال بل ينتظر) تكبير (الإمام ليكبر معه) للافتتاح لما مر أن كل تكبيرة كركعة، والمسبوق لا يبدأ بما فاته ... ثم يكبران ما فاتهما بعد الفراغ نسقاً بلا دعاء إن خشيا رفع الميت على الأعناق". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۶، ۲۱۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۵، رشيديه)

حدیث ہے یا کسی کا مقولہ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گڑبڑ مسئلہ ہے اس سے انتشار ہوتا ہے۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

یہ مسئلہ کبیری، ص: ۵۸۸ میں بھی اس طرح ہے: "خیر صفوف الرجال فی الجنازة آخرها، وفی غیرها أولها إظهاراً للتواضع لتكون شفاعته أدعى للقبول" (۱)۔

صحیح مسائل کتابوں میں چھپے ہوئے ہیں، پڑھائے جاتے ہیں، فتاویٰ میں لکھے جاتے ہیں، زبانی بتائے جاتے ہیں، عوام میں زیادہ سے زیادہ شائع کئے جاتے ہیں، ان سے کوئی گڑبڑ نہیں، گڑبڑ کا سبب تین چیزیں ہیں: سمجھ نہ ہونا، ناقص علم ہونا، یا پھر طبیعت میں شرارت کا ہونا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جنازہ میں آخری صف افضل ہونے کی وجہ

سوال [۴۰۸۱]: جنازہ کی نماز میں سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کو فقہائے کرام نے افضل قرار دیا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ عمرو سے اور کی افضلیت کا باعث بتا رہی ہے، لیکن بکر تو قیاس تسلیم نہیں کر رہا ہے، ایسی صورت میں امام کو سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔

---

= (وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل أكيڈمی لاهور)

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه: ۵۸۸، سهيل أكيڈمی، لاهور)

"وخير صفوف الرجال أولها في غير جنازة". (الدر المختار). "(قوله: في غير جنازة) أما فيها فآخرها إظهاراً للتواضع، لأنهم شفعاء، فهو أحرى بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰-۵۶۹، سعيد كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۷، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کو مقتدیوں سے آگے ہونا منصوص ہے(۱) اور تعلیل فی مقابلۃ النص ممنوع ہے(۲)، فقہاء نے پچھلی صف کو نماز جنازہ میں جس بناء پر افضل فرمایا ہے وہ یہ نہیں جس کو سائل نے تجویز کر کے قیاس شروع کر دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: لم يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاثاً، فأقيمت الصلوة فذهب أبو بكر يتقدم، فقال نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالحجاب، فرفعه فلما وضح وجه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما نظرنا منظراً كان أعجب إلينا من وجه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين وضح لنا، فأومأ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده إلى أبي بكر أن يتقدم، وأرخى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحجاب، فلم يقدر عليه حتى مات". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة: ۹۳/۱، قديمي)

"قال: سمعت عتبان بن مالك الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه، قال: استأذن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأذنت له، فقال: "أين تحب أن أصلي من بيتك" ؟ فأشرت له إلى المكان الذي أحب، فقام وصففنا خلفه، ثم سلم وسلمنا". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إذا زار الإمام قوماً فأمهم: ۹۵/۱، قديمي)

(۲) "والقياس بمقابلة المنقول مردود". (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، تحت قوله: وقهقهة مصل بالغ: ۵۵/۱، سعيد)

"ومن شرائط صحة القياس) والثالث: أن يتعدى الحكم الشرعي الثابت بالنص بعينه إلى فرع هو نظيره، ولا نص فيه هذا الشرط واحد نسبة و جملة تفصيلاً) وقولنا: لا نص فيه؛ لأن التعليل بموافقة النص لغو للاستغناء عنه وبمخالفته مناقض له، فكان باطلاً الخ". (المغني في أصول الفقه للإمام جلال الدين عمر بن محمد الخبازي، باب القياس، شروط القياس - الثالث أن يتعدى الحكم إلى فرع، ص ۲۹۳، ۲۹۶، مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، مكة المكرمة)

## صفوفِ نمازِ جنازہ میں طاق عدد

سوال [۴۰۸۲]: ۱..... نمازِ جنازہ میں طاق عدد کا جو خیال رکھا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

۲..... پھر اس طاق عدد کو پورا کرنے کے لئے نابالغوں کی صفوں کو بھی شمار کیا جاوے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... نمازِ جنازہ میں طاق عدد کی صفوف کا لحاظ رکھا جائے، یہی شرعاً مستحب ہے(۱)۔

۲..... اس طاق عدد کے لحاظ سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۹۳ھ۔

---

(۱) "عن مرثد بن اليزني عن مالك بن هبيرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما من ميت يموت، فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين، إلا أوجب". أي استحق الجنة". (أبو داود، كتاب الجنائز، باب في الصف على الجنازة: ۲/۹۵، امداديه)

"ويستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف حتى لو كانوا سبعة، يتقدم أحدهم للإمامة، ويقف وراءه ثلاثة، ثم اثنان، ثم واحد". (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيدمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ روایت میں منجملہ صفوفِ ترتیبیہ میں سے نابالغوں کے صفوف کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

"عن عبد الرحمن بن غنم قال: قال أبو مالك الأشعري رضي الله تعالى عنه: ألا أحدثكم بصلاة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قال: فأقام الصلوة، فصف الرجال، وصف الغلمان خلفهم، ثم صلى بهم، فذكر صلاته، ثم قال: هكذا صلوة". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مقام الصبيان من الصف: ۱/۱۰۵، امداديه)

"ولو اجتمع الرجال والنساء والصبيان والخناثى والصبيات والمراهقات، فأرادوا أن يصطفوا للجماعة، يقوم الرجال صفاً مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعدهم، ثم الخناثى، ثم الإناث، ثم الصبيات المراهقات الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۳۸۴، رشيديه)

## نمازِ جنازہ کی صفوف میں فصل

سوال [۳۰۸۳]: مجمع کے رہتے ہوئے بغیر کسی عذر کے جنازہ کی نماز میں مل کر کھڑا ہونا چاہیے یا جس طرح نماز میں ایک صف کی جگہ رہتی ہے اتنی ہی جگہ چھوڑنی چاہیے؟ اگر مل کر بغیر کسی عذر کے کھڑا ہو تو کوئی خاص خرابی تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صفوفِ مطلقہ میں رکوع سجدہ ہوتا ہے، دو صفوں کے درمیان اتنی خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے کہ رکوع سجدہ سنت کے موافق ادا ہو سکے، نماز جنازہ میں اس کی ضرورت نہیں، قریب قریب صفیں ہوں تب بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/ ۷/ ۸۹ھ۔

## نمازِ جنازہ کی صفوف میں کتنی جگہ رہے؟

سوال [۳۰۸۴]: جنازہ کی نماز میں صف بندی کرنا اور مقام رکوع وسجود کے جگہ چھوڑنا کیسا ہے؟ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیا حرام ہے؟ اور جس نے ایسا کیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہاں لوگوں میں بہت تکرار ہے، کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ دیوبندی عقائد کی مسجد ہے، یہ بدعتی ہے

---

(۱) "ويصف الرجال، ثم الصبيان (ظاهره يعم العبد) (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحداً دخل الصف، ثم الخناثى، ثم النساء". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۷۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۳۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) سوال: مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے، اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس: ۵/ ۳۰۳، سوال نمبر: ۳۰۹۱، دار الاشاعت کراچی)

کا جو بھی امام سے کچھ قیل کر دیا جائے گا اور مسجد میں بریلوی مقام کے لوگ نماز نہیں پڑھ سکتے، اس بارے میں کچھ لوگ امام کے ساتھ ہیں اور کچھ مخالف ہیں۔ براہ کرم جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

نماز جنازہ میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ، لہذا صف بندی کے وقت رکوع سجدہ کی جگہ چھوڑنا بے محل ہے(۱)۔ نماز جنازہ میں میت کیلئے مستقل دعا موجود ہے، جس کے لئے نماز جنازہ مشروع ہوئی ہے کہ حمد وثنا اور درود شریف (پہلی تکبیر کے بعد) پڑھ کر میت کے لئے دعا کی جائے، سلام پھیرنے کے بعد متصلاً دعا کرنا ثابت نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ میں اس کو منع فرمایا گیا ہے، یہ مکروہ ہے(۲)۔ جو شخص مسجد میں نماز کے لئے آئے اور سنت کے موافق نماز پڑھے، خلاف سنت امور نہ پھیلائے، جھگڑا نہ کرے، لڑائی نہ کرے، اس کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے، خواہ دیوبندیوں کی مسجد ہو خواہ بریلویوں کی(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱/۹۳ھ۔

---

(۱) **السوال:** "مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے، اس کی کیا اصل ہے؟"

**الجواب:** اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس: نماز جنازہ (سوال نمبر: ۲۸۱۷): ۵/۲۰۳، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "لا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة" (خلاصة الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیه کوئٹه)

"ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة، لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنائز، الخامس والعشرون في الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/۸۰، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾. (سورة البقرة: ۱۱۴)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: أن قريشاً منعوا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الصلاة =

## صفوفِ جنازہ میں بچوں کی صف

سوال [۴۰۸۵]: اگر بالغ مردوں کی آخری صف کو پورا کرنے کے لئے بچوں کو دونوں کناروں سے کھڑا کر لیا جائے تو کیا حکم ہے؟ ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی کیا ضرورت ہے، ان کی صف مستقل بنادی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۲ھ۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ

سوال [۴۰۸۶]: رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کس نے پڑھائی ہے؟ جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔

---

= عند الكعبة في المسجد الحرام، قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله﴾. (تفسير ابن كثير: ۱/۲۵۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) نماز جنازہ میں تعددِ صفوف مطلوب ہے، لہٰذا اگر ایک بچہ ہے تو بڑوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی بھی گنجائش ہے: "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مر بقبر دفن ليلاً، فقال: "متى دفن هذا؟" فقالوا: البارحة، قال: "أفلا آذنتموني؟" قالوا: دفناه في ظلمة الليل، فكرهنا أن نوقظك، فقام فصففنا خلفه - قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: وأنا فيهم - فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب صفوف الصبيان مع الرجال على الجنائز: ۱/۱۷۶، قديمي)

"خير صفوف الرجال أولها في غير الجنازة". (الدر المختار) "(قوله: في غير الجنازة) أما فيها، فآخرها إظهاراً للتواضع؛ لأنهم شفعاء، فهو أحرى بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۹، سعيد)

"وفي القنية: أفضل صفوف الرجل في الجنازة آخرها، وفي غيرها أولها إظهاراً للتواضع لتكون شفاعته أدعى للقبول، انتهى". (الحلبي الكبير، كتاب الجنائز، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں امام کوئی نہیں تھا، بلا امام ہی لوگ آتے رہے نماز پڑھتے رہے، یہی وصیت تھی، اتحاف السادۃ المتقین: ۱۰/۳۰۲(۱) فتح الباری (۲) عمدۃ القاری (۳) وغیرہ میں روایات موجود ہیں۔ باب وفات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستقلاً کتب حدیث میں منعقد کیا جاتا ہے، اس کے ذیل میں شراح حضرات تفصیل سے ایک ایک چیز کے متعلق روایات نقل فرماتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۴۰۹ھ۔

---

(۱) "وعن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نعی لنا نبینا و حبیبنا نفسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم . . . قلنا: فمتی الأجل قال: "دنا الأجل، والمنقلب إلی اللہ، وإلی السدرة المنتهی، وإلی جنة المأوی، وإلی الكأس، و الأوفی، والرفيق الأعلی، والعيش الأهنأ". قلنا: فمن يغسلك؟ قال: "رجال من أهل بيتي الأدنی فالأدنی". قلنا: ففيما نكفنك؟ قال: "في ثيابي هذه أو في بياض مصر أو حلة يمانية" قلنا: فمن يصلي عليك؟ قال: فبكی وبكينا، فقال: "مهلاً غفر اللہ لكم و جزاكم عن نبيكم خيراً، إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني علی سريري في بيتي هذا علی شفير قبري هذا، ثم اخرجوا عني ساعة، فأول من يصلي علیّ خليلي و جليسي جبريل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملك الموت و جنوده من الملائكة بأجمعها، ثم ادخلوا علیّ فوجاً فوجاً، فصلوا علیّ، وسلموا تسليماً، ولا تؤذوني بتزكية و لا بصيحة ولا رنة وليبدأ بالصلاة علیّ رجال أهل بيتي و نساؤهم، ثم أنتم بعد". الحديث. (مختصر اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تاليف أبي العباس أحمد بن أبي بكر الشهير بالبوصيري، باب في مرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ: ۹/۱۳۵، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا في إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب ذكر الموت وما بعده، الباب الرابع في وفاة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ: ۱۳۶/۱۴، ۱۳۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (فتح الباري،

(۳) (عمدة القاري،

## جنازۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی کیفیت

سوال[۴۰۹۷]: حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جب تم مجھ کو نہلا کر کفنا دو تو چارپائی میرے اس حجرے میں قبر کے کنارے پر رکھ کر ذرا ایک ساعت کے لئے باہر چلے جانا کہ اول جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا پروردگار جل شانہ ہے کہ وہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں"(۱)۔(از مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم الدین، جلد چہارم باب اہم موت کے ذکر میں مرتب الوفات ص:۸۷۴ سے ۸۷۵، مترجم مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی)

مندرجہ بالا عبارت یہاں مستقل فتنہ کا سبب بنی ہوئی ہے جس میں صراحۃً مذکور ہے "اول جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا پروردگار جل شانہ ہے"۔ کیا واقعی معبود حقیقی نے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز پڑھی ہے جبکہ سب بندے، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس (اللہ تعالیٰ) کی نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی اس کی نماز پڑھی جاتی ہے؟ نیز اللہ رب العزت اور فرشتوں کی نماز کیلئے سب کو باہر جانا کیا ضروری ہے وہ تو غیر محسوس اور غیر مرئی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رہتے ہوئے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

اصل عبارت ملاحظہ فرما کر واضح فرمائیں کیا یہ ترجمہ صحیح ہے یا مصنف کا یہی مطلب ہے تو نوازش ہوگی اگر جواب میں اصل عبارت تحریر فرمائیں کیونکہ ہمارے پاس اصل کتاب نہیں صرف اس کا ترجمہ ہے۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

طبقات ابن سعد میں روایت ہے، واقدی راوی ہیں اور ضعیف ہیں، نیز مرسل ہے، علامہ عراقی نے تخریج میں یہی فرمایا ہے، کما فی هامش إحياء العلوم ص: ۴۰۰ (۲)۔ یہاں الفاظ یہ ہیں

"إذا غسلتموني وكفنتموني فضعوني على سريري في بيتي هذا على شفير قبري، ثم

---

(۱) "أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى، باب ذكر الصلوة على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ۲/۲۵۶، ۲۵۷، دار صادر بيروت)

(۲) (مذاق العارفين ترجمة إحياء علوم الدين مترجم مولانا محمد حسن نانوتوی: ۴/۰۰، باب موت در بعد موت، اصل چہارم، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی وفات کا ذکر ۴/۶۱۰، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)

## جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز

سوال [۵۰۸۸]: اگر بحکم رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نائب رسول تھے تو بعد رسول ساری ذمہ داریاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد تھیں۔ یہاں تک کہ نماز وغیرہ۔ پھر جنازۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سب نے الگ الگ کیوں پڑھی؟ حالانکہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا کام یہ تھا کہ رسول کے جنازہ کی نماز باجماعت پڑھائیں اور دفن کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کا ولی اگر نماز جنازہ پڑھ لے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں رہتا کہ اس جنازے کی نماز پڑھے (۱)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اول ہی جماعت سے نماز پڑھا دیتے تو بے شمار صحابہ کرام اس سعادت سے محروم رہ جاتے، اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جنازۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے آدمی تھے؟

سوال [۵۰۸۹]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز میں کتنے اشخاص شریک ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازۂ مقدسہ کی نماز اگر جماعت کے ساتھ یک وقت ہوتی تو ممکن تھا کہ شرکت کرنے والوں کا تخمینہ

---

= الرب الرحمة، وصلاة الملائكة الاستغفار" (جامع الترمذي، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

والتفصيل في: (ابن كثير ۳/۱۰۶، دار سهيل اكيدمي لاهور)

(۱) "وإن صلى هو (أي الولي الحق) بأن لم يحضر من يقدم عليه (لا يصلي غيره بعده)" (الدر المختار: ۲/۲۲۳، كتاب الصلاة، باب الجنازة).

"وإن صلى عليه الولي لم يجز لأحد أن يصلي بعده". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۶۴، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون، الفصل الخامس، رشيديه)

کرلیا جاتا، مگر وہاں تو بغیر امام کے ہی لوگ آ کر نماز پڑھتے رہے جن کی کوئی تعداد نہیں بتائی جاسکتی، نماز کی یہ صورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجویز سے تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تاخیر کی وجہ

سوال [۳۰۱۰]: جنازہ کے بعد دعاء کے لئے ایک منٹ کا ٹھہرنا بھی جناب نے خلاصۃ الفتاویٰ کی

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: لما مات رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أدخل الرجال، فصلوا علیه بغیر إمام أرسالاً حتی فرغوا، ثم أدخلوا النساء فصلین علیه، ثم أدخل الصبيان فصلوا علیه، ثم أدخل العبید فصلوا علیه أرسالاً، لم يؤمهم علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أحد".

"قال: حدثنا الواقدي ... عن أبیه عن جده: لما أدرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في أكفانه، وضع علی سریره، ثم وضع علی شفیر حجرته، ثم كان الناس یدخلون علیه رفقاً رفقاً، لا یؤمهم أحد". قال الواقدي: ...... وجدت صحیفة كتاباً بخط أبي، فیه أنه لما توفي رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ووضع علی سریره، دخل أبو بكر و عمر و معهما نفر من المهاجرین والأنصار قدر ما یسع البیت، وقالا: السلام علیك أیها النبي و رحمة الله و بركاته، وسلم المهاجرون والأنصار كما سلم أبو بكر، ثم صفوا صفوفاً لا یؤمهم علیه أحد، فقال أبوبكر و عمر رضي الله تعالیٰ عنهما -وهما في الصف الأول، حیال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم-: اللّٰهم إنا نشهد إن قد بلغ ما أنزل إلیه، ونصح لأمته، وجاهد في سبیل الله ... فیخرجون و یدخل آخرون، حتی صلی علیه الرجال، ثم النساء، ثم الصبیان". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشریعة للبیهقي، باب ما جاء في الصلاة علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۴/۲۵۰، ۲۵۱، دار الكتب العلمیة بیروت)

(وكذا في البدایة والنهایة للحافظ ابن كثیر، فصل، ذكر الوقت الذي توفي فیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ، كیفیة الصلاة علیه: ۵/۲۶۵، دار الفكر، بیروت)

عبارت: "ولا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة" (۱) کی رو سے ممنوع بتایا ہے، مگر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے بعد جنازہ ٹھہرایا گیا ہے اور دیر تک نماز جنازہ و دعاء کی بے برابر پڑھی گئی ہے اور حدیث میں: "اسرعوا بالجنازة" (۲) نماز جنازہ کے بعد ٹھہرنے کے لئے منع ہوتی ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہرگز نماز جنازہ کے بعد دیر تک نماز جنازہ کو روک نہ رکھتے۔ لہذا اس کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمایئے۔ نیز یہ تحریر فرمایئے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح کیوں نہیں ہے، اگر حدیث صریح ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی:

"أخرج ابن سعد (۳) وابن منيع والحاكم والبيهقي والطبراني في الأوسط عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: لما ثقل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قلنا: من يغسلك يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قال: "رجال من أهل بيتي الأدنى فالأدنى مع ملائكة كثيرة يرونكم من حيث لا ترونهم" قلنا: من يصلي عليك؟ قال: "إذا غسلتموني وكفنتموني فضعوني على سريري هذا على شفير قبري، ثم اخرجوا عني ساعة، فإن أول من يصلي علي جبرئيل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملك الموت مع جنود من الملائكة، ثم ليصل علي أهل بيتي، ثم ادخلوا علي أفواجاً وفرادى". قلنا: فمن يدخلك قبرك؟ قال: "أهلي مع ملائكة كثير من

---

(۱) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيدية)

(۲) والحديث بتمامه: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها، وإن تك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة: ۱/۱۷۶، قديمي)

(۳) (أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى، باب ذكر الصلوة على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۲۵۶، ۲۹۹، دار صادر، بيروت)

فتح الباری میں لکھا ہے کہ "ابوطالب کے مرنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، آپ کا گمراہ چچا مر گیا تو آپ نے فرمایا: "جا، اسے دبا دے" انہوں نے عرض کیا کہ وہ مشرک مرا ہے، آپ نے پھر بھی فرمایا: "جا، اسے دبا دے"(۱) اور اسی سال میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وقت تک صلوٰۃ جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی، کذا فی "الطحطاوی"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

= على ملة عبد المطلب، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لأستغفرن لك ما لم أنه عنه" فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾. (سورة التوبة: ۱۱۳) ونزلت: ﴿إنك لا تهدي من أحببت﴾. (سورة القصص: آيت: ۵۶)

(صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب: ۱/۵۴۸، قديمي)

(۱) "وابن الجارود من حديث علي رضي الله تعالى عنه، قال: لما مات أبو طالب قلت: يا رسول الله! إن عمك الشيخ الضال قد مات، قال: اذهب فواره". قلت: إنه مات مشركاً، فقال: "اذهب فواره"، الحديث". (فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب: ۷/۲۴۳، قديمي)

(ورواه أبو داؤد في سننه في كتاب الجنائز، باب الرجل يموت له قرابة مشرك: ۲/۱۰۳، إمدادية)

(ورواه النسائي في سننه في كتاب الجنائز، باب مواراة المشرك: ۱/۲۸۴، قديمي)

وانظر للتفصيل: (السيرة النبوية لابن هشام، وفاة أبي طالب وخديجة رضي الله تعالى عنها: ۲/۵۷، ۵۸، مصطفى البابي الحلبي، بمصر)

(۲) "قال الواقدي: لم تكن شرعت يوم موت خديجة رضي الله تعالى عنها، وموتها بعد النبوة بعشر سنين على الأصح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمي)

"عن ابن إسحاق قال: ثم إن خديجة بنت خويلد رضي الله تعالى عنها وأبا طالب ماتا في عام واحد، فتتابعت على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المصائب بهلاك خديجة وأبي طالب، وكانت خديجة وزيرة صدق على الإسلام كان يسكن إليها، قلت: بلغني أن موت خديجة كان بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام، والله أعلم".

"قال الدكتور عبد المعطي قلعجي محقق هذا الحديث: "روي عن حكيم بن حزام أنها=

## مقروض کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۰۰۲]: نماز جنازہ کن کن مسلمانوں کی نہیں پڑھنی چاہیے؟ ایک حافظِ قرآن جو کہ علم قرآن کے سوا اور کچھ نہیں جانتے ہیں، انہوں نے ایک حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو ایک جنازہ آیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ قرضدار ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور آج مولوی صاحبان ہر کس و ناکس کی نماز جنازہ پڑھادیتے ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ قرضدار کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے؟ اور اگر یہ بات غلط ہے تو حافظ صاحب قصور کے لئے کیا حکم ہے، ان کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متعدد چیزوں کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے (۱)۔ آنحضرت صلی

---

— وماتت بمكة قبل الهجرة بخمس سنين، وقيل: بأربع سنين، وقيل: بثلث. وكان قد مضى من النبوة عشر سنين. وكان لها من العمر خمس وستون سنة". (الإكمال في أسماء الرجال لصاحب مشكوة المصابيح شيخ ولي الدين الخطيب الملحق بمشكوة المصابيح، فصل في الصحابيات، تحت حرف الخاء، ص: ۵۹۳، قديمي)

قال الإمام البيهقي رحمه الله تعالى: "عن ابن إسحاق قال: ثم إن خديجة بنت خويلد رضي الله تعالى عنها وأبا طالب ماتا في عام واحد، فتتابعت على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المصائب بهلاك خديجة وأبي طالب، وكانت خديجة وزيرة صدق على الإسلام، كان يسكن إليها. قلت: وبلغني أن موت خديجة كان بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام، والله أعلم". (دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب وفاة خديجة بنت خويلد زوج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رضي عنها، وما في أخبار جبريل عليه السلام بيادها بما بشره به من الأبيات: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) فقہاء کرام نے مجرمین کے لئے [illegible] نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا ہے:

"وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: بغاة وقطاع الطريق، فلا يغسلوا ولا يصلى عليهم (إذا قتلوا في الحرب) وكذا أهل عصبة (لا) يصلى على (قاتل أحد أبويه) إهانة له". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، سعيد) —

## بے نمازی کے جنازہ کی نماز

سوال [۳۰۹۲]: جس نے اپنی تمام عمر میں نماز نہ پڑھی ہو یا صرف جمعہ کی نماز پڑھتا ہو اس کی جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے مسلمان کے جنازہ کی نماز ضرور پڑھنی چاہئے، ہاں! اگر کوئی مقتدیٰ اور بڑا آدمی اس وجہ سے اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھے کہ بے نمازوں کو عبرت ہوگی تو مضائقہ نہیں، ایسی صورت میں اور لوگ اس کی نماز پڑھ کر باقاعدہ دفن کردیں۔ "وهي فرض على كل مسلم مات خلا بغاة وقطاع الطريق إذا قتلوا في الحرب" (۱)۔

---

= وآدابها، (رقم الحديث: ۱۶۸۱۴): ۶/۵۳، مكتبة الإسلامي، بيروت)

وأخرجه أبو داود في سننه بلفظ: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً ... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر"۔ (كتاب الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

(۱) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً ... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر"۔ (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم، الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

## ایضاً

سوال[۴۰۹۵]: بعض مسلمان ایسے ہوتے ہیں کہ انہوں نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی، اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے، اگر کوئی مقتدیٰ اس میں شرکت سے انکار کردے تو درست ہے، جس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور نماز کی پابندی کرنے لگیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

## تارکِ نماز کا جنازہ اور اس پر جرمانہ

سوال[۴۰۹۶]: ۱... ایک مسلمان نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی حتی کہ جمعہ اور عیدین کی بھی نہیں پڑھی اور شرابی بھی ہے، اور نماز خود بھی نہ پڑھے اور دوسروں کو بھی منع کرے، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

۲... جب کہ آج کل مسلمان حاکم نہیں ہیں تو ایسے شخص کو جماعت مسلمین شرعی سزا دے سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا ... والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۳، امدادیہ)

"وهكذا كل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيرا كان أو كبيرا، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، إلا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۳، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص بہت بڑا مجرم ہے (۱) اور سخت گنہگار ہے اس کے باوجود اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں سنت کے موافق دفن کیا جائے گا: "صلوا علی کل بر و فاجر". الحدیث۔ ابوداؤد شریف (۲)۔

جماعتِ مسلمین ترکِ تعلق کی سزا دے سکتی ہے (۳) وہ بھی حدودِ شرع کے اندر، مالی جرمانہ اس کو بھی

---

(۱) "عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالى عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق الاسم الكفر على من ترك الصلوة: ۱/۶۱، قديمي)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ في سنن أبي داؤد، ولكن أخرجه أبو داؤد في سننه بلفظ: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً ... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۳، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم" الخ. (كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۳، رشيديه)

"وهي فرض على كل مسلم مات، خلا بغاة وقطاع الطريق إذا قتلوا في الحرب".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، يلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۸۹۷، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت هذا الحديث: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على —

حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۲/۸۹ھ۔

## بے نمازی کے جنازہ کو بطورِ سزا تین جھٹکے دینا

سوال[۴۰۹۷]: زید نے اپنی زندگی میں کبھی نماز نہیں پڑھی، صرف عیدین کی پڑھتا تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سب نمازی اس کی میت کو تین جھٹکے دیں تب نماز پڑھیں ورنہ سب گناہگار ہوں گے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فرض عین ہے، عمر بھر اس کو ادا نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے اور سخت محرومی ہے (۲)۔ اللہ پاک معاف

---

= أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك ..... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۰۲۷: ۸/۷۵۸، رشيدية)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر: ۲۲/۱۳۴، خيرية بيروت)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۱/۲۵۵، قديمي)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي ..... والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۳۷۱، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق الكفر على من ترك الصلاة: ۱/۶۱، قديمي)

"عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: =

فرمائے۔ نماز جنازہ اس پر بھی لازم ہے، تین سمجھنے کی وجہ شرعاً ثابت نہیں، پرلے درجہ کی جہالت ہے، بغیر غسل دیئے اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا جائے، بغیر نماز جنازہ دفن کرنا سخت گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۳/۷/۸۹ھ۔

## فاسق وفاجر کی نماز جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے

سوال[۴۹۹۰]: {ولا تصل على أحد منهم مات أبدا ولا تقم على قبره}

(سورۂ توبہ پ:۱۰)۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھا ہے(۲)

---

= "إن العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر" (جامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلوة: ۲/۹۰، سعيد)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا والصلوة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر" (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۳، امدادیه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيرا كان أو كبيرا، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، إلا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

"وهي فرض على كل مسلم خلا أربعة: بغاة وقطاع طريق الخ" (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

(۲) سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ۸۴

(۳) راجع ص: ۱۶۴، رقم الحاشیہ: ۱

کہ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ فساق وفجار اور مشہور بالفسق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ عبارت ضمیمہ تفہیم القرآن کی تو نہیں لیکن اس کا مفہوم یہی ہے، اس تفسیر کو لے کر ہماری بستی میں کچھ لوگوں نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھے گا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور قبر کھودنے والوں پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ جو قبر کھودے گا اس پر پچیس روپے جرمانہ عائد ہوگا۔

ہماری بستی میں ایک عالم صاحب ہیں، یہ سب باتیں ان کی عدم موجودگی میں ہو گئیں۔ کچھ دن بعد جب وہ گھر پر آئے تو انھیں یہ بات معلوم ہوئی، انھوں نے مودودی صاحب کی تفسیر کو دیکھا اور اپنی تقریر میں بیان کیا کہ یہ مودودی صاحب کی زیادتی ہے، یہ آیت کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ فساق وفجار کے بارے میں، مودودی صاحب نے تفسیر بالرائے کی ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہے، نیز انھوں نے کہا کہ ان کی تفسیر کے مطابق خود مودودی صاحب اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے کیونکہ فاسق گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کہتے ہیں تو مودودی صاحب ان چیزوں میں اتنے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے تھے کہ ان کو خود بھی پتہ نہیں ہوگا۔ نیز مودودی صاحب کی داڑھی بھی شریعت سے کم ہے اور وہ کھلم کھلا داڑھی کٹاتے ہیں یہ بھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور مشہور بالفسق ہیں، لہذا ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

عالم صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ بے نمازی کے جنازہ کی نماز کا نہ پڑھنا – اگرچہ پوری زندگی میں کبھی نماز نہ پڑھی ہو – بالکل حرام ہے، اور اگر کسی نے نہیں پڑھی اور بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو سارے لوگ بستی کے گنہگار ہوں گے، لہذا اس زیادتی سے آپ لوگ باز آئیں، بہرحال کچھ دنوں تک بات رک گئی، پھر عالم صاحب اپنی مدرسہ میں چلے گئے، پھر جب وہ آئے تو بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ بات تو معقول ہے، اب کوئی ترکیب نکالی جائے تو لوگوں نے بہانہ کر کے تجویز کیا کہ ہم لوگوں نے صرف لوگوں کو دھمکانے کے لئے ایسا کیا تھا، اس پر عالم صاحب کھڑے ہوئے، کہا کہ اس نیت سے بھی ایسا کرنا جائز ہے؟ چونکہ آپ لوگ ایک ادارے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا نام مدرسہ ہے، دوسری بستیاں اقتدا کرتی ہیں اس لئے ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ اس کو حقیقت پر محمول کر کے بلا نماز جنازہ کے کسی مسلمان کو دفن کر دیں جو بالکل ناجائز و حرام ہے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا کہ پھر کونسی شکل تنبیہ کے لئے اختیار کی جائے؟ عالم صاحب نے کہا کہ بے نماز اپنی اولاد پر سختی کریں، نماز پڑھائیں اگر نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کو تنبیہ کریں، دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے

کیسے ہی تقلید کرتے ہیں، مودودی صاحب نے اس آیت سے جو مسئلہ استنباط کر کے لکھا ہے وہ یہ ہے:

"اس سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ فساق اور فجار اور مشہور بالفسق لوگوں کی نماز جنازہ مسلمانوں کے امام اور سربرآوردہ لوگوں کو نہ پڑھانی چاہئے"۔ تفہیم القرآن: ۲۲۶/۲ (۱)۔

مودودی صاحب کا ایسا کلیہ استنباط کرنا بھی غلط اور نصوص کے خلاف ہے (۲) اور ان کے معتقدین کا ایسا سمجھنا کہ بالکل نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور بلا نماز ہی ان کو دفن کر دیا جائے، نہ سربرآوردہ پڑھے نہ کوئی اور پڑھے، یہ بھی غلط (۳) اور اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے۔

۴۔۔۔ جب کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے تو اس کی دھمکی بھی غلط ہے اور جہاں اس غلطی میں مبتلا ہو کر بے نماز ہی جنازہ دفن کر دینے کا احتمال اور مظنہ ہو اور لوگ اقتداءً ایسا کرنے پر آمادہ ہوں اور قبر کھودنے والے پر جرمانہ تجویز کیا جائے جس سے یہ بھی احتمال ہو کہ مردہ دفن نہ کیا جائے ویسے ہی پڑا ہوا سڑتا رہے جیسے مرا ہوا کتا، گدھا پڑا ہوتا ہے تو ہرگز ایسی دھمکی اور اعلان کی بھی اجازت نہیں (۴)۔

---

(۱) (تفهيم القرآن لأبي الأعلى المودودي، سورة التوبة، پ: ۱۰، آيت: ۸۴، ۲/۲۲۰، مكتبة تعمير انسانيت لاهور)

مودودیت کی وضاحت مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (مودودی صاحب اور تخریب اسلام، حسن الفتاوی، کتاب الایمان والعقائد: ۱/ ۲۷۵، سعید کراچی)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدکار عورت کی نماز جنازہ پڑھائی ہے اور مرتکب کبیرہ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها وولدها" رواه الطبراني في الكبير" (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله: ۳/ ۱۲۰، دار الفكر، بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجراً والصلوة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور: ۱/ ۳۵۰، امدادیہ)

(۳) (راجع ص: ۶۱۹، رقم الحاشية: ۱)

(۴) ایسی دھمکی کی وجہ سے نماز جنازہ ترک ہوگا اور اس کے ترک کرنے میں انسان کی بے توقیری کے ساتھ ساتھ ترک فرض کفایہ بھی ہے جس سے سارے مسلمان گناہ گار ہو جائیں گے۔ (راجع للتخريج، ص: ۶۲۰، رقم الحاشية: ۱)

"وفي نهاية ابن الأثير (١): العصبية والتعصب المحاماة والمدافعة، والعصبي من يعين قومه على الظلم، والذي يغضب لعصبيته، منه الحديث: "ليس منا من دعا إلى عصبية أو قاتل عصبية" قال في شرح درر البحار: وفي الموزون: وجعل مشايخنا المتلونين في العصبة في حكم أهل البغي على هذا التفصيل". رد المحتار: ٢/٢١٣ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۲ھ۔

## قاتل پر نمازِ جنازہ

سوال [۴۰۰۰]: ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کردیا تو اس کو حکومت کی جانب سے پھانسی کا حکم ہوگیا، اس کے جنازے کی نماز کا کیا حکم ہے؟

ظہیر الدین، کھاٹا پار، مظفر نگر۔

---

(١) (النهاية لابن الأثير، باب العين مع الصاد، تحت لفظ "عصب": ٣/٢٤٦، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢١٣، سعيد)

"عن بنت واثلة بن الأسقع أنها سمعت أباها يقول: قلت: يا رسول الله! ما العصبية؟ قال: "أن تعين قومك على الظلم".

"عن جبير بن مطعم رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل عصبية، وليس منا من مات على عصبية" (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في العصبية: ٢/٣٤١، امدادية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ٢/٣٥٠، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ١/٥٩٥، دار الكتب العلمية بيروت)

تنبیہ: عصبیت پر مرجانا اگرچہ معصیت بڑا ہے لیکن ایسے شخص پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ اگر مقتدا اپنی قوم کے ہوں نہ پڑھیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو، كما تقدم تخريجه تحت عنوان: "قاتل وڈاکو کی نمازِ جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ سخت گنہگار ہے لیکن نماز جنازہ ضرور پڑھی جائے (۱)۔ فقط۔

## والدین کے قاتل پر نماز جنازہ

سوال [۴۱۰]: والدین کے قاتل پر یا ان میں سے کسی ایک کے قاتل پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے، حوالہ جات: تنویر الابصار (۲)، در مختار (۳)، مراقی الفلاح (۴)، شامی (۵)

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً ... والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۳، امدادیہ)

"قال الزيلعي: وأما إذا قتلوا بعد ثبوت يد الإمام عليهم، فإنهم يغسلون ويصلى عليهم، وهذا تفصيل حسن أخذ به كبار المشايخ؛ لأن قتل قطاع الطريق في هذه الحالة حد أو قصاص، ومن قتل بذلك يغسل ويصلى عليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

"قال: (لا لبغي وقطع طريق) ... وقيل: هذا إذا قتل في حالة المحاربة قبل أن تضع الحرب أوزارها، وأما إذا قتلا بعد ثبوت يد الإمام عليهما فإنهما يغسلان ويصلى عليهما، وهذا تفصيل حسن أخذه الكبار من المشايخ، والمعنى فيه أن قتل قاطع الطريق في هذه الحالة حد أو قصاص، وقد تقدم أنه يغسل ويصلى عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۵۹۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۳۴۹، ۳۵۰، رشيدية)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۱، سعيد)

(۳) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

(۴) "ولا يصلى على قاتل أحد أبويه عمداً ظلماً إهانة له". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۶۰۲، قديمي)

(۵) (رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

فتاوی قاضی خان (۱) اور کبیری: ص: ۵۹۴ (۲) کیا یہ درست ہے؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

درمختار میں ہے: "لا یصلی علی قاتل أحد أبویه إهانة له، وألحقه في النهر بالبغاة"۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے: "الظاهر أن المراد أنه لا یصلی علیه إذا قتله الإمام قصاصاً، أما لو مات حتف أنفه یصلی علیه" (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ

سوال [illegible]: اگر کسی مسلمان نے خودکشی کرلی ہے تو اس کو عام مسلمانوں کی طرح غسل اور کفن دفن کرسکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جملہ امور تجہیز وتکفین موافق سنت ادا کئے جائیں گے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، اسی پر مجمع الانہر میں فتویٰ نقل کیا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (لم أجده في فتاوی قاضیخان)

(۲) اور "کبیری" سے مراد غالباً جناب اخانی مولوی عبدالحئی صاحب کی کتاب "اصلاح" ہے جس کا ایک باب جنازہ اور اس کے متعلقات میں ہے۔ (کذا فی الاصل)

(۳) (رد المحتار علی الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعید)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أو فاجراً، والصلاة واجبة علی کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبي داؤد، کتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، مکتبه ...)

(۴) "ویصلی علی قاتل نفسه عمداً، به یفتی". (مجمع الأنهر المعروف بالدر المنتقی في شرح ...

## ایضاً

سوال [۴۰۰۳]: اگر کوئی مسلمان خودکشی کرکے مرجائے تو اس کا جنازہ ہوگا یا نہیں، اگر خودکشی کرنے والا نابالغ ہو تو کیا حکم ہے اور بالغ ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خودکشی خواہ کسی طریقے پر ہو حرام اور کبیرہ گناہ ہے، تاہم خودکشی کرنے والے مسلمان کو بھی شرعی طریقے پر غسل دے کر کفن پہنایا جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر مسلم قبرستان میں ہی دفن کیا جائے، بالغ ہو یا نابالغ غسل کفن نماز جنازہ دفن سب شرعی طور پر لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۱۴۰۰ھ۔

## کنویں میں گر کر مرنے والے کی نماز جنازہ اور بخشش

سوال [۴۰۰۴]: ایک آدمی کنویں میں گر کر مرگیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ بخشش ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خودکشی کرے، خواہ ڈوب کر یا کسی اور طریق سے، اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور دعا کی جائے کہ خداوند تعالیٰ اس کے جرم عظیم کو معاف فرمائے۔ فقط۔ لما في الملتقى مع شرحه للحصكفي: "من قتل نفسه ولو عمداً يغسل ويصلى عليه، به يفتي"(۱)۔ واللہ اعلم

---

= الملتقى للعلامة الحصكفي، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۸۱/۱، غفاريه كوئٹه)

"من قتل نفسه ولو عمداً يغسل ويصلى عليه، به يفتي، وإن كان أعظم وزراً من قاتل غيره".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۱/۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۵۹۹/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۳/۱، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ")

ورأی فی قاتل غیرہ، نعم" الدر المختار: ۱/۵۸۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## پانی میں ڈوبنے کے کئی روز بعد متعفن لاش ملی، اس پر نمازِ جنازہ کا حکم

سوال [۳۱۰۱]: ایک عورت پانی میں ڈوب گئی، دریا زیادہ پانی ہونے کے سبب کافی کوشش کے کرنے باوجود نعش نہ ملی، چار روز بعد جب نعش اوپر آئی تو جانوروں نے اس کو خراب کیا اور تعفن اس قدر پیدا ہوا کہ اس کی تجہیز وتکفین دستورِ شرع کے مطابق نہ ہوسکی، اس کو بدقسمت قوم وہاں سے بگی (تانگہ) میں اٹھا کر دفن کی جگہ تک پہنچایا گیا، جبکہ میت خراب ومتعفن ہوچکا تھا، اس حالت میں نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس قسم کی میت کی نمازِ جنازہ پڑھنی ضروری ہے یا نہیں؟ ایک فریق نے یہ کہا کہ بگی میں نماز پڑھا دو، دوسرے فریق نے اعتراض کیا کہ نماز بگی میں رکھی ہوئے میت کی نہیں ہوتی، کیونکہ بگی سواری ہے اور غیر معتبر ہے، زمین پر یا چارپائی پر اتارلو یا قبر میں اتار دو، لہٰذا اس کے بعد نماز ادا کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا کچھ حصہ پانی کے جانوروں نے کھا کر خراب کردیا ہو، لیکن نصف یا اکثر حصہ موجود ہو تو اس پر پانی بہا کر کفن پہنا کر نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے بلکہ تخت یا چارپائی جن پر رکھی ہو ایسی حالت میں ممکن ہو تو نمازِ جنازہ

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۱۱، سعید)

"ومن قتل نفسه عمدا يصلى عليه عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وهو الأصح؛ لأنه فاسق غير ساع في الأرض بالفساد وإن كان باغياً على نفسه كسائر فساق المسلمين". والله تعالى

(تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۵۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيدية)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عمداً خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، لہٰذا اگر عورت ڈوب کر یا ارادۃً ڈوب کر خودکشی کی صورت بن گئی تو اس پر بطریقِ اولیٰ نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

### ایضاً

سوال [۷۰۱۴]: کسی انقلاب کی وجہ سے مسلمان کی بالغ لڑکی کافر کے ہاتھ میں قید ہوگئی ہے، یہاں تک مسلم عورت سے کافر کے بچے تولد ہوئے، پھر بفضلِ خداوند تعالیٰ لم یزل کافر کی قید سے چھوٹ گئی اور وہ بچے جو کافر کے نطفے سے تولد ہوئے اسی عورت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آ گئے۔ چونکہ وہ بچے اب تک نابالغ ہیں اس لئے یہ امر دریافت طلب ہے کہ وہ بچے ماں کے تابع ہوکر مسلمان ہو جائیں گے یا نہیں؟ اگر وہ بچے مرجائیں تو صلوۃ جنازہ ان پر پڑھی جائے گی یا نہیں اور بچوں کی حفاظت اور نان نفقہ ان کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں، یا اور دیگر مسلمانوں پر بھی ضروری ہے، یا ان بچوں کو کافر کے زنا ہونے کی وجہ سے تحقیراً قتل کر دیا جائے؟ اگر ماں کا ورثہ مال ہو اس میں وہ بچے میراث کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ نیز بتلائے کہ عام ولد الزنا جو کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوں ان کے کیا احکام ہیں، آیا ان کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے یا ان کی پرورش ضروری ہے اور وہ عورت مسلمہ جس کو کافروں نے زبردستی سے لے جا کر مدتوں اپنے پاس رکھا اور زنا کیا اس کا کیا حکم ہے، آیا مسلمانوں کے ساتھ اس کا ازدواجی تعلق پیدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

وہ بچے مسلمان ہیں، ان پر صلوۃ جنازہ پڑھی جائے گی، اگر بڑے ہوکر کفر اختیار نہ کریں (۱) نعوذ باللہ۔ ماں کے ذمہ حفاظت اور پرورش ضروری ہے (۲) ان بچوں کو قتل کرنا حرام ہے (۳)۔ ماں کے مرنے پر وہ

---

= الجنائز، فصل وأما بيان من يصلى عليه، ۲/۴۶، رشيديه)

"لقوله صلى الله عليه وسلم: "صلوا على كل بر وفاجر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۸۰، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۱) (راجع ص: ۶۳۱، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع ص: ۶۳۲، رقم الحاشية: ۱)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق، ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً ...

## کنواری کے بچہ پر نماز جنازہ

سوال [۴۱۰۸]: ایک بغیر شوہر والی عورت کنواری کے بچہ پیدا ہوا اور امام مسجد نے اس بچہ کی نماز نہیں پڑھائی اور اس بچہ کو اسی طرح سے دفن کردیا گیا۔ یہ ٹھیک ہوا کہ نہیں اور امام صاحب کی بابت کیا حکم ہے؟

محمد بشیر احمد، ضلع اناؤ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس کو بلا نماز دفن کردینا چاہئے اور اگر زندہ پیدا ہوا تھا تو اس کے جنازہ کی نماز ضروری ہے(۱)، اگر امام صاحب کو مسئلہ معلوم نہیں تھا یا اسی طرح معلوم تھا جس طرح کیا تو وہ ایک درجہ میں

---

(۱) صورتِ مذکورہ میں اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا بھی مکروہ نہیں بلکہ فرض کفایہ تھی، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے آخری جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذاتِ خود ولد الزنا کی نماز جنازہ پڑھائی تھی:

"عن عمرو بن يحيى رضي الله تعالیٰ عنه قال: صلى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم على ولد الزنا وأمه ماتت في نفاسها". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز، باب الصلاة على ولد الزنا والمرجوم، (رقم الحديث: ۶۶۱۲)، ۵۳۴/۳، المكتب الإسلامي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم صلى على زانية في نفاسها وولدها" رواه الطبراني في الكبير". (مجمع الزوائد للحافظ الهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله، ۲۰/۳، دار الفكر، بيروت)

"ومن استهل، صلي عليه، وإلا لا .        وأفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذا لم يستهل، لا يصلى عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل. السلطان أحق بصلاته عليه: ۳۲۰/۲، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل ويصلى عليه إن استهل، وإلا غسل وسمي وأدرج في خرقة ودفن، ولم يصل عليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۷/۲، ۲۲۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل. السلطان أحق بصلاته عليه: ۵۸۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

معذور ہیں اور اگر باوجود صحیح طور پر معلوم ہونے کے پھر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں اپنے اس فعل سے توبہ کرنا ضروری ہے(۱) ورنہ بلا نماز پڑھے سب لوگ گناہگار ہوئے کیونکہ صلوۃ جنازہ فرض کفایہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ربیع الاول/۵۶ھ۔

## مسلم مرد اور کافرہ عورت سے پیدا شدہ بچہ کے جنازہ کا حکم

سوال[۴۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم و کافرۃ و نصرانیۃ (یعنی ماں کافرہ اور باپ مسلمان دونوں کی پرورش میں ہو) اور معروف



---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبة نصوحاً﴾ الآیة (سورة التحریم: ۸)

"عن أبي هریرة رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "للہ أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها"

"واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصي واجبة وأنها واجبة علی الفور، لا یجوز تأخیرها سواء كانت المعصیة صغیرة أو كبیرة. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وانظر للتفصیل: روح المعاني: ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

(۲) "هذا هو حكم فرض الكفایة، فإنه یكون فرضاً علی كل واحد واحد لكن بحیث إن أدی بعض منهم سقط عن الباقین، وإن لم یؤد واحد منهم یأثم الجمیع بتركه، وإن أدی الكل وجدوا ثواب الفرض، وتحقیقه في كتب الأصول". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۰۶، سعید)

"والإجماع منعقد علی فرضیتها أیضاً، إلا أنها فرض كفایة إذا قام به البعض، یسقط عن الباقین؛ لأن ما هو الفرض - وهو قضاء حق المیت - یحصل بالبعض، ولا یمكن إیجابها علی كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة: ۲/۳۰، رشیدیه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۵، سعید)

اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ زانی سے، "البحر الرائق" و "ذخیرہ" میں ہے: "هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ ما لم يحدث إسلاماً وهو مميز" (۱) "وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع ہے یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہونچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کا تابع ہوگا"۔ عبدالحی (۲)۔

اب سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا عمر؟ نیز اگر زید نے گنجائش کے پیش نظر حکم بالاسلام کا فتوی دیا اور اس ولد کی تجہیز وتکفین وتدفین کو مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں کردیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر زید غلطی پر ہے تو آئندہ واسطے کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ نیز اگر عمر نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے کفر کا فتوی دیا تو اس کا کیا حکم ہے، آثم تو نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

**الجواب وهو الموفق للصواب حامداً ومصلياً:**

اتنا تو فریقین کو تسلیم ہے کہ یہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے اور جو بچہ زنا سے پیدا ہوتا ہے وہ شرعاً ثابت النسب نہیں ہوتا یعنی شرعاً وہ زانی باپ کا نہیں ہوتا اور وہ بچہ اس کا بیٹا نہیں کہلاتا:

"لقوله عليه السلام: "الولد للفراش وللعاهر الحجر"". مجمع الفوائد، ص: ۲۳۶ (۳)۔

قال أبوبكر ... "وقوله: "الولد للفراش" الخ قد اقتضى معنيين: أحدهما: إثبات النسب لصاحب الفراش، والثاني: أن من لا فراش له فلا نسب له". أحكام القرآن (۴)۔

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۹، سعيد)

(۲) (مجموعة الفتاوى اللكنوى (اردو)، كتاب الجنائز، باب تجہیز وتکفین: ۱/۳۴۲، سعيد)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الطلاق، باب اللعان وإلحاق الولد واللقيط، رقم الحديث [illegible]، ۱/[illegible]، المكتبة الإسلامية باكستان)

(۴) (أحكام القرآن للجصاص، سورة النور، پ: ۱۸، تحت الآية: ﴿والذين يرمون أزواجهم﴾ الآية فصل، اتفاقهم أن الولد قد ينفى من الزوج باللعان: ۳/۳۲۹، قديمي)

"ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنى: إن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة الفاحشة، فلم يثبت النفقة والإرث لذلك الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر ۳/۱۹۰، سعيد)

"ومن الدليل على أن الزنا قبيح في العقل أن الزانية لا نسب لولدها من قبل الأب إذ ليس بعض الزناة أولى به حاقه به من بعض، ففيه قطع الأنساب ومنع ما يتعلق بها من الحرمات في المواريث والمناكحات وصلة الأرحام وإبطال حق الوالد على الولد وما جرى مجرى ذلك". أحكام القرآن: ۳/۲۶۴ (۱)۔

صلوٰۃ جنازہ کے لئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے اور بچے کے اسلام کی چند صورتیں ہیں: اول یہ کہ بچہ عاقل ہو اور اسلام لے آئے تو شرعاً اس کا اسلام صحیح اور معتبر ہے: "إسلام صبي العاقل صحيح" فتاویٰ سراجیہ، ص: ۵۸ (۲)۔ "أو أسلم صبي وهو عاقل: أي ابن سبع سنين، صلى عليه لصيرورته مسلماً". درمختار (۳)۔ پس اگر وہ بچہ عاقل تھا اور اسلام لے آیا تھا تو وہ اس حکم میں داخل ہے ورنہ نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بچہ عاقل تو نہیں خود اسلام نہیں لایا بلکہ اس کے ابوین میں سے کوئی ایک یا دونوں مسلمان ہوگئے، اس صورت میں بچہ ابوین کے تابع قرار دیا جائے گا: "إلا أن يسلم أحدهما لأنه يتبع خيرهما، فيصلى عليه تبعاً له" زیلعی، ص: ۲۴۳ (۴)۔

صورتِ مسئولہ میں ماں کافرہ ہے اور زانی سے نسب ثابت نہیں، پس زانی کا مسلمان ہونا بچے کے حق میں کچھ نافع نہ ہوگا (۵)۔

---

= "والزنا المحض سببٌ لإيجاب العقوبة، فلا يصلح سبباً لإيجاب الحرمة والكرامة ألا ترى أنه لا يثبت به النسب والعدة الخ". (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ۴/۲۰۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الإسراء، مطلب: الزنا قبيح في العقل قبل ورود السمع، تحت الآية: ﴿ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (پ: ۱۵، آیت: ۳۲): ۳/۲۹۵، قديمي)

(۲) (الفتاوى السراجية للإمام علي بن عثمان الأوشي، كتاب السير، باب الإسلام، ص: ۶۲، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، سعيد)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۵) (راجع ص: ۶۳۷، رقم الحاشية: ۳)

مسلم؟ قال العبد الضعيف عصمه الله تعالى: قد اختلف الرواية في اللقيط أيضاً، قيل: يعتبر المكان وقيل: الواجد، وقيل: الأنفع". زيلعي: ٦/٢٤٤ (١)۔

مگر چونکہ زید بھی شامی کی عبارت سے استدلال کرتا ہے اور اس سے اس بچہ کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے، لہذا طرفین میں سے کسی کو کافر کہنا یا طعن کرنا درست نہیں، حتی الوسع تکفیر سے تحفظ لسان وقلم ضروری ہے کما صرح به في البحر (٢) وفتاوى العالمكيرية (٣) وغيرهما (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ١/٥٨٢، دار الكتب العلمية، بيروت)

"والأصل الثاني ما عرف في المبسوط أن الدين يثبت بالتبعية، وأقوى التبعية تبعية الأبوين؛ لأنهما سبب لوجوده، قال صلى الله تعالى عليه وسلم: "كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه". الحديث. ثم بعد تبعية الأبوين اليد؛ لأن الصغير الذي لا يعبر بمنزلة متاع في يده، وعند عدم اليد يعتبر تبعاً للمكان؛ لأنه محل وجوده، ولهذا كان اللقيط الموجود في دار الإسلام مسلماً تبعاً للدار". (شرح الزيادات للإمام محمد بن الحسن الشيباني، كتاب السير، باب السبايا من أهل الحرب، ما يصدق فيه وما لا يصدق، الدين يثبت بالتبعية: ٦/٢١٠٠ - ٢١٠١، إدارة القرآن كراچی)

(٢) "وإذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ٥/٢١٠، رشيدية)

(٣) (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ٢/٢٨٣، رشيدية)

(٤) (وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ٥/٤٥٨، إدارة القرآن كراچی)

"وقد ذكروا أن المسألة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر، واحتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطأ في إبقاء ألف كافر أهون من الخطأ في إفناء مسلم واحد". (شرح فقه الأكبر لملا علي القاري، قبيل فصل في القراءة والصلاة، ص: ١٩٩، قديمي)

صورتِ مسئولہ میں حکم اصول وقواعد اور ظواہر نصوص کے مطابق ظاہر یہی ہے کہ ایسے بچہ کو قبل سن تمیز ماں کے تابع قرار دیا جائے لیکن مسئلہ مختلف فیہ ہے اور امام صاحب سے صراحۃً منقول نہیں علماء میں اختلاف ہے جیسا کہ علامہ شامی نے بیان کیا ہے، اس لئے صورتِ مسئولہ مذکورہ میں کو نسب ثابت نہ ہوگا اور صلوٰۃ جنازہ بوجہ اشتباہ اسلام نہ پڑھی جائے گی، کما نقل فی الجواب المذکور من التفسیر الأحمدی۔ لیکن اس کے کفر کا حکم بھی قطعی صورت سے نہ کیا جائے گا، کما صرحوا فی باب المرتدین أنه: "لا یکفر مسلم ما أمکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة(۱)۔

قلت: الصبی المذکور وإن لم یکن مرتداً لکن فی کفره اختلاف العلماء، فالأحوط السکوت أو عدم التکفیر، فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ۔

## ہیجڑے کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۱۰]: خصی مردوں یعنی ہیجڑوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے اگرچہ وہ اپنے فعل کی وجہ سے تحت گنہگار ہیں لقوله علیه السلام: "صلوا علی کل بر وفاجر"، طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۲۹/۴، سعید)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحکام الجنائز، فصل الصلاة علیه، ص: ۵۹۰، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أو فاجراً، والصلوة واجبة علیکم خلف کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر، والصلوة واجبة علی کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبی داؤد، =

## خنثی بچہ کی نماز جنازہ

سوال [illegible]: اگر کوئی لڑکا زندہ پیدا ہو اور اس کے پاخانے پیشاب کی راہ بالکل بند ہو تو اس پر نماز جنازہ لڑکی کی یا لڑکے کی کس کی پڑھی جائے گی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے بچہ پر لڑکی کے احکام جاری ہوں گے بجز ان چند مخصوص احکام کے جن کو اشباہ ص: ۳۸۳ میں نقل کیا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

## جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو اس پر نماز جنازہ

سوال [illegible]: مسماۃ ہندہ کے مرا ہوا بچہ پیدا ہوا لیکن آنول (۲) نہیں نکلی جس کے باعث ہندہ کا بھی انتقال ہو گیا، بچہ کا ناف نہیں کٹی تھی لہذا زچہ اور بچہ دونوں کا ایک ہی کفن و قبر میں دفن کر دیا گیا، دونوں ماں بچے

---

■ (كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ١/٣٥٠، امدادية)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، ومن بمثل حالهم، لقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلوا على كل بر وفاجر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ٢/٤٦، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ١/١٦٣، رشيدية)

(١) "والحاصل أنه كالأنثى في جميع الأحكام إلا في مسائل: لا يلبس حريراً ولا ذهباً ولا فضة، ولا يتزوج من رجل، ولا يقف في صف النساء، ولا محرم يقعده، ولا يخلو بامرأة، ولا يقع عتق وطلاق علقا على ولادتها أنثى به، ولا يدخل تحت قوله: كل أمة". (الأشباه والنظائر، أحكام الخنثى المشكل: ٢/٩٠٤، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثى: ٦/٧٢٧، ٧٢٨، سعيد)

(٢) "آنول وہ جھلی جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کے ساتھ نکلی ہوتی ہے ..... جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ناف آنول کی طرف بڑھی ہوئی ہوتی ہے، دائی اسے اسی وقت کاٹ ڈالتی ہے ..... الخ" (فیروز اللغات، ص: ۲۳، فیروز سنز لاہور)

میں بچہ دکھ دیا گیا تھا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو ہو گیا سو ہو گیا اس کی کوئی اصلاح نہ کریں (۱) بہتر یہ تھا کہ ناف کاٹ کر بچہ کو علیحدہ دفن کیا جاتا، مردہ پیدا ہوا تھا اس کی جنازہ کی نماز بھی نہیں تھی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۹۳ھ۔

---

(۱) "وينبغي كونه على شقه الأيمن، و لا ينبش ليوجه الخ". (الدر المختار). "(قوله: و لا ينبش ليوجه إليها): أي لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب، لا ينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۶، سعيد)

"و لو وضع لغير القبلة فإن كان قبل إهالة التراب عليه و قد سرحوا اللبن، أزالوا ذلك؛ لأنه ليس بنبش. وإن أهيل عليه التراب، ترك ذلك؛ لأن النبش حرام". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: أما سنة الدفن: ۲/۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلى عليه و لا يرث و لا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في ترك الصلاة على الطفل حتى يستهل: ۱/۲۰۰، سعيد)

"و من استهل صلي عليه، و إلا لا .... و أفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذا لم يستهل، لا يصلى عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۲/۳۲۰، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل و يصلى عليه إن استهل. و إلا غسل وسمي وأدرج في خرقة و دفن، ولم يصل عليه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۱/۵۸۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

## مردہ بچہ کی نماز جنازہ کا حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک

سوال [۳۱۰۳]: إن بعض الإخوان من أرسل إلي خطاً و مضمونه هكذا: ما حكم السقط الذي ولدته لستة أشهر أو بعدها لم يستهل، ولم يبك، ولم تظهر أمارة الحيوة، ماذا حكمه في هذه المسئلة في المذاهب الأربعة هل يصلى عليه أم لا؟ وإن صلى عليه أحد يجوز ذلك أم لا؟ أرجو من حضرتكم الشريعة جواباً شافياً كافياً۔

عباس گجراتی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لا يصلى عليه عند الأحناف كما في الدر المختار: "ومن ولد فمات، يغسل ويصلى عليه إن استهل: أي وجد منه ما يدل على حيوته بعد خروج أكثره، وإن لا يستهل، غسل وسمي وأدرج في خرقة، ولم يصل عليه"(۱)۔ "وعند الإمام أحمد: يصلى عليه إذا خرج ميتاً وأتى عليه أربعة أشهر، والإمام مالك مع الإمام أبي حنيفة في ذلك: أي لا يصلى عليه، وللإمام الشافعي فيه قولان كما هو المذكور". كذا في الشرح الكبير على متن المقنع"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلى عليه ولا يرث ولا يورث حتى يستهل" (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في ترك الصلاة على الطفل حتى يستهل: ۱/۲۰۰، سعيد)

"ومن استهل، صلى عليه، وإلا لا ... وأفاد بقوله (وإلا لا) أنه إذا لم يستهل، لا يصلى عليه" (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۲/۳۳۰، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۱/۵۸۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (لم أظفر بهذا الكتاب)

فی الطحطاوی ص: ۳۰۵ "أو وقع في سهمه صبي من الغنيمة في دار الحرب فمات، صلي عليه، ويجعل مسلماً تبعاً لصاحب اليد"(۱)، وفي الصحيح للبخاري: "عن النبي صلى الله عليه وسلم: "كل مولود يولد على الفطرة" الحديث(۲).

حررہ العبد الأواہ شیخ احمد عفا اللہ عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

در صورت مسئولہ معنی تبعیت ید شرعاً متحقق نشدہ، زیرا کہ مراد از تبعیت ید این است کہ آنکس کہ این دختر صغیرہ بدست او است مالک این دختر بود، وملکیت دریں صورت یافتہ نمی شود، زیرا کہ انسان عام ازینکہ مومن بود یا کافر باعتبار اصل خود حر است، وملک بر حر ثابت نشود الا بطریق مشروع، وہبۂ حر باطل است. پس قبضۂ آنکس بر این دختر شرعاً قبضۂ مالکانہ نخواہد بود۔

آرے اگر امام مسلمین جہاد کند وکفار را بطریق غنیمت گرفتار نمودہ در غازیان تقسیم کند، بعد از تقسیم ہر کس مالک سہم خود خواہد شد، پس اگر باین طور صغیرے در قبضۂ کسے در آید، وبمیرد، بر آن صغیر نماز جنازہ گزاردہ خواہد شد بہ تبعیت ید، وہم چنیں است اگر از کسے خرید کند وغیرہ وغیرہ۔

فی الطحطاوی ص: ۳۰۵ نقلاً عن الفتح "أو من وقع في سهمه صبي من الغنيمة في دار الحرب فمات، صلى عليه ويجعل مسلماً تبعاً لصاحب اليد لتبعيته له، كذا في

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۳۰۵، قديمي)

(۲) (والحديث بتمامه: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه، كمثل البهيمة تنتج البهيمة، هل ترى فيها جدعاء". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين: ۱۸۵/۱، قديمي)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق، ص: ۳۰۵، قديمي)

البحر الرائق: ۲/۱۹۹(۱)۔

ومراد از عبارت ہندیہ نیز ہمین است، زیرا کہ جند اسلام چون در دار الحرب روند و بر چیزے از اموالِ اہل الحرب استیلاء یابند، مالک شوند۔ و بعد سبی تبعیت شرعی متحقق شود، ہکذا یفہم من غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی(۲) والدر المختار (۳)۔ وعبارتِ طحطاوی (۴) و بحر (۵) اصرح عبارت است، فالعجب من المجیب الفاضل! أنہ کیف ذہل عن معنی الید الشرعی، وحمل عبارۃ کلہا علی المعنی اللغوی؟ قال الشیخ ابن عابدین بعد بحث طویل:

"وحاصلہ إنما یحکم بإسلامہ بالإخراج إلی دار الإسلام تبعاً للدار أو بتملک بقسمۃ أو بیع من الإمام تبعاً للمالک لو مسلماً أو للغانمین لو ذمیاً اھ"(۶)۔

پس در صورتِ مسئولہ صبی از اسبابِ مذکورہ یافتہ نشد:

"من اشتری رقیقاً من الصغار في دار الحرب، فمن مات فیہا منہم فلا یصلی علیہ، کذا في الغیاثیۃ. وفي الید کصبي سبی مع أبویہ، لا یصلی علیہ؛ لأنہ تبع لہ، الخ". شرح سیر کبیر(۷)۔



---

(۱) "وفي فتح القدیر: واختلف ...... فإن من وقع في سہمہ صبي من الغنیمۃ في دار الحرب فمات، یصلی علیہ، ویجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ. ۲/۳۳۳، قدیمی)

(۲) "وإن سبی صبي ومات، فإن سبي معہ أحد أبویہ، یصلی علیہ؛ لأنہ مسلم تبعاً للسابي إن کان مسلماً، وللدار إن کان ذمیاً الخ". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل في صلاۃ الجنائز، الرابع: الصلاۃ علیہ، ص: ۵۹۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۳) (راجع ص: ۶۳۷، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۴) (ص: ۶۳۸، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۵) (راجع الحاشیۃ رقمہا [illegible])

(۶) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، سعید)

(۷) (لم أجد بہذہ العبارۃ في شرح السیر الکبیر ولکن في الدر المختار مثلہ. ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۴ھ۔

## قادیانی کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۱۱۷]: جس امام نے پہلے بھی غلطی کی ہو، اس نے ایک قادیانی کی نماز پڑھائی، مگر لوگوں نے کہا کہ اس کی نماز پڑھائی جو مرزائی تھی، ہم تو ضرور مگر بلائے گئے تھے تو میں نے اس وجہ سے نماز پڑھائی تاکہ قادیانی اس کی عورت سے نہ کہلوائیں کہ جنازہ انہیں ملے۔ قادیانی آئے اور دعا کے بعد چہرہ تک کر چلے گئے، مگر عورت نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرا مذہب تو وہی نہیں۔ اس بات پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض اپنے قیاس سے جائز کہتے ہیں، جو قادیانی تھا اس نے اپنے ماں باپ سے کہہ دیا تھا کہ میری نماز قادیانی پڑھیں اور ان کو بلانا، اس وجہ سے ان کو بلایا گیا تھا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً وہ شخص قادیانی تھا تو امام اس کی نماز پڑھانے سے گنہگار ہوا، اس کو علی الاعلان

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً ولا تقم على قبره﴾ (الآية). (سورة التوبة: ۸۴)

"﴿ولا تصل﴾ الآية ... والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع ... ﴿ولا تقم على قبره﴾ ... والمراد: لا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة، والقبر في المشهور مدفن الميت، ويكون بمعنى الدفن، وجوزوا إرادته هنا أيضاً". (روح المعاني: ۱۰/۱۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال: (وشرطها): أي شرط الصلاة عليه إسلام الميت وطهارته، أما الإسلام، فلقوله تعالى: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً ولا تقم على قبره﴾ يعني المنافقين، وهم الكفرة، ولأنها شفاعة للميت إكراماً له وطلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة ولا يستحق الإكرام". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۲، رشيدية)

توبہ لازم ہے (۱)۔ قادیانی پر کفر کا فتویٰ ہے، اور کافر کی نماز پڑھانا (۲) اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۲/۳۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۲۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیہا الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبۃً نصوحاً﴾ (الآیۃ) (سورۃ التحریم: ۸)

"عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "للہ أشد فرحاً بتوبۃ أحدکم من أحدکم بضالتہ إذا وجدہا".

"واتفقوا علی أن التوبۃ من جمیع المعاصی واجبۃ، وأنہا واجبۃ علی الفور، لا یجوز تأخیرہا سواء کانت المعصیۃ صغیرۃ أو کبیرۃ، والتوبۃ من مہمات الإسلام و قواعدہ المتأکدۃ، ووجوبہا عند أہل السنۃ والجماعۃ الخ". (الصحیح لمسلم مع شرحہ للنووی، کتاب التوبۃ: ۲/۳۵۴، سعید)

وانظر للتفصیل: (روح المعانی: ۱۵۷/۲۸-۱۶۰، (سورۃ التحریم: ۸) دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تصل علی أحد منہم مات أبداً ولا تقم علی قبرہ﴾ (الآیۃ). (سورۃ التوبۃ: ۸۴)

"والمراد من الصلاۃ المنہی عنہا صلاۃ المیت المعروفۃ، وہی متضمنۃ للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعانی: ۱۰/۱۵۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنہ قال لما مات عبد اللہ بن أبی بن سلول، دُعِیَ لہ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیصلی علیہ، فلما قام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وثبت إلیہ فقلت: یا رسول اللہ ...... قال: فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم انصرف، فلم یمکث إلا یسیراً حتی نزلت الآیتان من براءۃ: ﴿ولا تصل علی أحد منہم﴾ الحدیث". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من الصلاۃ علی المنافقین: ۱/۱۸۲، قدیمی)

"(وشرطہا) ستۃ (إسلام المیت وطہارتہ)". (الدر المختار، باب صلاۃ الجنازۃ: ۲/۲۰۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۱۴، رشیدیہ)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربیٰ من بعد—

ایضاً

سوال[۴۱۱۸]: ایک شخص قادیانی کی لڑکی فوت ہوگئی اس نے اور اس کے باپ نے بیٹی اور پوتی کی نماز جنازہ ادا نہیں کی، امام ومقتدی اہلِ سنت والجماعت تھے، کیا قادیانی مذہب کے اولاد یا عورت کی نماز جنازہ اہلِ سنت والجماعت کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جنہوں نے بخیال برادری نماز ادا کی ان پر کچھ سزا شرعی عائد ہوتی یا نہیں؟

ریاض الحق گلیانوی از تھانہ بھون۔

الجواب: هو الموفق للصواب

قادیانی لوگ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں اور نماز مسلمان کے جنازہ کی پڑھی جاتی ہے کافر کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی، جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ قادیانی ہے اسکے جنازہ کی نماز درست نہیں (۱)، اس کی عورت

---

= ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾. (سورة التوبة: ١١٣)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة، دخل عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أي عم! قل لا إله إلا الله أحاج لك بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لأستغفرن لك مالم أنه عنك" فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الآية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ما كان للنبي أن يستغفروا للمشركين﴾ الخ: ٢/٦٤٣، ٦٤٥، قديمي)

"(قوله: لنفسه و أبويه و أساتذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً، فإنه لا يجوز الدعاء لهم بالمغفرة". (كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ١/٥٢١، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً ولا تقم على قبره﴾ (الآية). (سورة التوبة: ٨٤)

"والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعاني: ١٠/١٥٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دُعي له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول =

اگر مسلمان ہے تو اس کی نماز اور اس کے نابالغ بچے کی نماز درست ہے کیونکہ نابالغ بول (ختیر الابوین کے تابع ہوتی ہے، البتہ بالغ میں مسلمان ہونے کے لئے ماں باپ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وہ خود اگر مسلمان ہے تو اس کی نماز جنازہ جائز ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔ جن لوگوں نے غیر مسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے ان کو توبہ کرنا لازم ہے (۲)، اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے تو ان کے لئے اور کوئی سزا نہیں، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو برادری کو بعد تنبیہ کوئی مناسب تدارک مثل ترک تعلقات کرنے میں مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۳/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۱/ ربیع الاول/ ۶۳ھ۔

---

= الله صلى الله تعالى عليه وسلم وثبت إليه، فقلت: يا رسول الله ... قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة: ﴿ولا تصل على أحد منهم﴾ الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمي)

"وشرطها ستة: إسلام الميت وطهارته". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۳، رشيديه)

(۱) "إلا أن كانا مسلمين أو أحدهما، فإنه يصير مسلماً تبعاً لمسلم منهما ... والحاصل أنه تنقطع تبعية الولد في الإسلام لأحد أبويه ببلوغه عاقلاً". (رد المحتار، كتاب الجهاد، فصل: صنعتن الكافر، مطلب مهم: الصبي يتبع أحد الخ: ۳/۱۲۳، سعيد)

"الولد يتبع خير الأبوين ديناً". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ (الآية) (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة، والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

والمبسوط في (روح المعاني ۲۸/۱۵۷ - ۱۶۰، سورة التحريم: ۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا يحل =

## قادیانی کے ساتھ تعلقات اور اس پر نماز جنازہ

سوال [۴۱۱۰]: اگر کوئی شخص اہل سنت قادیانی ہوجائے تو وہ خارج از اسلام ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اس شخص سے رسم تعلقات باقی رکھنا، اس کی دعوت کھانا، اس کے یہاں تقریبات نکاح وغیرہ میں شریک ہونا، یا اس کو اپنے یہاں دعوت کھلانا، اگر وہ انتقال کرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں شرکت کرنا، یا کسی عالم کو باوجود جملہ حالات معلوم ہونے کے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے مدفن میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عالم صاحب کے واسطے کیا حکم ہے کیونکہ عوام الناس کی شرکت کا بھی باعث ہوا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے اسلام کے فتویٰ کے مطابق قادیانی کافر ہیں، جو شخص قادیانی ہوجائے وہ مرتد کے حکم میں ہے، اس سے تعلق رکھنا، اس کے نکاح وغیرہ میں شریک ہونا، یا اپنے یہاں اس کو شریک کرنا ناجائز ہے(۱)۔ اس کے

---

= لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۸۹۷/۲، قديمي)

قال العلامة علي القاري تحت هذا الحديث: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك ... : فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر الخ: ۱۳۴/۲۲، مطبعه خيريه بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً ولعباً من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء﴾ (المائدة: ۵۷)

وقال الله تعالى: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾. (الأنعام: ۶۸)

"وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء، ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون. قال أيوب: وكان والله من الفقهاء ذوي الألباب. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرى مصيرهم إلا إلى النار. وعن الحسن: لا تجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك ... وعن إبراهيم: ولا تكلموهم إني أخاف أن ترتد قلوبكم =

جنازہ میں شرکت اور نماز جنازہ بھی منع ہے، جو شخص باوجود علم کے قادیانی کے جنازہ کی نماز پڑھیں، پڑھائیں وہ گنہگار ہے اس کو توبہ لازم ہے۔ قادیانی کو اہلِ اسلام کے قبرستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہیے:

"والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر" درمختار (۱)۔ "وشرطها (أي صلوة الجنازة) إسلام الميت" الخ. تنویر (۲)۔ "أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب: أي ولا يغسل، ولا يكفن، ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم، بحر عن الفتح اهـ". ردالمحتار، ص: ۶۲۱ (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۵۵ھ۔

---

= (الاعتصام، باب: في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۹۶، دار المعرفة)

(۱) (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۲، ۵۲۳، سعید)

قال الله تعالى: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله ورسوله، والله لا يهدي القوم الفسقين﴾. (سورة التوبة: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة، دخل عليه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "أي عم! قل لا إله إلا الله أُحاجّ لك بها عند الله" فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لأستغفرن لك ما لم أُنه عنك" فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الآية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الخ: ۲/۶۷۵، ۶۷۴، قديمي)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل. السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۲، رشيديه)

(۳) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت: ۲/۱۳۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل. السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۳، رشيديه)

## کمیونسٹ کے جنازہ کی نماز

سوال [۴۱۲۰]: عبدالحکیم نام کا ایک شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا اور مسلمان کے طریقہ پر چلتا تھا اور کمیونزم سیاسی میں داخل ہو کر اسلام کا قانون چھوڑ دیا اور گھر والوں کو بھی چھوڑ دیا اور لوگوں میں یوں کہا کرتا تھا کہ: "اللہ کوئی ہے نہیں، انسان نے جھوٹ موٹ بنا لیا ہے، دیکھو انسان ایسا ہی پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی مرتا ہے، پیدا کرنے والا خدا کیوں ہوگا، وہ ایک فطرتی چیز ہے، اور ہر چیز ایسی ہی ہوتی ہے، بننے میں اور بگڑنے میں انسان کی محنت پروا روعمل ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زمانہ میں ایک شاعر تھے، قرآن ان کا بنایا ہوا شعر ہے، نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں، صرف علماء نے اپنے پیٹ پالنے کے لئے اسلام ایک دھرم نام رکھا دیا ہے"۔

اور اپنے کو پورا لامسلک ظاہر کرتا ہے (۱) اور پولیس کی گولی میں اس کا انتقال ہوا اور پوسٹ مارٹم کے بعد ان کو گھر لے آئے، اور ان کا حقیقی بھائی نجیب الملک نے کچھ لوگوں کو لیکر جنازہ پڑھایا۔ جب ان سے سوال کیا کہ کیوں جنازہ کی نماز پڑھایا تو اس نے جواب دیا کہ وہ عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے اور قربانی کیا کرتے تھے۔

اب درخواست ہے کہ آیا ایسے آدمی کے جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص کے واقعی وہ حالات تھے جو سوال میں درج ہیں (۲) اور اس نے آخر وقت تک رجوع

---

(۱) "لامسلک: منکر، بے دین، ملحد"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی خالقیت کا انکار، قرآن کریم کو شعر، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر کہنا، یہ تمام عقائد ایسے ہیں جو کہ قرآن کریم کے نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف اور ان کا انکار ہے، جو بلاشک وشبہ کفر ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اللہ لا إلٰه إلا هو الحي القيوم، لا تأخذه سنة ولا نوم﴾ الآية (البقرة: ۲۵۵)

وقال تعالیٰ: ﴿اللہ الذي خلق السمٰوٰت والأرض وما بينهما في ستة أيام﴾ الآية (السجدة: ۴)

وقال تعالیٰ: ﴿الرحمٰن، علم القرآن، خلق الإنسان﴾ (الرحمٰن: ۱-۳)

"والمحدث للعالم هو اللہ تعالیٰ: أي الذات الواجب الوجود الذي وجوده من ذاته، ولا يحتاج إلى شيء أصلاً الخ". (شرح العقائد، ص: ۲۵)

وقال تعالیٰ: ﴿وما علمناه الشعر وما ينبغي له إن هو إلا ذكر وقرآن مبين﴾ (يٰس: ۶۹)

وقال تعالیٰ: ﴿وما هو بقول شاعر قليلاً ما تؤمنون﴾ (الحاقة: ۴۱)

## مسلمین اور غیر مسلمین کی لاشیں مخلوط ہوجائیں، ان کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۱۲۲]: ایک فیکٹری میں ہندو مسلم سب مل کر کام کرتے ہیں، کسی وجہ سے فیکٹری میں آگ لگ گئی اور ہندو مسلم مزدور آگ سے اس طرح جل گئے کہ شناخت مشکل ہے۔ اب تجہیز وتکفین کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، جب کہ شناخت مشکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امتیازی علامات ختنہ اور زیر ناف بالوں کا صاف وغیرہ کرنا ہے، اگر یہ علامات بھی مفقود ہو جائیں اور امتیاز کی کوئی صورت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اس جگہ پر کل کتنے آدمی کام کرتے تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی اور غیر مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی، اگر اکثریت مسلمانوں کی تھی تو سب کو غسل دیا جائے، کفن پہنا کر نماز جنازہ یکدم اس نیت سے پڑھی جائے کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں، یا مسلمانوں کی تعداد کے اعتبار سے جن نعشوں کے متعلق ظن غالب ہو جائے کہ یہ مسلمانوں کی ہوں گی ان کو علیحدہ کر لیا جائے اور تجہیز وتکفین کے بعد اس قصد ونیت سے ان پر نماز پڑھی جائے کہ ان میں جو مسلمان ہوں ان کی نماز جنازہ

---

"فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، ومن بمثل حالهم الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً ... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر" (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امدادیه ملتان)

"ويصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة عليه: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة: ۵۸۰، قديمي)

پڑھتا ہوں اور انھیں کیلئے دعاء استغفار کرتا ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## مسلمان عورت جو ہندوؤں کے قبضہ میں ہو اس کی نمازِ جنازہ

سوال [۴۰۱۳]: تقسیم ہند کے وقت بہت سی عورتیں ہندو یا سکھوں کے قبضہ میں چلی گئی تھیں، ان میں سے ایک مظلوم مسلمان عورت بہار (انگلستان) ایک ہندو کے قبضہ میں ہے، وہ اس ہندو سے اس مسلمان عورت کے دو تین بچے بھی ہیں۔ مذکورہ عورت وقتاً فوقتاً نماز پڑھ لیتی ہے، روزے رکھ لیتی ہے، نیز دوسرے اسلامی رسوم بھی ادا کرتی ہے مثلاً مولود، گیارہویں، شب برأت وغیرہ، نیز تلاوت قرآن بھی کرتی ہے، تو اگر اس عورت کا انتقال ہو جائے تو وہاں کے مسلمانوں پر اس کا کفن دفن کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا واجب ہے یا نہیں؟

---

(۱) "اختلط موتانا بكفار ولا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا غسلوا، واختلف في الصلاة عليهم ومحل دفنهم" الخ. (الدر المختار)

"(قوله: اعتبر الأكثر) قال في الحلية: فإن كان بالمسلمين علامة فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، وإلا فلو المسلمون أكثر صلى عليهم، وينوي بالدعاء المسلمين، ولو الكفار أكثر فعلى هذا ينبغي أن يصلى عليهم في الحالة الثانية أيضاً أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر، لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصلياً على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضاً مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث، كما قال به الأئمة الثلاث، وهو أوجه قضاء حق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، سعيد)

"موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار، إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها يميز بينهم، وعلامة المسلمين الختان والخضاب ولبس السواد، فيصلى عليهم، وإن لم تكن علامة، إن كانت الغلبة للمسلمين يصلى على الكل وينوي بالصلاة والدعاء للمسلمين، ويدفنون في مقابر المسلمين" (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما شرائط وجوب الغسل: ۲/۳۰۳، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہے کہ اس عورت نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا، بلکہ وہ مظلومہ دوسرے کے قبضہ میں آگئی تھی، ممکن ہے کہ اب اس کو خلاصی ممکن ہو مگر وہ اس مرد سے متوحش ہوگئی ہو، اس کو وہاں سے علیحدہ کرنے کی کوشش لازم ہے۔ تاہم جب تک تبدیلی مذہب کی تصدیق نہ ہو جائے (۱) اس کے مرنے پر اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو مسلم عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے (۲)۔ جن لوگوں کو اس وقت اس کی اعانت پر قدرت ہے ان کو ضروری ہے کہ وہ اس کو الگ کرانے کی کوشش کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه، ثم ما تيقن أنه ردة يحكم بها به، وما يشك أنه ردة لا يحكم بها، إذ الإسلام الثابت لا يزول بشك مع أن الإسلام يعلو" (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيدية)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن والثلاثون في مسائل كلمات الكفر: ۲/۲۹۸، إسلامي كتب خانه كراچي)

(۲) "وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: بغاة وقطاع الطريق، فلا يغسلوا، ولا يصلوا عليهم إذا قتلوا في الحرب". "فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، ومن بمثل حالهم الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيدية)

(۳) "وعن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه قال: … فإني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "إن الناس إذا رأوا منكراً فلم يغيروه، يوشك أن يعمهم الله بعقابه". … وفي رواية أبي داود: "إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه، أوشك أن يعمهم الله بعقاب".

وفي رواية أبي داود: "إذا رأوا": أي الناس "الظالم" أي الفاسق "فلم يأخذوا على يديه": أي لم يمنعوه عن ظلمه "أوشك أن يعمهم الله بعقاب": أي بنوع من العذاب" (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني: ۸/۸۶۷، ۸۶۹، رشيدية)

## میت کے تین ٹکڑے ہونے پر اس کی نماز جنازہ اور اس کی تدفین

سوال [۴۱۲۳]: زید پہلے سے شرابی تھا، ایک دن کسی نے خوب شراب پلا کر زہر دے کر اسے ختم کر دیا، اس کے بعد اس کے تین ٹکڑے کئے: ایک سر گردن تک، دوسرا کمر تک، تیسرا پاؤں والا حصہ۔ اس کے بعد اس کے تین بنڈل اس طرح بنائے کہ اس میں پانی کا اثر نہ ہو سکے (۱) اور پھر اس کو کنویں میں ڈال کر آکر گل نہ سکے اس کا پورا انتظام کر دیا۔

خدا کی قدرت کہ سی آئی ڈی کی تحقیق سے پورے تین ماہ بعد اس لاش کو اس میں سے مذکورہ صورت پر نکالا گیا۔

اس کی مزید تحقیقات کے لئے دو ماہ تک سرکار کے پاس رہی، اب سوال یہ ہے کہ اس کو کفن دفن کی کیا صورت ہوگی؟

۱۔ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

۲۔ دفن کہاں کیا جائے مسلمان کے قبرستان میں یا باہر اور کس طرح؟

۳۔ اگر چند روز پہلے سے قبر کھود کر رکھی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

۴۔ اس میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ قصیدہ کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات کا بیان ہے کہ نعش بدبودار اور پھول گئی ہے، قبر ابھی تک بچے گر سب گوشت گرا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳۔ اس کی نعش کے جب تین حصے کر دیئے گئے اور جسم کی ہیئت ترکیبیہ باقی نہیں رہی اور اجزا منتشر ہو گئے تو اس پر نماز جنازہ نہیں، نہ اس کے لئے کفن مسنون ہے، نہ غسل میت ہے، بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسلم قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ جس میت کو بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا جائے اس کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں، جب تک میت کے پھٹ جانے کا ظن غالب نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اس کے بعد نہیں:

"وإن دفن بلا صلاة صلي على قبره وإن لم يغسل ما لم يتفسخ، والمعتبر فيه أكبر الرأي على الصحيح". مراقي الفلاح. "(قوله: ما لم يتفسخ): أي تتفرق أعضاؤه في الصحيح

(۱) "بنڈل: پوٹلہ، گٹھری"۔ (فیروز اللغات ص: ۲۱۹، فیروز سنز، لاہور)

لا يصلى عليه مطلقاً؛ لأنها شرعت على البدن، ولا وجود له مع التفسخ"(۱)۔ "وإذا وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس غسل وصلي عليه، وإلا لا". مراقي الفلاح، ص: ۳۲۰(۲)۔

۳ ...... اگر موقوفہ قبرستان میں کسی نے اپنے لئے پہلے سے قبر کھود رکھی ہو اور اس کے علاوہ بھی قبر کے لئے جگہ موجود ہو تو اس قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا مکروہ ہے، دو کھودنے کی اجرت کا ضمان ترکۂ میت

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۰۳، قديمي)

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اجزائے میت تحقیقی طور پر گل سڑ چکے ہوں، اگر اجزائے میت گلے سڑے نہ ہوں بلکہ صحیح ہوں تو اس صورت میں اس کی تجہیز و تکفین ہوگی اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی: "والسقط يلف ولا يكفن كالعضو من الميت (و) الآدمي المنبوش طرياً لم يتفسخ (يكفن كالذي لم يدفن) مرة بعد أخرى (وإن تفسخ، كفن في ثوب واحد". (الدر المختار). (قوله: كالعضو من الميت): أي لو وجد طرف من أطراف إنسان أو نصفه مشقوقاً أو عرضاً يلف في خرقة إلا إذا كان معه الرأس فيكفن كما في البدائع (قوله: منبوش طرياً) أي حال وجده منبوشاً بلا كفن (قوله لم يتفسخ) قيد به؛ لأنه لو تفسخ يكفن في ثوب واحد (قوله: كالذي لم يدفن): أي يكفن في ثلاث أثواب". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز: ۲/۱۶۳، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۵۵، قديمي)

"وقيد بعدم التفسخ؛ لأنه لا يصلى عليه بعد التفسخ، لأن الصلاة شرعت على بدن الميت، فإذا تفسخ لم يبق بدنه قائماً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۲، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع الصلاة عليه، ص: ۵۹۰، سهيل اكيدمي لاهور)

"وجد رأس آدمي أو أحد شقيه لا يغسل ولا يصلى عليه، بل يدفن، إلا أن يوجد أكثر من نصفه ولو بلا رأس". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعيد)

## غائبانہ نماز جنازہ

سوال [۴۰۴۲]: ۱- غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس وجہ سے؟ مکمل تحریر فرمادیں۔

۲- کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس کے نزدیک اور کیونکر؟

۳- ایک واقعہ حدیث کا یاد پڑتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی وہ کون تھے اور اس کی کیا وجہ تھی؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

۱- حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ "شرائطها ستة: شرط الصحة المطلقة، وإسلام الميت وطهارته، ووضعه أمام المصلي، وبهذا القيد علم أنها لا تجوز على غائب". کبیری، ص: ۵۳۹(۱)۔

۲- امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی پر صلوۃ غائبانہ پڑھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز ہے اور وہ

---

= ولو بلا رأس". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعيد)

"ولو وجد الأكثر من البدن أو النصف مع الرأس، غسل وصلي عليه، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۰۵، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۶۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۳، سهيل اكيدمي، لاهور)

"ووضعه، وكونه هو أو أكثره أمام المصلي، وكونه للقبلة، فلا تصح على غائب". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۲، رشيدية)

فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نجاشی کا جنازہ کر دیا گیا تھا اور درمیانی حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، پس وہ جنازہ حاضر تھا غائب نہ تھا:

"ومن ذلک قول الشافعی و أحمد رحمهما اللہ تعالیٰ بصحة الصلوة علی الغائب مع قول أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ و مالک رحمه اللہ تعالیٰ بعدم صحتها الخ". میزان شعرانی: ۱/۸۰، ۱) وبسط الدلائل فی الأوجز شرح الموطا: ۴/۴۴۵(۲)۔

۳۔ نمبر ۲ پر جواب آچکا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

## میت غائب کی نماز جنازہ

سوال[۴۲۸۰]: میت غائب کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

---

(۱) (المیزان الکبریٰ للشعرانی، کتاب الجنائز: ۱/۲۲۵، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۲) "وقال أبو حنیفة و مالک رحمهما اللہ تعالیٰ: هذا خاص به، ولیس ذلک لغیره. قال أصحابهما: و من الجائز أن یکون رفع له سریره، فصلی علیه، وهو یری صلاته علی الحاضر المشاهد وإن کان علی مسافة من البعد، والصحابة وإن لم یروه، فهم تابعون للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم. قالوا: و یدل علی هذا أنه لم ینقل أنه کان یصلی علی کل الغائبین غیره ... و یؤیده ما ذکره الواحدی بلا إسناد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: کشف للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن سریر النجاشی حتی رآه و صلی علیه. ولابن حبان عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنه: فصلینا خلفه و نحن لا نری إلا أن الجنازة قدامنا. وأجیب أیضاً بأن ذلک خاص بالنجاشی لإشاعة أنه مات أو استئلاف قلوب الملوک الذین أسلموا فی حیاته إذ لم یأت فی حدیث أنه صلی علی میت غائب". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز، التکبیر علی الجنازة: ۳/۲۱۹، ۲۲۰، إدارة تالیفات اشرفیه، ملتان)

"ولم یکن من هدیه و سنته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الصلاة علی کل میت غائب، فقد مات خلق کثیر من المسلمین و هم غیب، فلم یصل علیهم، الخ". (زاد المعاد فی هدی خیر العباد لابن القیم، فصل فی هدیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الصلاة علی الغائب، ص: ۱۰۲، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب الرجل ینعی إلی أهل المیت بنفسه، ذکر ما یستفاد منه، فرع: ۸/۲۲، مطبعه منیریه، بیروت)

صحابہ کرام سے ثابت ہے؟

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

نماز جنازہ کے لئے میت کا حاضر ہونا ضروری ہے، غائب پر درست نہیں (۱) البتہ اگر بغیر نماز جنازہ دفن کردیا گیا ہو تو قبر پر خاص مدت تک کے اندر نماز جنازہ پڑھی جائے (۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کے جنازہ پر غائبانہ نماز پڑھی ہے (۳)، یہ روایت معتبر ہے، شراح حدیث نے لکھا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کردیا تھا، وہ غائب نہیں تھا، نماز پڑھنے والے صحابہ کرام آپ -علیہ السلام- کے

---

(۱) : (راجع ص: ۴۶۳، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن أسود رجلاً أو امرأة كان يكون في المسجد يقم المسجد، فمات ولم يعلم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بموته، فذكره ذات يوم فقال: "ما فعل ذلك الإنسان"؟ قالوا: مات يا رسول الله، قال: "أفلا آذنتموني"؟ فقالوا: إنه كان كذا وكذا قصته، قال: فحقروا شأنه، قال: "فدلوني على قبره" فأتى قبره فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن: ۱/۱۷۸، قديمي)

"وإن دفن) وأهيل التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحساناً (ما لم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيدية)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه، وخرج فصلى، فصف بهم وكبر أربعاً". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۱/۱۶۶، قديمي)

تابع تھے (۱) علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

''اگر میت کو کسی شہر میں بلا نماز جنازہ دفن کر دیا گیا ہو جیسا کہ نجاشیؓ کا حال تھا تو دوسرے شہر کے لوگ غائبانہ نماز جنازہ پڑھیں، اگر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہو تو نہ پڑھیں، کیونکہ فرض وہیں کی نماز کے ذریعہ ادا ہو گیا (۲)۔

اور بھی بعض نامعتبر روایات میں آئے ہیں جن پر غائبانہ نماز جنازہ کا تذکرہ ہے لیکن محدثین نے ان پر جرح بھی کی ہے اور جنازہ سامنے کرنے کی ان میں تصریح موجود ہے (۳)، تاہم اتنا مسلم ہے کہ آپ

---

(۱) "والراجح حضوره أو حضور أكثر بدنه أو نصفه مع رأسه، والصلوة على النجاشي كانت بمشهده كرامة له ومعجزة للنبي صلى الله عليه وسلم" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ٥٨٢، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٨٠٢، ٢٠٩، سعيد)

(۲) "وقال شيخ الإسلام ابن تيمية: الصواب أن الغائب إن مات ببلد لم يصل عليه فيه، صلى عليه صلاة الغائب كما صلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على النجاشي؛ لأنه مات بين الكفار ولم يصل عليه. وإن صلى عليه حيث مات، لم يصل عليه صلاة الغائب؛ لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه" (زاد المعاد في هدي خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالى عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ٢٠٠، دار الفكر بيروت)

(۳) "وقد روى أنه صلى على معاوية وهو غائب، ولكن لا يصح، فإن في إسناده العلاء بن زيد، ويقال: زيد؟ قال علي بن المديني: كان يضع الحديث. ورواه محمود بن هلال عن عطاء بن ميمون عن أنس. قال البخاري: لا يتابع عليه . وأما حديث صلاته صلى الله تعالى عليه وسلم على معاوية بن معاوية الليثي، فجاء من طرق لا تخلو من مقال، و على مسلم صلاحيته للحجية بالنظر إلى مجموع طرقه دافع بما ورد أنه صلى الله تعالى عليه وسلم رفعت له الحجب حتى شاهد جنازته". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنائز: ٤/١٨، ١٩، إدارة تاليفات أشرفيه)

"وعن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: أتي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جبريل وهو بتبوك فقال: يا محمد! اشهد جنازة معاوية بن معاوية المزني، فخرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ونزل جبريل في سبعين ألفا من الملائكة، فوضع جناحه الأيمن على الجبال فتواضعت. ووضع =

کی ضرورت نہیں تھی، بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دور دراز مقامات پر وفات پائی جیسے بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا اور آپ کو بذریعہ وحی خبر بھی دی گئی، آپ کو صدمہ بھی ہوا لیکن آپ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی(۱)۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام کا کسی میت غائب کی نماز جنازہ پڑھنا کہیں نہیں دیکھا، اگر یہ عمل سنت متوارثہ ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ضرور اس پر عمل کرتے اور بطریق توارث منقول ہوتا(۲)۔ علامہ حلبیؒ نے روایات سے بحث کے بعد لکھا ہے:

"ثم دليل الخصوصية أنه عليه السلام لم يصل على غائب سوى هؤلاء، ومن عدا النجاشي صرح فيه بأنه رفع له، وكان مرأى منه، ثم إنه قد توفي خلق كثير منهم غيباً في

---

= جنازته الأبصر على الأرضين فتواضعن، حتى نظر إلى مكة والمدينة، فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وجبرئيل والملائكة" الحديث. (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الغائب: ۳۸/۳، دار الفكر، بيروت)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن رعلاً وذكوان وعصية وبني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على عدو، فأمدهم بسبعين من الأنصار - كنا نسميهم القراء في زمانهم كانوا يحتطبون بالنهار ويصلون بالليل - حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم، وغدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقنت شهراً يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب على رعل وذكوان الخ" (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان: ۵۸۶/۲، قديمي)

(۲) "وقد مات من الصحابة خلق كثير وهم غائبون عنه، وسمع بهم، فلم يصل عليهم، إلا غائباً واحداً، ورد أنه طويت له الأرض حتى حضره". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ذكر ما يستفاد منه، فرع: ۲۲/۸، مطبعة منيرية، بيروت)

"ولم يكن من هديه وسنته صلى الله تعالى عليه وسلم الصلاة على كل ميت غائب، فقد مات خلق كثير من المسلمين وهم غيب، فلم يصل عليهم". (زاد المعاد في هدي خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالى عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۱۰۲، دار الفكر، بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنائز: ۲۰۸/۳، ۲۰۹، إدارة تاليفات أشرفية)

## چارپائی پر میت کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳۰]: کیا میت کو چارپائی پر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

میت کو چارپائی پر رکھ کر نمازِ جنازہ درست ہے(۱) اگر چارپائی پاک ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: نعى لنا نبينا و حبيبنا نفسه صلى الله تعالى عليه وسلم ... قلنا: فمن يغسلك؟ قال: رجال من أهل بيتي الأدنى فالأدنى" قلنا: ففيم نكفنك؟ قال: "في ثيابي هذه أو في بياض مصر أو حلة يمانية" قلنا: فمن يصلي عليك؟ قال: "فبكى و بكينا، فقال: "مهلاً! غفر الله لكم و جزاكم عن نبيكم خيراً، إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني على سريري في بيتي هذا، على شفير قبري هذا، ثم اخرجوا عني ساعة، فأول من يصلي علي خليلي و جليسي جبريل ثم ميكائيل ثم إسرافيل ثم ملك الموت" الحديث. (مختصر إتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تاليف أبي العباس أحمد بن أبي بكر المشهور بالبوصيري، باب في مرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ: ۹/۲۰۵، مكتبة عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

"قال: حدثنا الواقدي ... عن أبيه عن جده: لما أدرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في أكفانه، وضع على سريره، ثم وضع على شفير حفرته، ثم كان الناس يدخلون عليه رفقاً رفقاً، لا يؤمهم أحد". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب ما جاء في الصلاة على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۷/۲۵۰، ۲۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"إن كان الميت على الجنازة، لاشك أنه يجوز". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

(۲) "في القنية: الطهارة من النجاسة في ثوب و بدن و مكان و ستر العورة شرط في حق الميت و الإمام جميعاً". (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

"الطهارة من النجاسة في الثوب و البدن و المكان، و ستر العورة شرط في حق الميت و الإمام جميعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۵، رشيديه) =

## عورت کے جنازہ پر امام کا رومال ڈالنا

سوال [۴۱۳۱]: کوئی شخص امام یا عالم عورت کے جنازہ پر اپنا رومال وغیرہ ڈالتا ہے تاکہ وہ ریشمی اور خوبصورت کپڑا جو میت کے اوپر ہے حضورِ قلب میں مخل نہ ہو، کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی کوئی ضرورت نہیں، بلا رومال ڈالے بھی نماز درست ہے، اور رومال ڈالنے میں بھی مضائقہ نہیں، دونوں طرح درست ہے، کسی ایک کو ضروری سمجھنا، اصرار کرنا خلافِ اصل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ الجواب صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم۔

## نمازِ جنازہ سے متعلق چند مسائل

سوال [۴۱۳۲]: ۱. بچہ مردہ پیدا ہونے کی حالت میں نمازِ جنازہ ہوتا ہے یا نہیں؟

۲. بچہ زندہ پیدا ہو کر تھوڑی دیر بعد فوت ہونے کی صورت میں نمازِ جنازہ ہونی چاہیے یا نہیں؟

۳. دو لڑکیاں ایک ساتھ پیدا ہو کر فوت ہو گئیں تو ان کی نمازِ جنازہ علیحدہ ہوگی یا ایک ہی کافی ہے؟

۴. ایک ساتھ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہو کر فوت ہو گئے تو نمازِ جنازہ الگ الگ پڑھنی ہوگی یا

---

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

(۱) "قال الطيبي رحمه الله تعالى: "وفيه من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر" (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، تحت حديث عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه، (رقم الحديث: ۹۴۶)، ۳/۳۱، رشيدية)

"إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف بإصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع" (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ذكر البدعات: ۲/۲۶۳، سهيل اكيدمي لاهور)

کرامؓ کا اعتراض ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی "صالح مولیٰ توأمۃ" اس روایت میں منفرد ہے وہ ضعیف ہے(۱) وہ اس کے مقابل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث: "واللہ! لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد" (۲) صحیح ہے، مسلم کی روایت ہے۔ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے ضعیف پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انکار کا اعتراض ہو تو اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصہ کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش رہے اور نماز پڑھی گئی جس سے ان کے سکوت کا پتہ چلتا ہے، گویا جنازہ مسجد میں پڑھنا بھی ثابت ہوا۔

دوسرا جواب یہ کہ موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کی نماز مسجد میں ہوئی (۳) جس سے "فلا اجر لہ" کے منسوخ ہونے کی کھلی دلیل ملتی ہے، خصوصاً جب کہ "فلا اجر لہ" کے بارے میں محدثین کا بیان ہے (امام احمد، امام نووی، عسقلانی وغیرہ) کہ

---

(۱) (أخرجه العلامة الزيلعي رحمه الله تعالى في نصب الراية، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى للصلاة، (رقم الحديث: ۳۰۴۳)، ۲/۲۷۵، المكتبة المكية جدة)

"وفي إسناده صالح مولى التوأمة، وقد تكلم فيه غير واحد من الأئمة. قال النووي رحمه الله تعالى: وأجابوا عنه يعني الجمهور بأجوبة: أحدها: أنه ضعيف لا يصح الاحتجاج به، قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى: هذا حديث ضعيف تفرد به صالح مولى التوأمة وهو ضعيف" (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۴/۱۰۱، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۳) "قال مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه قال: صلي على عمر بن الخطاب في المسجد". (موطأ الإمام مالك، كتاب الجنائز، الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ۲۱۰، مير محمد كتب خانه كراچى)

حدیث ضعیف ہے، خود متن حدیث میں اضطراب ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "فلا اجر له" خطائے ناسخ ہے(۱)۔ بینوا و توجروا۔

المستفتی: مولوی حسین احمد قاسمی بدری، ناظم مدرسہ فیض اورنگ آباد، مہاراشٹر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز بغیر کسی عذر کے مسجد میں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له"۔ سنن ابی داود شریف: ۲/۹۸ (۲)، سنن ابن ماجہ ص: ۱۱۰ (۳)۔

نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: ۳/۱۵۳ (۴) اپنی مصنف میں، امام احمد نے اپنی مسند میں ۲/۴۴۴ (۵)، ۲/۴۵۵ (۶) بیہقی نے ۴/۵۱ (۷) اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ۱/۲۸۴ (۸) پر

---

(۱) "قال ابن عبد البر: رواية: "فلا اجر له" خطأ فاحش، والصحيح "فلا شيء له". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث رجع الموتى للصلاة، (رقم الحديث: ۳۰۴۳): ۲/۳۲۵، مكتبة المكية جده)

(۲) (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ۲/۹۸، امداديه ملتان)

(۳) (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ۱۱۰، قديمي)

(۴) (رواه ابن أبي شيبة في مصنفه في كتاب الجنائز، باب من كره الصلاة على الجنازة في المسجد، (رقم الباب: ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۱۹۷۱): ۳/۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۷۳۳۴): ۳/۱۹۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۶) (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۹۵۵۵): ۳/۲۰۲، (رقم الحديث: ۱۰۱۸۳): ۳/۳۰۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۷) (رواه البيهقي في السنن الكبرى في كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۴/۵۲، ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۸) (شرح معاني الآثار، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة هل ينبغي أن تكون في المساجد أو لا: ۱/۳۴۴، سعيد)

روایت کیا ہے، بحوالہ بغیۃ الألمعی فی تخریج الزیلعی: ۲/۲۷۵ (۱)۔

نیز بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ: "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کی خبر سنائی، پھر صحابہ کو لے کر مسجدِ نبوی سے باہر تشریف لائے اور اس کے قریب نمازِ جنازہ کے لئے جو مخصوص جگہ تھی، وہاں پر صف بستہ نماز پڑھائی:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: نعىٰ لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم النجاشي صاحب الحبشة اليوم الذي مات فيه، فقال: "استغفروا لأخيكم". وفي رواية: "نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه، وخرج إلى المصلى، فصف بهم وكبر أربعاً". صحيح بخاري: ۱/۱۶۷ (۲) وصحيح مسلم: ۱/۳۰۹ (۳)۔

اور یہ اس واقعہ کی تخصیص نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل اس معاملہ میں یہی تھا کہ نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے: "ما كانت الجنائز يدخل بها في المسجد: ۱/۳۱۳ (۴) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب "زاد المعاد في هدي خير العباد" میں تحریر فرماتے ہیں: "ولم يكن من هديه الراتب الصلوة عليه في المسجد، وإنما كان يصلي على الجنازة

(۱) (بغية الألمعي في تخريج الزيلعي على هامش نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الميت إلخ: ۲/۲۷۵، المكتبة المكية جدة)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۱/۱۶۶، ۱۶۷، وباب الصلوة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ۱/۱۷۷، قديمي)

(۳) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، باب فصل في النعي الناس الميت: ۱/۳۰۹، قديمي)

(۴) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمي)

خارج المسجد" ١/١٤٣ (١) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی دستور مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے باہر ہی جنازہ پڑھتے تھے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں۔ "إنهم لم يكونوا يصلون على الجنائز داخل المسجد الشريف" مرقاة: ٣/٢٤٢ (٢) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد نبوی میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں: "إنهم كانوا لا يصلون على الميت في المسجد" المدخل: ٢/٢٨٦ (٣) یعنی وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں کسی میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر اس کے لئے مستقل اور علیحدہ جگہ بنائی گئی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے: "إن اليهود جاؤوا إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم برجل منهم وامرأة زنيا، فأمر بهما فرجما قريباً من موضع الجنائز عند المسجد" ١/١٧٧ (٤)۔ یعنی یہود حضور اکرم صلی اللہ

---

(١) (زاد المعاد في هدي خير العباد لابن القيم الجوزية، فصل في تجهيز الميت والصلاة عليه، ص: ١٤٣، دار الفكر بيروت)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ٣/٣٥، إدارة تاليفات أشرفيه ملتان)

(٢) "لما وجدت هذه العبارة بعينها في المرقاة ولكن فيه: "وأما قول ابن حجر: فيه أوضح حجة لقول الشافعي الأفضل إدخال الميت المسجد للصلوة عليه، فمردود، لأنه لو كان أفضل، لكان أكثر صلاته عليه الصلوة والسلام على الميت في المسجد، وإنما امتنع جل الصحابة عنه وإنما الحديث يفيد الجواز في الجملة، وما أظن أن الشافعي يقول بأنه أفضل مع خلاف الإمام الأكمل. وقد نازع جماعة من المتأخرين الشافعي في الاستحباب بأنه كان للجنائز موضع معروف خارج المسجد. والغالب منه عليه الصلوة والسلام الصلوة عليها ثمة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الأول تحت الحديث رقم: ١٦٥٦، ٤/١٣٣، رشيديه)

(٣) (المدخل لابن الحاج، فصل في الصلوة على الميت في المسجد: ٢/٢٨٦، دار الفكر بيروت)

(٤) (رواه البخاري في صحيحه في كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ١/١٧٧، قديمي)

تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے مرد اور عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا لیکر آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا تو ان کو مسجد سے قریب جنازہ پڑھنے کی جگہ میں سنگسار کیا گیا۔

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی شرح کرتے ہوئے محدث کبیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث رجم بتاتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے ایک جگہ مقرر تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا کسی عارضی وجہ سے تھا:

"وفي حديث ابن عمر المذكور دليل على أنه كان للجنائز مكان معد للصلاة عليها، فقد يستفاد منه أن ما وقع من الصلاة على بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض". فتح الباري: ۳/۱۶۰ (۱)۔

اور اسی جگہ فرماتے ہیں: "وعن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان لاصقاً بمسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من ناحية جهة المشرق". فتح الباري ۳/۱۶۰ (۲) یعنی مدینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متصل جانب شرق میں تھی۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پنج وقتہ نمازوں کے لئے بنائی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ بلا عذر پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہیت کے جائز ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے لئے ایک اور مستقل جگہ نہ بناتے بلکہ مسجد ہی اس کے لئے کافی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے اس کے لئے ایک اور مستقل جگہ بنوائی اور مسجد نبوی کی تعمیر ختم ہوتے ہی جنازہ پڑھنے کی جگہ بنوائی گئی، چنانچہ طبقات ابن سعد میں اس کی تصریح موجود ہے۔

"وقد ذكر ابن سعد في الطبقات الكبير أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بنى موضعاً للجنائز لاصقاً بالمسجد بعد الفراغ من مسجد الشريف في السنة الأولى من الهجرة"

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ۳/۱۵۲، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۲) (فتح الباري، المصدر السابق آنفاً)

التعلیق الصبیح: ۲/۲۳۹(۱)۔

اس کے بعد کسی مزید نقل کی ضرورت نہیں تھی، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائلین جواز کی دلیل کا بھی جائزہ لیا جائے اور ان کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی مسلم شریف کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: لما توفي سعد بن أبي وقاص أرسل أزواج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن يمروا بجنازته في المسجد فيصلين عليه، ففعلوا فوقف به على حجرهن يصلين عليه، أخرج به من باب الجنائز الذي كان إلى المقاعد، فبلغهن أن الناس عابوا ذلك، وقالوا: ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد، فبلغ ذلك عائشة رضي الله تعالى عنها فقالت: ما أسرع الناس إلى أن يعيبوا ما لا علم لهم به، عابوا علينا أن يمر بجنازة في المسجد، وما صلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على سهيل ابن بيضاء إلا في جوف المسجد". مسلم: ۱/۳۱۳(۲)۔

اولاً تو یہ واقعہ بے نکیر نہیں ہوا، جیسے کہ آپ نے پڑھا، چنانچہ مولانا قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) (التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح للعلامة محمد إدريس الكاندهلوي رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الأول، تحت حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: ۲/۲۳۹، المكتبة العثمانية لاهور)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كنا مقدم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة إذا حضر منا الميت، آتيناه فأعلمناه، فحضره واستغفر له حتى إذا قبض ... قال محمد بن عمر: فسمي ذلك الموضع موضع الجنائز؛ لأن الجنائز حملت إليه، ثم جرى ذلك من فعل الناس في حمل جنائزهم والصلاة عليها في ذلك الموضع إلى اليوم". (الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر الموضع الذي كان يصلي فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على الجنائز: ۱/۲۵۷، دار صادر بيروت)

(۲) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمي)

ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

یہ جوابات تو اس وقت ہیں جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو متصل تسلیم کرلیں، حالانکہ امام دارقطنی نے اس حدیث کے بارے میں امام مسلم پر استدراک ومواخذہ کیا ہے اور اس کو مرسل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"خالف الضحاك حافظان: مالك والماجشون، فروياه عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالى عنها مرسلاً، وقيل: عن الضحاك عن أبي النضر عن أبي بكر بن عبد الرحمن، ولا يصح إلا مرسلاً، هذا كلام الدار قطني". نووی شرح مسلم: ۱/۳۱۳(۱)۔

یعنی اس روایت میں دو بڑے حفاظِ حدیث: امام مالک اور ماجشون نے ضحاک کی مخالفت کی ہے،

---

- "لكن إنكار الصحابة على عائشة رضي الله تعالى عنها يدل على اشتهار العمل بخلاف ذلك". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۲۳۴/۳، ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(وكذا في لامع الدراري على جامع البخاري، كتاب الجنائز، باب صلاة الصبيان مع الناس: ۳/۳۲۳، امدادیہ مکة المكرمة)

(۱) (شرح مسلم للنووي، كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قدیمی)

"وكذلك حديث عائشة رضي الله تعالى عنها لا يخلوا عن كلام؛ لأن جماعة من الحفاظ مثل الدارقطني وغيره عابوا على مسلم تخريجه إياه مسنداً؛ لأن الصحيح أنه مرسل كما رواه مالك والماجشون عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالى عنها مرسلاً، والمرسل ليس بحجة عندهم". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۸/۲۸، مطبعہ منیریہ بیروت)

"قال ابن عبد البر: هكذا هو في موطا عند جمهور الرواة منقطعاً ...... قال العيني: منقطع؛ لأن أبا النضر لم يسمع من عائشة شيئاً، وقال ابن وضاح: ولا أدركها ...... وانتقده الدارقطني بأن حافظين خالفا الضحاك، وهما: مالك والماجشون، فروياه عن أبي النضر عن عائشة مرسلاً". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۲۳۵/۳، ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان)

انہوں نے اس روایت کو "عن ابی المتصر عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا" منقطع بیان کیا ہے اور ضحاک نے "عن ابی المتصر عن ابی بکر بن عبد الرحمن" روایت کیا ہے حالانکہ اس روایت کا منقطع ہونا ہی صحیح ہے۔

ہم مانعین سے پوچھتے ہیں: روایت منقطعہ سے استدلال کہاں تک صحیح ہے؟ خصوصاً اس کے مقابلہ میں حدیث متصل مرفوع موجود ہے۔ یہ تو ثقیل کی دلیل اور اس کا جواب تھا۔

اب انہوں نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے ہیں ان کا جواب سنئے: اس روایت پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں "صالح مولی التوأمۃ" ہے جو ضعیف ہے جس کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال نہیں (۱)۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صالح کو ضعیف کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، اس لئے اگر یہ سبب مرتفع ہو جائے یعنی کوئی ایسا راوی ہو جو اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کرتا ہو تو ان کی روایت کے معتبر اور قابل حجت واستدلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

"تقریب التہذیب" میں ہے: "صالح بن نبھان المدنی مولی التوأمۃ -بفتح المثناۃ وسکون الواو بعدھا ھمزۃ مفتوحۃ- صدوق اختلط بآخرہ، قال ابن عدی: لا بأس برواية القدماء عنہ کابن ابی ذئب وابن جریج"۔ ص: ۲۷۳(۲)۔

یعنی صالح ابن نبہان مدنی مولی التوأمہ صدوق ہیں، ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان سے قدماء (یعنی جن لوگوں نے ان سے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے روایت کی ہے) کے روایت کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے کہ ابن ابی ذئب اور ابن جریج۔ اور مذکورہ روایت "عن صالح

---

(۱) "وفي إسناده صالح مولى التوأمة، وقد تكلم فيه غير واحد من الأئمة، قال النووي رحمه الله تعالى: وأجابوا عنه يعني الجمهور بأجوبة: أحدها أنه ضعيف لا يصح الاحتجاج به، قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى: هذا حديث ضعيف تفرد به صالح مولى التوأمة، وهو ضعيف". (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۴/۱۰۴، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى، رقم الترجمة: ۲۸۹۲، ص: ۲۷۳، دار الرشيد حلب)

على جنازة في المسجد فلا شيء له" (۱) میں صالح سے روایت کرنے والے ابن ابی ذئب ہیں، اس لئے یہ بھی صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں: "وأسند عن ابن معين أنه قال: هو ثقة إلا أنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثبت حجة، وممن سمع منه قبل الاختلاط ابن أبي ذئب، ص: ۱۸۵" (۲)۔

یعنی ابن معین سے سنداً ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ (صالح) ثقہ ہیں مگر آخر عمر میں ان کو اختلاط ہوگیا تھا، پس جن لوگوں نے اس حالت کو طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابل حجت ہیں اور ان ہی لوگوں میں سے ابن ابی ذئب بھی ہیں۔

خود امام احمد بن حنبل (جن کے قول سے مخالفین حجت نکالتے ہیں) فرماتے ہیں:

"ما أعلم به بأساً ممن سمع قديماً وقد روى عنه أكابر أهل المدينة". كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳۹۸" (۳)۔

یعنی جن لوگوں نے ان (صالح بن التوأمہ) سے ابتداءً سنا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور ان صالح سے اکابر اہل مدینہ نے روایت کیا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "غنیۃ المستملی" المعروف بہ "کبیری" میں ابن معین

---

(۱) (راجع ص: ۶۷۷، الحواشي رقمها: ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸)

(۲) (نصب الراية للعلامة الزيلعي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى للصلاة، تحت حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه الحديث رقم: ۳۰۴۲، ۲/۲۷۵، مكتبة المكية، جدة)

"قال ابن معين: ثقة لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك، فهو ثبت حجة، وكلهم عنى أن ابن أبي ذئب سمع منه قبل الاختلاط". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۳/۲۲۳، إدارة تاليفات أشرفيه ملتان)

(۳) (موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في رجال الحديث وعلله، حرف الصاد، رقم الاسم: ۱۲۰۲، صالح بن نبهان المدني، مولى التوأمة: ۲/۱۶۳، عالم الكتب، بيروت)

سے نقل فرماتے ہیں: "قال ابن معین: ثقة لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثبت حجة، وكلهم على أن ابن أبي ذئب سمع منه قبل الاختلاط" (١)۔

یعنی ابن معین فرماتے ہیں کہ (صالح) ثقہ ہیں لیکن وفات سے پہلے ان کو اختلاط ہو گیا تھا (اس لئے جن لوگوں نے ان سے حالت کے طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابلِ حجت ہے) اور سارے محدثین اس پر متفق ہیں کہ ابن ابی ذئب نے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام سنن ابی داؤد نے اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی، بلکہ سکوت اختیار فرمایا اور یہ مسلم ہے کہ امام ابوداؤد جس پر سکوت اختیار فرمائیں وہ روایت صالح الاستدلال ہے (٢)۔ اور صحیح مسلم اور سننِ اربعہ کے رواۃ میں سے ہیں، چنانچہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وصالح من رواة السنن و مسلم"۔ عرف الشذی: ١/ ٢٥٦ (٣)۔ یعنی صالح سنن اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اگر یہ ضعیف ہوتے تو یہ حضرات ان کی روایت نہ لیتے یا ان پر جرح کرتے۔

بہرحال! محدثین کی اتنی بڑی جماعت کے نزدیک جب صالح مولی التوأمۃ ثقہ ہیں تو اس کے مقابلہ

---

(١) (غنية المستملي (الحلبي الكبير) كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلوة عليه، ص ٥٨٤، سهيل اكيڈمي)

(٢) "سنن أبي داؤد: فقد جاء عنه أنه يذكر فيه الصحيح و ما يشبهه و يقاربه، وما كان فيه وهن شديد بينه، وما لم يذكر فيه شيئاً فهو صالح" (تدريب الراوي، النوع الثاني، الحديث الحسن و تعريفه والاحتجاج به الخ، الحسن في سنن أبي داؤد: ١/ ١٣٢، قديمي)

"ما سكت عنه أبو داؤد، فهو صالح للاحتجاج به" (مقدمة إعلاء السنن، أنواع الحديث، الفصل الثاني في بيان ما يتعلق بالتصحيح والتحسين، ما سكت عنه من أبي داؤد الخ: ١/ ٥٥، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة: الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة، السؤال الثاني في كيفية أحاديث السنن الأربعة وغيرها من كتب الحديث: ٣/ ٢٠٨، إدارة القرآن كراچي)

(٣) "وصالح من رواة السنن و مسلم". (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الميت في المسجد: ١/ ١٩٩، سعيد)

میں امام نووی کا امام احمد کے قول کو اس کے ضعیف ہونے کے استدلال میں پیش کرنا چنداں قابلِ توجہ نہیں، پوری جماعت کے فیصلہ کو ترجیح ہوگی۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ان کا یہ ہے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدث خطیب اس کے متعلق فرماتے ہیں: "المحفوظ: "فلا شیء له" ۲/۲۸۹" (۱) یعنی اس میں محفوظ روایت "فلا شیء له" کی ہے، علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: "الصحیح: "فلا شیء له". حوالہ مذکورہ (۲)۔ اور ابن ماجہ کی روایت جو الفاظ میں قوی ہے اس سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "فلیس له شیء". ابن ماجة: ۱/۱۱۰ (۳) جو بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض مخالفین یہ کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنبیہ کے طور پر یہ فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تو سب صحابہ نے ان کی بات کو تسلیم کرلیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر (نماز) مسجد میں پڑھی گئی جس سے اجماعِ سکوتی کا پتہ چلتا ہے (۴) جس سے صلوٰۃ جنازہ فی المسجد بالاتفاق ثابت ہوئی۔

---

(۱) "قال الخطيب: المحفوظ: "فلا شيء له"". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحديث: ۷۴۳)، ۲/۲۷۵، مكتبة المكية جدة)

"قلت: بل الصحيح: "لا شيء له"، لأن في ابن ماجة: "فليس له شيء" الخ بسند قوي الخ" (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الميت في المسجد: ۱/۱۹۹، سعيد)

(۲) "قال ابن عبد البر: رواية: "فلا أجر له" خطأ فاحش، والصحيح: "فلا شيء له"". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحديث: ۷۴۳)، ۲/۲۷۵، مكتبة المكية جدة)

(۳) (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الجنائز في المسجد، ص: ۱۰۹، قديمي)

(۴) "ورد بأنها لما أنكرت عليهم سلموا لها، فدل على أنها حفظت ما نسوه، وقال ابن عبد البر: لم تر عائشة رضي الله تعالى عنها ذلك منكرًا ورأت الحجة فعل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وإن أنكره جهل بالسنة، ألا ترى لقولها: ما أسرع الناس تريد إلى إنكار ما لا يعلمون" (شرح الزرقاني على =

تو اس کا یہ جواب ہے کہ اولاً تو آپ لوگ مسلم شریف کی مذکورہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی ہو۔ (امہات المؤمنین) کے لئے بھی "یصلین" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد "دعا" ہے اور وہ بھی اس طریقہ پر کہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین خود تو اپنے حجروں میں رہیں اور جنازہ ان کے سامنے گزارا جائے، چنانچہ الفاظ حدیث بھی اسی پر دال ہیں، چنانچہ امہات المؤمنین نے جو فرمائش کی اس کے الفاظ یہ ہیں: "أن يمروا بجنازته في المسجد فيصلين" (۱) یعنی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ مسجد سے ہو کر گزارا جائے تاکہ وہ ان کے لئے دعا کریں۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ مسجد میں جنازہ رکھا جائے وہاں پر نماز جنازہ پڑھی جائے تاکہ ہم بھی نماز پڑھ سکیں، بلکہ یہ فرمایا کہ صرف جنازہ حجروں کے سامنے سے گزارا جائے تاکہ دعا کریں، چنانچہ اس فرمائش کی جو تعمیل کی گئی اس کو حدیث "فوقف به على حجرهن" (۲) سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ جنازہ ان کے حجروں کے سامنے لایا گیا۔

نیز اگر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین نے نماز جنازہ پڑھی ہوتی تو ہر ایک کے حجرہ کے سامنے علیحدہ علیحدہ ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی (جس پر "على حجرهن" کا لفظ دلالت کرتا ہے) بلکہ سب مل کر نماز پڑھ لیتیں اور پھر جب آگے چل کر اس پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو صاف یہ فرمایا کہ: "ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد" (۳) (یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جنازے مسجد

---

= الموطأ، الصلاة على الجنائز في المسجد، ۲/۲۳، دار الفكر، بيروت)

"لكن لفظ الدعاء نص في معناه، و إرادة الصلاة منه بعيد، فقد ورد من لفظ الصلاة في هذه القصة المراد بها الدعاء، وإنما أمرت بالإمرار لتدعوا له بحضرته؛ لأن مشاهدته تدعو إلى الإشفاق والاجتهاد له، ولذا يسعى إلى الجنائز ولا يكتفى بالدعاء في المنزل". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد، ۲/۲۳۳-۲۳۴، إدارة تاليفات أشرفيه ملتان)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلوة على الميت في المسجد، ۱/۳۱۳، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۳) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

میں داخل نہیں کئے جاتے تھے) بھی دلالت کرتا ہے کہ وہاں نماز نہیں پڑھی گئی تھی، صرف جنازہ مسجد میں لیجایا گیا تھا، ورنہ اگر نماز پڑھی گئی ہوتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے رد میں یہ فرماتے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بہرحال! یہ ایک ضمنی اعتراض ہے جو عدم تعلق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جس کے لئے الفاظ حدیث میں کوئی گنجائش نہیں۔

رہا ان کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی جس سے "فلا أجر له" والی حدیث کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا جواب یہ کہ اولاً ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم اس کے قائل بھی ہو کہ یہ حکم پہلے تھا اور پھر منسوخ ہوا، کیونکہ منسوخ ہونے کا حاصل تو یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا مگر بعد میں اٹھا لیا گیا اور اگر قائل ہو تو پھر کون سے نص کے ذریعہ؟

ثانیاً: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل تمہارے نزدیک منسوخ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

ثالثاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ ان کے عذر تھا اور عذر یہ کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب دفن کرنا تھا اور وہ حجرہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے جنازہ مسجد میں سے لے جانے بغیر چارہ کار نہ تھا تو چونکہ اصل ممانعت تو جنازہ مسجد میں لیجانے کی ہے، جب عذر کی بنا پر اس پر عمل ممکن نہ رہا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اور توسیع کی اور نماز بھی مسجد میں پڑھائی گئی (۱)۔

رابعاً: اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھا جانا روایت ابوہریرۃ کے لئے ناسخ بن گیا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا ثبوت مل گیا تو پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کو مسجد میں لانے پر اتنی چہ می گوئیاں کیوں کیں جب کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حضرت،

---

(۱) "وفي البرهان: صلاة الصحابة على أبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما في المسجد كان لعارض دفنهما عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، انتهى". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۳/۲۲۹، ۲۲۸، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کئی سال بعد ہوئی تھی، اگر صحابہ کرام کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہی تھی تو ایسا کیوں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## جامع مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳۴]: اگر عید کی نماز بوجہ عذر بارش مسجد میں ہوئی یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے وہاں پڑھی گئی اور جامع مسجد میں یا باہر جگہ ہے تو نماز ایسے وقت میں جامع مسجد ہی میں پڑھی جائے یا باہر جگہ؟ ترتیب نماز جنازہ اور خطبہ اور خطبہ عیدین میں کیا ہونی چاہیے؟ مفصل جوابات تحریر فرمائیں جائیں اور کتب فتاویٰ کے حوالہ جات بھی تحریر فرمائیں تاکہ ان کی طرف مراجعت کی جائے۔ فقط والسلام۔

المستفتی: ابرار الحق، ۲۴/ذی القعدہ/۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب باہر کوئی عذر نہیں اور جگہ موجود ہے تو باہر پڑھی جاوے: "كرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، واختلف في الخارجة، والمختار الكراهة، اهـ". تنوير. "(قوله: في مسجد جماعة): أي المسجد الجامع ومسجد المحلة اهـ"(۲).

---

(۱) (راجع ص: ۶۸۰، رقم الحاشية: ۲، وص: ۶۸۲، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، ۲۲۵، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له" (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۲/۹۸، امدادية)

"(قوله: ولا في المسجد) لحديث أبي داود مرفوعاً: "من صلى على ميت ... الحديث، أطلقه فشمل ما إذا كان الميت والقوم في المسجد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۷، رشيدية)

وانظر أيضاً: (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز (الرابع) في الصلاة عليه، ص: ۵۸۹، سهيل أكيدمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ صلوۃ جنازہ بلا عذر مسجد میں مکروہ ہے: "وصلوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروہ"۔ عالمگیری: ۱/ ۱۶۶(۱) اگر وہ خام صحن داخلِ مسجد ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، اگر خارجِ مسجد ہے تو اس میں صلوۃ جنازہ بلا کراہت درست ہے۔

۲۔ یہ بات اصل واقف سے دریافت کرنے کی ہے، جس کو اس نے مسجد بنانے کی نیت کی ہے وہ مسجد ہے، جس کو مسجد بنانے کی نیت نہیں کی وہ مسجد نہیں(۲)، اگر وہ موجود نہیں نہ کوئی تحریر وقف نامہ وغیرہ موجود ہے جس سے معلوم ہو سکے تو قرائن پر حکم کیا جائیگا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ نماز اور جماعت ہوتی ہے یعنی پختہ فرش وہ مسجد ہے، وہاں نمازِ جنازہ مکروہ ہے(۳)، جس جگہ نماز نہیں ہوتی بلکہ جوتے نکالے جاتے ہیں یعنی خام صحن وہ

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علیه: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد، فلا شیء له". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد: ۲/۹۸، امدادیه)

"وتکره الصلوة علی الجنازة فی مسجد عندنا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الرابع فی الصلاة علیه، ص: ۵۸۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۶، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعید)

(۲) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة: ۴/۴۴۵، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ما هو صحیح معتبر یعمل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۳) (راجع رقم الحاشیة (۱))

خارج مسجد ہے وہاں نماز جنازہ مکروہ نہیں، اس کے خلاف اگر قرائن موجود ہوں تو یہ حکم نہ ہوگا۔

۳..... اگر وہ جزو مسجد ہے پھر تو اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے، اگر جزو مسجد نہیں تو مکروہ نہیں، کما مر۔

۴..... صورتِ مسئولہ میں میت کی توہین نہیں ہوتی (۱)۔

۵..... جو جگہ صحن مسجد ہے لیکن جزو مسجد نہیں ہے اور جو احاطہ مسجد سے خارج ہے وہ سب جنازہ کے لئے برابر ہے، اسی طرح قبرستان میں اگر کوئی جگہ جنازہ کی نماز کے لیے بنی ہوئی موجود ہے "والصلوة على الجنازة في الأمكنة والدور سواء، كذا في المحيط". عالمگیری: ۱/ ۱۶۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الثانی/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

## مسجد میں اضافہ کر کے اس میں نماز جنازہ

سوال [۴۱۲۱]: شہر بیاور ضلع اجمیر میں ایک جامع مسجد ہے، پہلے کسی زمانے میں پکے کے وجہ کمی مسجد تھی بعد ازاں آدمیوں کی کثرت ہوئی اور مسجد میں تنگی ہوئی، اس کے روبرو اور آگے بڑھا کر اور زیادہ کشادہ بنائی گئی، وہ پکی جگہ میں جو نیچے ہے اس میں چند لڑکے بھی پڑھتے ہیں پھر جمعہ کے روز اس میں بھی کچھ آدمیوں کو تکلیف ہونے لگی اور نہ آسکے، جو پہلے کی جگہ نیچی تھی اس میں پختہ وضو خانہ بنالیا گیا اور اکثر جگہ جس میں ۵/ یا

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/ ۱۶۵، رشيديه)

چونکہ میت چارپائی پر رکھی ہوتی ہے لہذا کوئی موجب توہین امر ظاہر نہیں۔

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/ ۱۶۵، رشيديه)

"بقي من المكروهات أشياء أخر . . . والصلاة في مظان النجاسة كمقبرة و حمام أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/ ۶۵۴، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/ ۵۹، رشيديه)

وہ صف ہو جاتی ہے، ہر روز جمعہ بھی ہے۔ ۳۰۰/ آدمی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض وہاں پر جماعت ثانیہ بھی پڑھتے ہیں جس کو بعض علماء مکروہ لکھتے ہیں، اس لئے مسجد کی شکل میں بنائی گئی ہے۔ اب اس میں اختلاف یہ ہے کہ بعض تو اس میں نماز جنازہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں اور بعض بھی پڑھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔ شرع شریف کا حکم تحریر فرمائیں۔

انڈیور ضلع اجمیر۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

جو حصہ پہلے سے مسجد ہے اس میں جماعت ثانیہ اور صلوۃ جنازہ مکروہ ہے: "وتکرہ الصلوۃ علی جنازۃ فی مسجد جماعۃ الخ" کبیری ص ۵۹۶ (۱)۔

اور جس حصہ کا بعد میں اضافہ ہوا ہے اگر مسجد میں اس جگہ کا اضافہ بہ نیت مسجد کیا گیا ہے تب تو اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یعنی وہاں جنب کا جانا منع ہوگا، جماعت ثانیہ مکروہ ہوگی۔ اور اگر بہ نیت مسجد اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ اس غرض سے بڑھایا گیا ہے کہ بوقت ضرورت وہاں بچے بیٹھ کر پڑھ لیا کریں، یا اگر نمازی زیادہ ہوجائیں تو وہاں بھی کھڑے ہوجایا کریں، لیکن وہ حصہ مسجد نہیں ہے تو اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، وہاں جنب کا جانا، جماعت ثانیہ، صلوۃ جنازہ وغیرہ سب چیزیں درست ہیں، اس کی تحقیق کہ کس حصہ

---

(۱) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجنائز، الرابع فی الصلاۃ علیہ، ص: ۵۹۶، سہیل اکیڈمی، لاہور)

"عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ" (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد: ۲/۹۸، امدادیہ)

"وکرہت تحریماً، وقیل: تنزیہاً فی مسجد جماعۃ ہو: أی المیت فیہ وحدہ أو مع القوم" (الدر المختار). "(قولہ: وقیل تنزیہاً) ورجح القول الأول لإطلاق المنع فی قول محمد فی موطئہ: لا یصلی علی جنازۃ فی مسجد" (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۳۲۷، رشیدیہ)

کا اضافہ بہ نیت مسجد کیا گیا ہے یا نہیں، واقف اور بانی سے کی جاوے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱/۵۹ھ۔

اور صحن مسجد کو وضو خانہ بنانا جائز نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/محرم/۵۹ھ۔

## جائے نماز بچھا کر اس پر نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۴۲۰۷]: جنازہ کی نماز اگر جائے نماز بچھا کر پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی جائے نماز بچھا کر پڑھ لی جاوے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ جزو کفن نہیں ہے اور اس کا التزام درست نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## نماز جنازہ فنائے مسجد اور قبرستان میں

سوال [۴۲۰۸]: مسجد سے متصل قبرستان ہو اور فنائے مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا ممکن ہو تو کیا

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "قال الطيبي رحمه الله تعالى: وفيه من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيدية)

"إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة، ذكر الدعوات: ۲/۲۶۳، سهيل اكيدمى لاهور)

سی جگہ بہتر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فنائے مسجد (جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی) میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے، قبرستان میں اگر کوئی جگہ نماز جنازہ کیلئے تجویز شدہ ہو اس طرح کہ قبریں سامنے نہ ہوں اور نہ درمیان میں نمازیوں کے ہوں: "قال أبو حنيفة: لا ينبغي أن يصلي على ميت بين القبور". طحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۲۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

## مسجد میں نماز جنازہ میں عدم شرکت

سوال [۴۱۳۵]: ۱... نماز جنازہ اگر مسجد میں ہو رہی تو بغرض اصلاح جماعت سے علیحدگی ضروری ہے؟

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي)

"و ما يكره من الصلاة في القبور ... و رأى عمر رضي الله تعالى عنه أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه يصلي عند قبره، فقال: القبر القبر، و لم يأمره بالإعادة".

"(قوله: و لم يأمره بالإعادة): أي لم يأمر عمر أنساً رضي الله تعالى عنه بإعادة صلاته تلك، فدل على أنه يجوز ولكن يكره. واعلم أن العلماء اختلفوا في جواز الصلاة على المقبرة. ......... وذهب الثوري وأبو حنيفة والأوزاعي رحمه الله تعالى إلى كراهة الصلاة في المقبرة". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۱۷۴/۴، إدارة الطباعة المنيرة بيروت)

"وفي المكروهات أشياء ......... الصلاة في مظان النجاسة كمقبرة و حمام ... أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس ..... لا تكره الصلاة إلى جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۵۸/۲، رشيدية)

۲۔ باوجود مسئلہ بتانے کے اگر لوگ روا جا پڑتے ہوں تو شرکت جماعت سے اور امامت سے معذوری ظاہر کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟

۳۔ اگر مسئلہ بتانے سے فساد کا امکان ہو تو اس کی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ اصلاح کی خاطر یہ طریق اختیار کرے تو بہتر ہے(۱)۔

۲۔ مسئلہ بتا کر معذوری ظاہر کر دی جائے۔

۳۔ محض رواج اور بے دینوں کا کوئی تحت انتقام لگا ہوا ہے تو کوئی اندیشہ نہیں جس کی بنا پر مسئلہ بتانے سے گریز کیا جائے، واقعی فساد ہو تو سکوت کی بھی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۲/۸۷ھ۔

---

(۱) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا علیحدہ جگہ اختیار کرنا افضل ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۲/۹۸، امدادیه ملتان)

"كرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، واختلف في الخارجة عن المسجد، والمختار الكراهة مطلقاً". (الدر المختار). "(قوله: في مسجد جماعة) أي المسجد الجامع ومسجد المحلة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، ۲۲۵، سعيد)

"ويكره الصلاة على الجنازة في مسجد عندنا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۹۹، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۲، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۰۴)

"التي لانه لبيان الإيجاب، من قوله تعالى: ﴿ولتكن﴾ أمر، وظاهر الأمر الإيجاب: إجماع علماء

مسجد میں نماز جنازہ روک دی، نماز جنازہ قبرستان میں ادا کی گئی۔ سوال یہ ہے کہ مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا اور نماز جنازہ ادا کرنے نہ دینا، ایسا کرنے والے مسلمان گنہگار ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں نماز پڑھنا ہر مسلمان کا حق ہے، مدرسہ میں چندہ نہ دینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مسجد پر تالا ڈال کر نماز سے روک دینا یا مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا بہت بڑا ظلم ہے: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الآية (۱)۔ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، ان کے لئے یہ سخت وعید کلام پاک میں آئی ہے (۲)۔ ان کو اپنی حرکت سے توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: "وظاهر الآية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه". (تفسير روح المعاني: ۱/۳۶۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال ابن كثير تحت هذه الآية: "وأيضاً فإنه تعالى لما وجه الذم في حق اليهود والنصارى، شرع في ذم المشركين الذين أخرجوا الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه من مكة، ومنعوهم من الصلاة في المسجد الحرام. وأما اعتماده على أن قريشاً لم تسع في خراب المدينة، فأي خراب أعظم مما فعلوا؟ أخرجوا عنها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه ... ﴿وما لهم ألا يعذبهم الله وهم يصدون عن المسجد الحرام﴾ الآية ... ﴿هم الذين كفروا وصدوكم عن المسجد الحرام﴾ الآية". (تفسير ابن كثير: ۱/۱۵۹، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾ الآية (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة: ۲/۳۵۵، قديمي)

جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے جیسے اندرونی حصہ اور فرشِ مسجد جہاں گرمی کے وقت نماز پڑھی جاتی ہے۔ نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے(۱)، اس فرش سے علیحدہ اگر احاطہ اور چہاردیواری میں زائد جگہ ہو تو وہاں مکروہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

## قبرستان میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۰۱]: کیا مقبرہ میں جبکہ قبر قریباً دس قدم کے فاصلہ پر ہے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وفي البدائع وغيرها: "قال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: لاينبغي أن يصلى على ميت بين القبور، وكان علي رضي الله تعالى عنه وابن عباس رضي الله تعالى عنهما يكرهان ذلك، وإن صلوا أجزأهم، لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة رضي الله تعالى عنهما بين مقابر البقيع والإمام أبوهريرة رضي الله تعالى عنه، وفيهم ابن عمر رضي الله تعالى عنهم، ثم محل

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (أبو داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۹۸/۲، سلفيه)

"كرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، واختلف في الخارجة، والمختار الكراهة مطلقاً". (الدر المختار). "(قوله: في مسجد جماعة) أي المسجد الجامع ومسجد المحلة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۴/۲ - ۲۲۵، سعيد)

"وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد عندنا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۲۶/۲، رشيديه)

الکراہۃ إذا لم یکن عذر، فإن کان فلا کراہۃ اتفاقاً اھ"(۱)۔

عبارات بالا سے سوال کا جواب معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۳/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ربیع الثانی/۶۲ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل: وأما سنن الدفن: ۲/۱۵، رشیدیہ)

"عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الوطء على القبور والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

"قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: لا ينبغي أن يصلى على ميت بين القبور، وكان علي وابن عباس رضي الله تعالى عنهم يكرهان ذلك. وإن صلوا أجزأهم لما روي أنهم صلوا على عائشة وأم سلمة رضي الله تعالى عنهما بين مقابر البقيع، والإمام أبو هريرة رضي الله تعالى عنه، وفيهم ابن عمر رضي الله تعالى عنهما. ثم محل الكراهة إذا لم يكن عذر، فإن كان فلا كراهة اتفاقاً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۳، رشيدية)

**ترجمہ:** بدائع وغیرہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبروں کے درمیان میت پر نماز پڑھنا مناسب نہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو مکروہ فرماتے تھے۔ اور اگر نماز پڑھ لی تو کافی ہوجائے گی جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر نماز جنازہ مقبرۂ بقیع میں ہوئی اور امام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور نمازیوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، پھر محل کراہت بھی اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو، اگر عذر ہو تو پھر بالاتفاق کوئی کراہت نہیں۔

**خلاصہ جواب:** یہ ہے کہ مقبرہ میں قبروں کے درمیان کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھنا بغیر عذر کے مکروہ ہے، اور اگر کوئی عذر ہو تو اس میں کراہت نہیں۔

**ایضاً**

سوال[۲۱۶۴]: یہاں قبرستان کی جگہ یہاں کی کونسل نے عطا کی ہے۔ اس قبرستان میں صلوۃ الجنازہ کی سہولت کے لئے ایک قوم کے خیرخواہ فرد نے اپنے خرچ سے ایک عمارت تعمیر کردی ہے، یہ عمارت نہ کسی قبر پر تعمیر کی گئی ہے اور نہ اس کے قبلہ رو کوئی قبر واقع ہے، عمارت کے چاروں طرف دیواریں ہیں، دیواروں کے چاروں طرف لوہے کی جالی ہے، باہر ہال کے چاروں طرف بینچ لگے ہیں۔ اس عمارت میں آج تک نماز جنازہ پڑھتے آئے ہیں لیکن اس سال ایک مولوی صاحب نے اس عمارت میں نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا سنت کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے براہ کرم جلد از جلد جواب سے مطلع فرمایا جائے۔ فقط۔

**الجواب حامداً ومصلیاً:**

نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، کوئی عذر ہو تو دوسری بات ہے مثلاً زور کی بارش ہو اور کہیں جگہ بھی نہ ہو ورنہ تو مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، حدیث وفقہ سے ایسی ہی ثابت ہے، درمختار میں ہے:

"وكرهت تحريماً في مسجد جماعة هو: أي الميت فيه وحده أو مع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً، خلاصة، بناءً على أن المسجد إنما بني للمكتوبة وتوابعها كنافلة وذكر وتدريس علم، وهو الموافق لإطلاق حديث أبي داود: "من صلى على ميت في المسجد فلا صلوة له" اهـ. هذه رواية ابن أبي شيبة، ورواية أحمد وأبي داود: "فلا شيء له" وابن ماجة: "فليس له شيء". وروي "فلا أجر له" وقال ابن عبد البر: هي خطأ فاحش، والصحيح: "فلا شيء له" اهـ. إنما تكره في المسجد بلا عذر، فإن كان فلا، ومن الأعذار المطر". مطلب كراهة صلوة الجنازة في المسجد، ردالمحتار: ۲/۲۲۴، ۲۲۵، ملخصاً(۱)۔

جبکہ وہاں قبرستان میں نماز جنازہ کیلئے مستقل تعمیر موجود ہے، اور قبلہ رخ کوئی قبر بھی نہیں ہے تو وہیں نماز

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد: ۲/۲۲۴، ۲۲۶، سعید)

جنازہ پڑھی جائے اسی جگہ تو فرض نماز بھی مکروہ نہیں:

"تکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ الخ". مراقی الفلاح "إلا أن یکون فیها موضع أعد للصلوۃ ولا نجاسۃ فیه ولا قذر فیه الخ". طحطاوی، ص: ۲۰۵ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۹ھ۔

## عیدگاہ میں نمازِ جنازہ

سوال [۴۰۳۳]: عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا کیسا ہے خواہ عیدگاہ کے متصل کوئی جگہ ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راجح اور اصح قول کے مطابق عیدگاہ صرف جوازِ اقتداء بصورتِ عدمِ اتصالِ صفوف کے حق میں مسجد کا حکم رکھتی ہے، لہذا عیدگاہ میں صلوۃ جنازہ (مسجد کی طرح) مکروہ نہیں، خواہ متصل کوئی جگہ ہو یا نہ ہو۔ اگر متصل شارعِ عام ہے تو اس میں صلوۃ جنازہ مکروہ ہے، اسی طرح کسی کی زمین میں (بغیر اذنِ مالک) بھی مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی جگہ جنازہ کے لئے مخصوص ہے تو اس میں پڑھنا بلا خلاف اولیٰ ہے۔ اسی طرح ملکِ غیر میں اذنِ مالک کے بعد:

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی المکروهات، ص: ۳۵۴، قدیمی)

"وما یکرہ من الصلاۃ فی القبور ورأی عمر أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه یصلی عند قبر، فقال: القبر القبر، ولم یأمرہ بالإعادۃ. قوله: ولم یأمرہ بالإعادۃ: أی لم یأمر عمر أنساً رضی اللہ تعالیٰ عنهما بإعادۃ صلاته تلک، فدل علی أنه یجوز، ولکن یکرہ. واعلم أن العلماء اختلفوا فی جواز الصلاۃ علی المقبرۃ وذهب الثوری وأبو حنیفة والأوزاعی رحمهم اللہ تعالیٰ إلی کراهة الصلاۃ فی المقبرۃ" (عمدۃ القاری، کتاب الصلاۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة: ۴/۱۷۴، إدارۃ الطباعة المنیریة بیروت)

"ینبغی فی المکروهات أشیاء الصلاۃ فی مظان النجاسة کمقبرۃ وحمام أو کان فی المقبرۃ موضع أعد للصلاۃ ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس" (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها: ۱/۶۵۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها: ۲/۵۸، رشیدیة)

"لا تکرہ صلوۃ الجنازۃ فی مسجد أعدلها، وکذا فی مدرسۃ و مصلی عید؛ لأنہ لیس لہ حکم المسجد فی الأصح إلا فی جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف اھ". طحطاوی ص: ۳۴۷(۱)۔ "تکرہ الصلوۃ الجنازۃ فی الشارع و أراضی الناس لشغل حق العامۃ فی الأول وحق المالک فی الثانی". مراقی الفلاح، وطحطاوی، ص: ۳۴۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۶/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

ایضاً

سوال [۴۰۰۲]: صحن عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور عیدگاہ کے اندر میت رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ، ص: ۵۹۵، ۵۹۶، قدیمی)

"ولم یقید المصنف کصاحب المجمع المسجد بالجماعۃ کما قیدہ فی الہدایۃ لعدم الحاجۃ إلیہ؛ لأنہم یحترزون بہ عن المسجد المبنی لصلاۃ الجنازۃ، فإنہا لا تکرہ فیہ مع أن الصحیح أنہ لیس بمسجد؛ لأنہ ما أعد للصلوۃ حقیقۃً؛ لأن صلاۃ الجنازۃ لیست بصلاۃ حقیقۃ، و حاجۃ الناس ماسۃ إلی أنہ لم یکن مسجداً توسعۃً للأمر علیہم. واختلفوا أیضاً فی مصلی العیدین أنہ ہل ہو مسجد؟ والصحیح أنہ مسجد فی حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنہ أعد للصلاۃ حقیقۃً، لا فی حرمۃ دخول الجنب و الحائض". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۳۲۸/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت: ۱۶۵/۱، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲۲۵/۲، سعید)

(۲) مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ، ص: ۵۹۵، قدیمی)

نمازِ جنازہ کے بعد دعاء

سوال[۴۱۴۹]: بعض لوگ نمازِ جنازہ کے بعد بیٹھ کر دعاء مانگتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں، قرآن کریم، حدیث شریف اور کتبِ فقہ میں کہیں اس کا حکم نہیں دیکھا، حالانکہ چھوٹے چھوٹے مستحبات بھی کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، بلکہ بعض کتب میں نمازِ جنازہ کے بعد دعاء کو منع کیا گیا ہے(۱) (اس لئے کہ نمازِ جنازہ خود میت کے لئے دعاء ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۱۵۰]: دفن سے قبل بعد نمازِ جنازہ دعا کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جنازہ خود دعاء ہے اس کے بعد دوبارہ مجتمع ہو کر دعاء کرنا جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے شرعاً ثابت نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع الحاشیة التالیة)

(۲) "لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة" (خلاصة الفتاویٰ، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه في المتفرقات الجنائز: ۲۲۵/۱، رشیدیه کوئٹه)

"ولا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة في صلاة الجنازة" (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنائز، نوع آخر: ۸۰/۴، رشیدیه)

ایضاً

سوال [۴۰۱۵]: ہمارے علاقے میں نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے بعد پھر تھوڑا کھڑا ہو کر جملہ مقتدی دعا مانگتے ہیں کیا یہ دعا مانگنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۲۵ میں اس کو منع کیا ہے: "لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

## نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء

سوال [۴۰۱۶]: نماز جنازہ کے بعد سلام پھیرنے کے بعد اور جنازہ اٹھانے سے پہلے بعض جگہ یہ رواج ہے کہ تمام لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعاء مانگتے ہیں، دعا مانگنے سے قبل جنازہ نہیں اٹھایا جاتا، دعا مانگنے والوں کو مہلت دیا جاتا ہے کہ یہ بڑا کار ثواب ہے، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے (دعا میں سورۂ فاتحہ، اخلاص وغیرہ پڑھتے ہیں) اور اگر منع کیا جائے تو کہتے ہیں کہ تم لوگ نیک کام سے منع کرتے ہو اور یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سنت نہ بھی ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ثواب کا کام ہے، اس لئے شریعت اسلام کا یہ حکم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کوئی بھی نیک کام ہو تو ترک نہ کیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یا ائمہ

---

(۱) (خلاصۃ الفتاویٰ، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منہ: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیہ)

"ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة" (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، تحت حديث مالك بن هبيرة رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۱۶۷۴: ۴/۱۷۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/۸۰، رشيدية)

اربعہ فقہائے حنفیہ میں یا حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ عمل ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں تو فی زمانہ اس پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں، نیز یہ کہ ابتدائے اسلام میں تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ ایسے عمل کو سنت کہتے ہیں ان سے مطالبہ کیا جائے کہ کس حدیث میں کس فقہ کی کتاب میں ہے، مگر آپ نے ان سے ثبوت طلب نہیں کیا، کچھ حکمت ہی ہوگی۔ فقہاء نے نماز جنازہ سے فارغ ہو کر بعد سلام میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاوی میں اس کو منع کیا ہے۔ اس دعاء کا نیک کام ہونا نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، ائمہ مجتہدین وغیرہ کو معلوم نہیں تھا آج ان کو منکشف ہوا ہے۔ "لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة". خلاصة الفتاوی: ۱/۲۲۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

## نماز جنازہ کے بعد مستقلاً میت کے لئے دعا کرنا

سوال [۴۱۵۳]: نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر مستقلاً میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ خود دعا ہے، وہ میت کیلئے اس میں دعائے مغفرت کی اصل ہے، نماز کے بعد مستقلاً کھڑے

---

(۱) (خلاصة الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیہ)

"ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة، لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۱۶۸۷: ۴/۱۷۰، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنائز، وليه الشهيد: ۴/۸۰، رشیدیہ)

اجیب دعوة الداع اذا دعان
فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلهم یرشدون